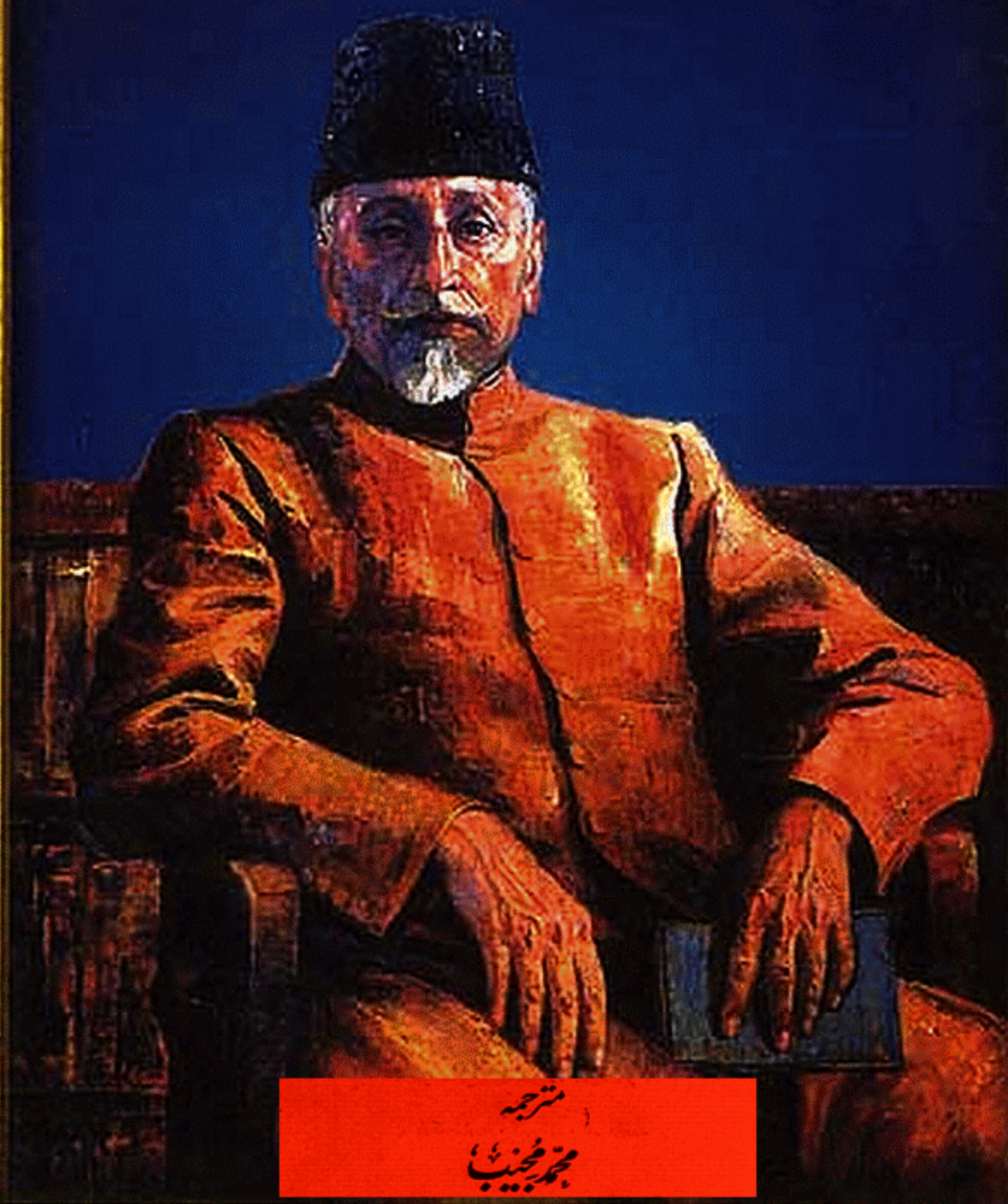


# ہمارے آزادی

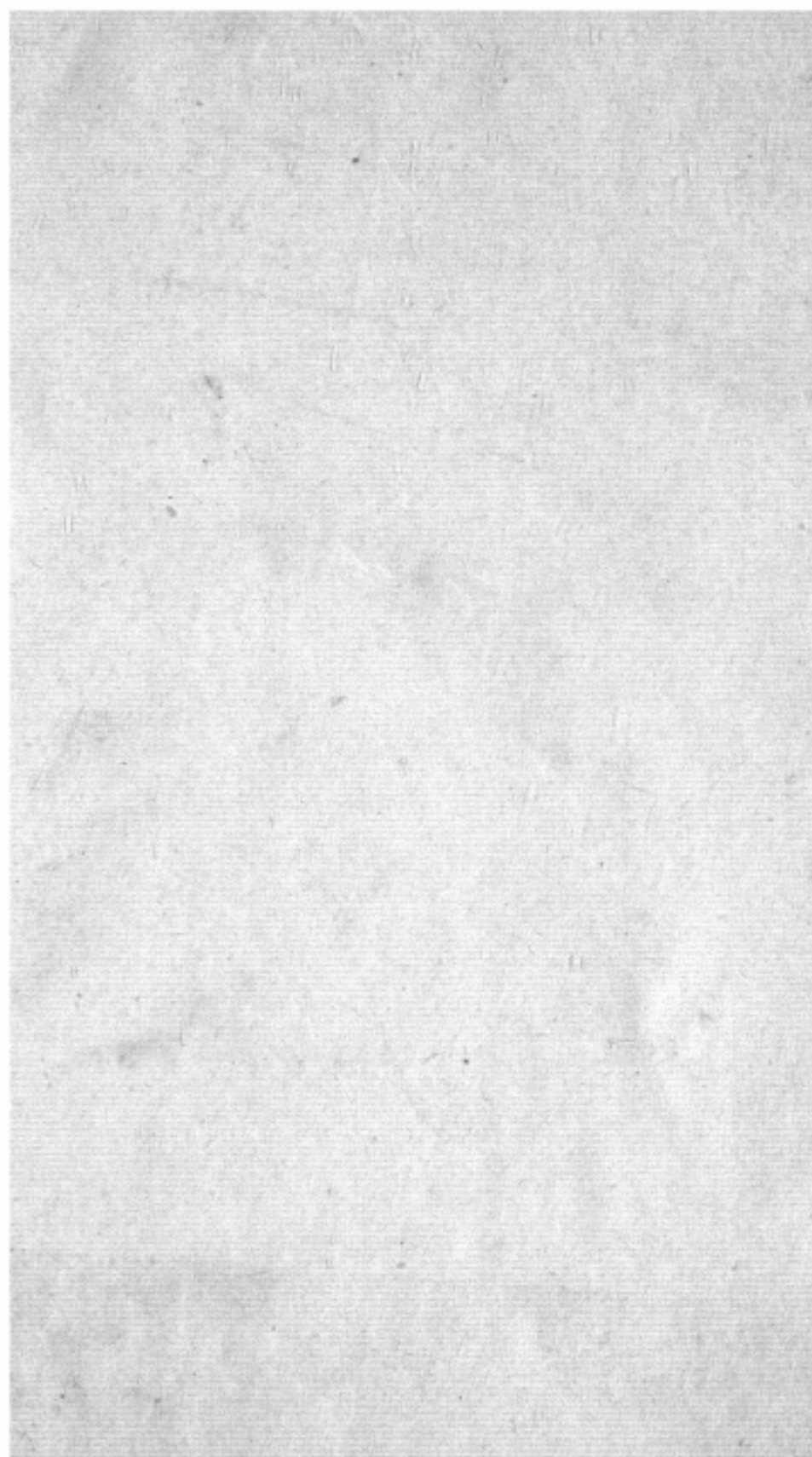
ایک تاریخ جو آپ جیتی بھی ہے

ابوالکلام آزاد



ترجمہ  
محمد مجیب







# ہماری آزادی

ایک تاریخ جو آپ بیتی بھی ہے

ابوالکلام آزاد

مترجمہ

محمد مجیبؒ

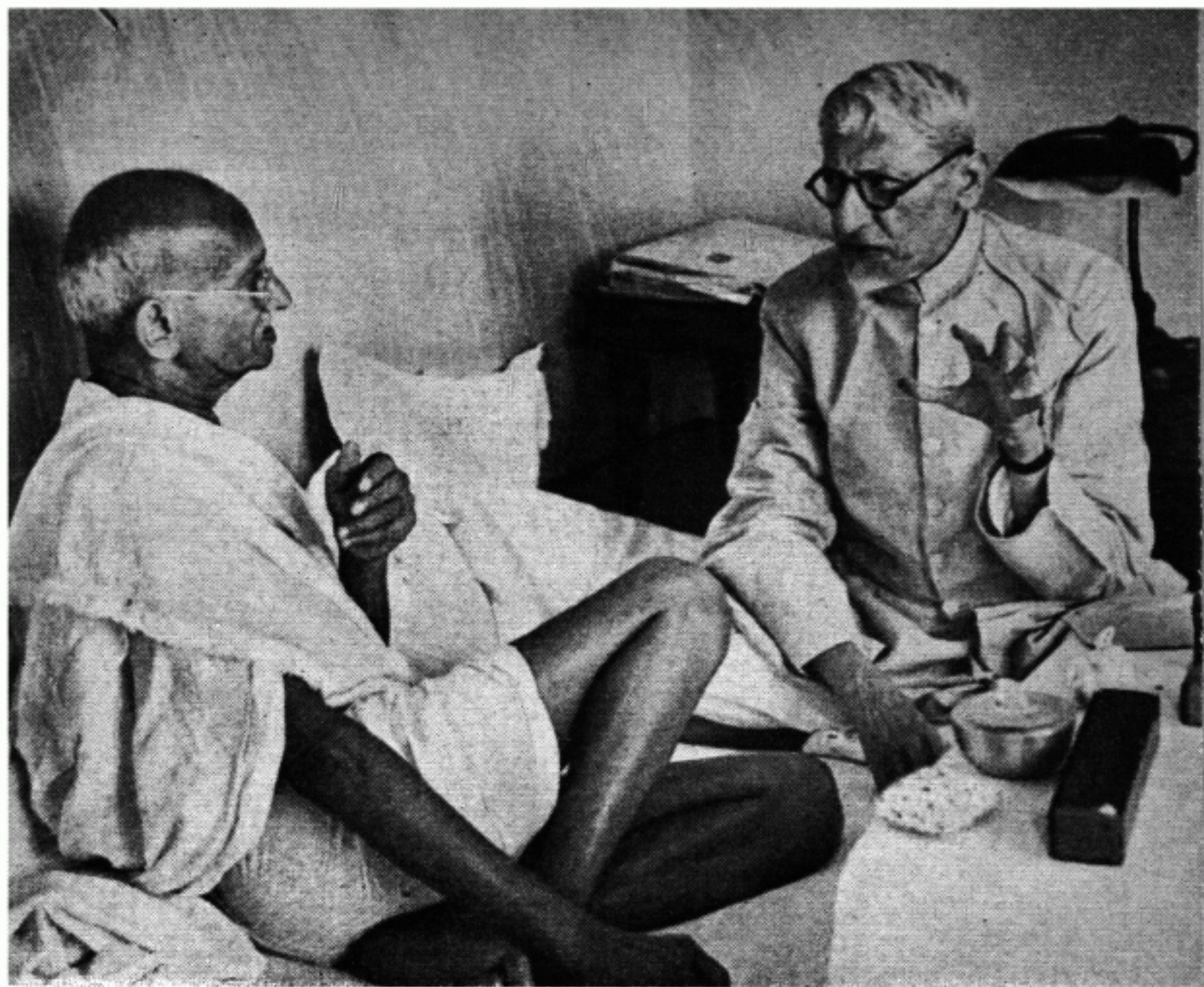


اورینٹ لونگ منیس

بمبئی، کلکتہ، مدراس، نئی دہلی،  
حیدرآباد، پونہ، احمد آباد، بنگلور







گاندھی جی اور مولانا ابوالکلام آزاد (۱۹۴۶ء) .



دوست اور ساتھی

جَوَاهِرُ لَآلِ نِہِرُو

کے لئے



## اورنٹ لونگ مینس پرائیوٹ لمیٹڈ

- ۱۷ چترس اوپیو، کلکتہ ۱۳  
نکل روڈ، یلارڈ اسٹیٹ، بمبئی ۱  
۳۶ ۹ ماؤنٹ روڈ، مدراس ۲  
کریس ہاؤس، ۱/۲۴ آصف علی روڈ، شی دہلی ۱  
گن ہاؤس روڈ، حیدر آباد ۱  
۱۷، اطم الدین روڈ، ڈھاکہ  
۳۷۳-۳۷۴ نارائن پٹھ روڈ، پونا ۲  
شاہ پور روڈ، احمد آباد ۱  
۱۷ ووڈ اسٹریٹ، شولے، مگادور

## لونگ میس گرین اینڈ کمپنی لمیٹڈ

۶ اور ۷ کئی فورڈ اسٹریٹ، لندن، ڈبلو ۱

اور

یو پارک، ٹورنٹو، کیپ ٹاؤن، اور میاموں

طاعت

انگریزی ایڈیشن پہلی مارچ ۱۹۵۹

اردو ترجمہ پہلی مارچ ۱۹۶۱

© اورنٹ لونگ مینس پرائیوٹ لمیٹڈ ۱۹۶۱

ایس ایچ موڈک بی۔ ای (آرر) سے ادبی پرنٹنگ پریس، ۸ شیفرڈ روڈ،  
مبئی ۸ میں چھاپا اور سی۔ دی، اسٹیلبر، میجر اورنٹ لونگ میس پرائیوٹ لمیٹڈ  
نکل روڈ، یلارڈ اسٹیٹ، بمبئی ۱ سے شائع کیا



## فہرست مضامین

۱	دیناچہ
۸	پہلی جلد کا خلاصہ
۳۱	کانگریس برسر اقتدار
۵۲	یورپ میں جنگ
۶۷	میں کانگریس کا صدر بنایا گیا
۹۰	چین کی طرف گریز
۹۸	کرپس مش
۱۴۸	بے چینی کا دور
۱۶۷	ہندوستان چھوڑ دو
۱۸۲	قلعہ احمد نگر حیل
۲۰۸	شملہ کانفرنس
۲۴۰	عام انتخابات
۲۷۸	برطانوی کینٹ مش
۳۰۸	تقسیم ہند کا پیش خیام
۳۳۰	انٹرم حکومت
۳۶۴	ماؤنٹ بیٹ مش
۳۸۴	خواب تھا حو کچھ کہ دیکھا !



۴۱۱	تقسیم شدہ ہندوستان
۴۴۵	حرف آخر
	ضمیمہ :
۴۵۵	سر اسٹیفرد کریس کا بیان
۴۵۸	سر اسٹیفرد کے نام مولانا کا خط
۴۶۹	سر اسٹیفرد کا جواب
۴۷۳	مولانا کا خط
۴۷۸	ہندوستان چھوڑ دو رزولوشن
۴۸۶	برطانوی حکومت کا ۳ حوں کا بیان

## دیباچہ

کچھ اوپر دو سال ہوئے ، حب میں ہے مولانا آزاد کی خدمت میں یہ درخواست پیش کی کہ وہ اپنی سوانح عمری لکھیں ، تو مجھے اس کا بالکل گماں نہیں تھا کہ ایک دن مجھے دکھ بھرے دل کے ساتھ اس سوانح عمری کا دیباچہ لکھنا ہوگا۔ مولانا اپنی ذاتی زندگی کے حالات کا ذکر کرنا پسند نہیں کرتے تھے ، اور پہلے انہوں نے ان کو بیاں کرے میں بہت تکلف کیا انہوں نے اس بات کو بڑی مشکل سے مانا کہ انگریزوں سے ہندوستانیوں کے ہاتھوں میں اختیارات کی منتقلی کی جو کارروائی ہوئی ، اس میں ان کا بہت بٹار حصہ تھا اور اس لحاظ سے ان کا فرض ہے کہ آئے والی سلوں کے سامنے وہ اس یادگار زمانے کے متعلق اپنے تاثرات پیش کریں ان کے تکلف کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ ان کی صحت برباد ہوچکی تھی اور وہ سمجھتے تھے کہ اب انہیں اپنی ساری طاقت ان ناگزیر سیاسی اور انتظامی کاموں پر قابو پانے کے لئے وقف کر دینا چاہیے ، جس کا بوجھ ان کے کندھوں پر ڈالا گیا ہے ۔ آخر میں جب میں نے ان کو یقین دلا دیا کہ میں حتی الامکان انہیں اپنے ہاتھ سے لکھنے کی زحمت سے بچاؤں گا ، تو وہ راضی ہو گئے ۔ اس میں بے شک یہ نقصان ہے کہ ہندوستانی ان کی اپنی زبان میں لکھی ہوئی سوانح عمری کو پڑھے



کے شرف سے محروم رہیں گے اور ہندوستانی ادب اور خاص طور سے اردو ادب میں یہ ایک بڑی کمی رہ جائیگی، لیکن کچھ نہ ہوئے سے تو یہی بہتر ہے کہ ان کی ہدایت اور نگرانی میں لکھی ہوئی انگریزی کتاب تیار ہو جائے۔

میں یہ دریا تفصیل کے ساتھ یہاں کر دیا ضروری سمجھتا ہوں کہ موجودہ کتاب کس طرح سے مرتب ہوئی۔ پچھلے دو ڈھائی سال میرا یہ دستور رہا ہے کہ جب میں دورے پر نہ ہوتا تو مولانا آزاد کی صحت میں شام کا گھنٹہ ڈیڑھ گھنٹہ گزارتا۔ وہ گفتگو کے میں عجیب ملکہ رکھتے تھے اور اپنی سرگذشت کو ایک حقیقی جاگتی تصویر بنا دیا کرتے تھے۔ میں ساتھ ساتھ خاصے مفصل نوٹ لیتا رہتا تھا اور جب کسی معاملے میں وضاحت یا مرید معلومات کی ضرورت ہوتی، تو سوال پوچھ لیا کرتا تھا۔ مولانا اپنی وضع کے مطابق اپنے ذاتی معاملوں کا ذکر کرے سے سچی کے ساتھ انکار کرتے رہتے، لیکن تمام ہلکے مسئلوں پر انہوں نے کھلے دل اور محضانہ انداز سے گفتگو کی۔ جب میرے پاس کتاب کے ایک باب کے لئے مواد جمع ہو جاتا، تو میں انگریزی میں اس کا مسودہ تیار کر کے ان کی خدمت میں حلد سے حلد پیش کر دیتا وہ ہر باب کو پہلے خود دیکھتے اور پھر ہم دونوں مل کر اسے پڑھتے۔ اس مرحلے پر انہوں نے کبھی کچھ بڑھا کر، کبھی کچھ بدل کر، کبھی کچھ خارج کر کے مسودے میں بہت سی ترمیمیں کیں۔ ہم اس طرح کام کرتے رہے، یہاں تک کہ ستمبر سنہ ۱۹۵۷ء میں، میں نے پوری کتاب



کا پہلا مسودہ ان کی خدمت میں پیش کر دیا۔  
 حب پوری کتاب مولانا آزاد کے ہاتھ میں آگئی، تو انہوں نے  
 فیصلہ کیا کہ اس کے قریب تیس صفحے، جن میں ایسے مسائل  
 اور ایسے تاثرات پر بحث کی گئی تھی، جو بڑی حد تک ذاتی  
 اور شخصی تھے، فی الحال شائع نہ کیے جائیں۔ انہوں نے ہدایت  
 کی کہ پوری کتاب کے دو سچے تیار کئے جائیں اور ان میں سے  
 ایک کلکتہ کی بیشنل لائبریری اور ایک نئی دہلی کے بیشنل آرکائر  
 میں مہر لگا کر محفوظ کر دیا جائے۔ لیکن انہیں اس کی فکر تھی  
 کہ تیس صفحات کی اس عبارت کو خارج کر دیے سے واقعات  
 کی حو تصویر انہوں نے پیش کی تھی، وہ نہ مگڑنے پائے اور حو  
 نتیجے انہوں نے نکالے تھے، ان میں فرق نہ آئے۔ میں نے ان کی  
 ہدایت کے مطابق تبدیلیاں کر دیں۔ اور نومبر ۱۹۵۷ء کے آخر  
 میں کتاب کا مسودہ نظر ثانی اور کاٹ چھانٹ کے بعد مولانا آزاد  
 کی خدمت میں پیش کر دیا۔

حسن رمایے میں، میں آسٹریلیا گیا ہوا تھا، انہوں نے مسودے  
 کو پھر ایک بار دیکھا، حب میں واپس آیا، تو ہم دونوں نے  
 مسودے کے صرف ہر ایک باب کو نہیں بلکہ ہر ایک حملہ کو  
 دوبارہ پڑھا۔ مولانا نے ادھر ادھر کچھ ترمیمیں کیں، مگر کوئی  
 بڑی تبدیلی نہیں کی گئی۔ بعض باب ایسے تھے، جو تین چار مرتبہ  
 اس طرح سے دیکھے گئے۔ اس سال یوم جمہوریہ کے موقع پر  
 مولانا آزاد نے فرمایا کہ اب وہ مسودے سے مطمئن ہیں اور اسے  
 طاعت کے لئے بھیجا جاسکتا ہے۔ اس وقت کتاب جس شکل



میں شائع ہوئی ہے، وہ ان کے مطور کئے ہوئے مسودے کے بالکل مطابق ہے

مولانا آزاد کی خواہش تھی کہ یہ کتاب نومبر ۱۹۵۸ء میں ان کی ستروں سالگرہ کے دن شائع ہو مشیت الہی کچھ اور تھی اور اب جو کتاب شائع ہوگی تو وہ ہم میں موحود نہ ہونگے۔ جیسا کہ میں بیاں کرچکا ہوں، مولانا آزاد شروع میں اس طرح کی کتاب تیار کرے ہر کچھ بہت آمادہ نہ تھے لیکن جیسے جیسے کام آگے بڑھا، ان کی دلچسپی بڑھتی گئی۔ آخری چھ سات مہینے میں تو بہت کم ایسا ہوا کہ انہوں نے کسی شام کو کتاب کی ترتیب کے کام میں باعہ کیا ہو اپنی ذاتی زندگی کے حالات بیان کرے سے وہ بہت پرہیز کیا کرتے تھے، لیکن آخر میں وہ خود ہی اس پر بیاں ہو گئے کہ اس سلسلے کی پہلی کتاب لکھیں، جس میں ان کی زندگی کے ابتدائی دور آجائیں اور ۱۹۳۷ء تک کے حالات بیاں ہو جائیں۔ انہوں نے اس کتاب کے خاکہ کا مسودہ پسند بھی کر لیا اور یہ ان کی خواہش کے مطابق اس کتاب میں پہلے باب کی حیثیت سے شامل کر لیا گیا ہے۔ ان کا یہ بھی ارادہ تھا کہ تیسری جلد میں ۱۹۴۸ء کے بعد کے واقعات پر بحث کریں۔ ہماری بدقسمتی ہے کہ اب یہ کتابیں کبھی نہ لکھی جاسکیں گی

میں نے اس کتاب کے سلسلے میں جو کچھ کیا ہے، شوق اور محنت میں کیا ہے اور مجھے حوشی ہوگی اگر یہ کسی قدر بھی اُس مقصد کو حاصل کرے میں مدد دے، جو مولانا آزاد کو دل



سے عربی تھا۔ یہ مقصد تھا ہندوستان کی مختلف دیہی جماعتوں میں معاہمت پیدا کرنا اور اسے فروغ دینا اور دینا کی قوموں میں بہتر معاہمت پیدا کرنے کی راہ میں اس قومی منصوبے کو پہلا قدم بنانا۔ وہ یہ بھی چاہتے تھے کہ ہندوستانی اور پاکستانی ایک دوسرے کو دوست اور پڑوسی سمجھیں۔ وہ انڈین کونسل ڈار کلچرل ریلیشر<sup>1</sup> کو اس مقصد کو حاصل کرنے کا ذریعہ تصور کرتے تھے اور اس کونسل کے حطہٴ صدارت میں، جو ان کی آخری تیار کی ہوئی اور مطبوعہ تقریر تھی، انہوں نے ان دونوں ریاستوں کی آبادی کے درمیان، جو دس برس پہلے تک ایک ملک کی حیثیت رکھتی تھیں، معاہمت اور ہمدردی کے رستوں کو مضبوط کرنے کے لئے ولواہ انگیر اپیل کی تھی میں سمجھتا ہوں کہ اس کتاب سے جو آمدنی ہو، اسکا اس سے بہتر کوئی مصرف نہیں ہو سکتا کہ وہ اس کونسل کو اس مقصد سے دے دی جائے کہ وہ ان مختلف مذہبی جماعتوں کو جو ہندوستان اور پاکستان میں آباد ہیں، دل سے ایک دوسرے کے قریب لائے اس لئے ایک حصہ کو چھوڑ کر، جو مولانا کے قریبی وارثوں کو دیا جائیگا، اس کتاب کی رائٹنگ کونسل کو ادا کی جائیگی، تاکہ وہ اس رقم سے ہر سال دو اعام دے سکے، ایک ایسے غیر مسلم کو جو اسلام پر اور ایک ہندوستان یا پاکستان کے ایسے مسلمان شہری کو جو ہندو مذہب پر بہترین مضمون لکھے۔ یہ دیکھتے ہوئے کہ مولانا اراد کے دل میں نوحوانوں کی کتنی محنت اور کتنا لحاظ تھا، اس مقابلے میں صرف وہی شریک

ہوسکیں گے، جس کی عمر اس سال ۲۲ فروری کو تیس برس کی یا اس سے کم ہوگی۔

ختم کرے سے پہلے میں ایک بات کو بالکل صاف کر دیا چاہتا ہوں۔ اس کتاب میں ایسے خیالات بیان کئے گئے ہیں اور رائیں دی گئی ہیں، جس سے مجھے اتفاق نہیں ہے۔ میرا کام صرف یہ تھا کہ مولانا آزاد سے جو نتیجے نکالے تھے، انہیں صحت تحریر میں لے آؤں اور یہ بہت ہی نامناسب ہوتا، اگر حالات کو بیاں کرے کے انداز میں میرے اپنے خیالات کا اثر آجاتا۔ جس وہ زندہ تھے تو اکثر میں ان پر ظاہر کرتا رہتا تھا کہ کس باتوں میں مجھے ان سے اختلاف ہے اور چونکہ کشادہ دلی ان کی طبیعت کی ایک ممتاز خصوصیت تھی، انہوں نے کبھی کبھی اپنے خیالات کو پیش کرتے ہوئے میرے اعتراضوں کا لحاظ رکھا، کبھی کبھی وہ اپنے خاص طریقے سے مسکرائے اور کہا کہ یہ میرے خیالات ہیں اور میں تو یہی سمجھتا ہوں کہ مجھے اس کا حق ہے کہ انہیں جس طرح چاہوں بیان کروں۔ اب وہ انتقال کر گئے ہیں اس لئے یہ ضروری ہے کہ ہر بات اسی شکل میں بیان کی جائے، جو انہوں نے اسے دی ہے۔

ایک شخص کے لئے کسی دوسرے کے خیال یا رائے کو بالکل صحیح صحیح پیش کرنا دشوار ہوتا ہے۔ دونوں کی زباں ایک ہی ہو تب بھی مطلب میں مارک سا فرق ہوجاتا ہے اگر ایک لفظ کی جگہ دوسرا رکھ دیا جائے، اور اس طرح بات کے ایک پہلو کے بجائے کسی دوسرے پر زیادہ زور دے دیا جائے۔ اردو اور



انگریزی کے مزاج میں حو فرق ہے، اس سے مولانا آزاد کے خیالات کی ترجمانی اور بھی مشکل ہو جاتی ہے۔ ہندوستان کی دوسری زبانوں کی طرح اردو میں بھی الفاظ اور محاوروں کی دولت ہے، اس میں رنگی ہے، حوش ہے اس کے برخلاف انگریزی کی مورویت بات کو اصل سے کچھ کم کر کے بیان کرے کے لئے ہے اور ح بات کہے والا اردو زبان میں وہ ملکہ رکھتا ہو، حو مولانا آزاد کو حاصل تھا تو یہ بخوبی تصور کیا جاسکتا ہے کہ اس شخص پر کیا گدرے گی، حو اں کے خیالات کو انگریزی میں بیاں کرے کا حوصلہ کرے۔ اں دقتوں کے باوجود میں بے کوشش کی ہے کہ اپنی تحریر میں مولانا آزاد کے خیالات کا عکس اتار لوں اور یہ بات کہ انہوں نے میرے بیاں کو پسند کیا، میری محنت کا بہت ہی قیمتی معاوضہ ہے۔

— ہمایوں کیر

نئی دہلی

۱۵ مارچ ۱۹۵۸ء

## پہلی جلد کا خلاصہ

**میر** ے آباو اجداد بار کے زمانے میں ہرات سے ہندوستان آئے تھے۔ پہلے انہوں نے آگرہ کو اپنا مسکن بنایا، بعد میں دہلی منتقل ہو گئے وہ علمی ذوق رکھنے والے لوگ تھے۔ آگرہ کے زمانے میں مولانا حمان الدین نے اپنے علم کی بدولت شہرت پائی۔ پھر اس حاسداں کے لوگ دنیا کی طرف جھک گئے اور کئی ایک بے بڑے بڑے سرکاری عہدے حاصل کئے۔ شاہ جہاں کے زمانے میں محمد ہادی آگرہ کے قلعہ دار مقرر ہوئے۔

مولانا منور الدین میرے والد کے نانا تھے۔ محل عہد کے وہ آخری شخص تھے، جسے رکن المدرسین کا خطاب دیا گیا۔ یہ عہدہ شاہ جہاں کے زمانے میں قائم ہوا تھا اور اس کے قیام میں مد نظر یہ تھا کہ علم و فصل کی پرورش اور فروغ کے لئے حکومت کو کچھ کرتی تھی، اس کی نگرانی کی جائے۔ رکن المدرسین کا فرض یہ تھا کہ عالموں اور مدرسوں کو معافیاں، حقوق و مراعات اور عطیے دیے کا انتظام کرے اور اس لحاظ سے اگر اسے دور حدید کے ڈائریکٹر تعلیمات کی طرح کا عہدہ دار سمجھا جائے تو نامناسب نہ ہوگا۔ اس وقت تک معلوم کے اقتدار کو روال ہو چکا تھا، مگر رکن المدرسین جیسے اہم عہدے باقی تھے۔

میرے دادا کا جب انتقال ہوا، تو میرے والد مولانا خیر الدین



بچے ہی تھے، اس لئے ان کے بابا نے ان کی پرورش کی عذر سے دو سال پہلے مولانا مورالدین نے ہندوستان کے حالات سے دل برداشتہ ہو کر مکہ معظمہ کو ہجرت کرے کا فیصلہ کیا، مگر سلطان حہاں بیگم نے بھوپال میں انہیں روک لیا اور وہ بھوپال ہی میں تھے جب عذر شروع ہو گیا۔ دو سال تک وہ وہاں سے نکل نہ سکے، پھر بمبئی پہنچے، یہاں انہیں موت سے آگھیرا اور مکہ معظمہ جانا انہیں نصیب نہ ہوا

اس وقت میرے والد قریب پچیس سال کے تھے وہ مکہ معظمہ گئے اور وہیں سکونت اختیار کر لی انہوں نے اپنے لئے مکان سوایا اور شیخ محمد طاہر وتری کی لڑکی سے عقد کر لیا شیخ محمد طاہر مدینہ منورہ کے ایک بڑے عالم تھے، جس کی شہرت عرب کے باہر بھی پہنچ چکی تھی۔ میرے والد بھی پوری اسلامی دنیا میں معروف ہو گئے جب مصر سے ان کی ایک کتاب شائع ہوئی جو عربی زبان میں تھی اور دس جلدوں میں لکھی گئی تھی۔ وہ کئی بار بمبئی اور ایک مرتبہ کلکتہ آئے اور دونوں جگہ بہت سے لوگ ان کے مداح اور مرید ہو گئے۔ عراق، ترکی اور شام کے بھی انہوں نے کئی دورے کئے اور ان کے متعلق وسیع معلومات حاصل کیں مکہ معظمہ کی آبادی کے لئے ہر ریبہ، پانی حاصل کرے کا سب سے اہم دریعہ ہے اسے خلیفہ ہارون رشید کی بیگم زبیدہ خاتون نے سوایا تھا وقت کے ساتھ اس کو نقصان پہنچا تھا اور شہر میں پانی کی بہت کمی رہا کرتی تھی۔ خاص طور پر حج کے زمانے میں یہ کمی شدت سے محسوس ہوتی اور حاجیوں کو بہت تکلیف

اٹھائی پڑتی تھی۔ میرے والد بے اس ہر کی مرمت کرائی۔ انہوں نے ہندوستان، مصر، شام اور ترکی میں بیس لاکھ کا وڈ جمع کیا اور ہر کے کنارے کو ایسا مصوط کر دیا کہ بدو انہیں توڑ پھوڑ نہیں سکتے تھے۔ سلطان عبدالعزیز اس وقت ترکی کے شہشاہ تھے۔ انہوں نے اس خدمت کے صلے میں میرے والد کو عیدی تمعہ قسم اول عطا کیا۔

میں مکہ معظمہ میں سنہ ۱۸۸۸ء میں پیدا ہوا۔ دو سال بعد میرے والد پورے حاندان کو لے کر کلکتہ آئے۔ کچھ عرصہ پہلے جدہ میں وہ گر پڑے تھے اور ان کی پٹلی کی بلی ٹوٹ گئی تھی۔ یہ ہڈی تنہا تو دی گئی تھی، مگر وہ اچھی طرح سے نہیں بیٹھی تھی اور لوگوں نے انہیں مشورہ دیا تھا کہ کلکتہ کے سرحس اسے ٹھیک کر دیں گے۔ ان کا ارادہ تھا کہ صرف چھ دن قیام کریں گے، مگر ان کے مریدوں اور مداحوں نے انہیں جابے میں دیا۔ ہمارے کلکتہ آنے کے ایک سال بعد میری والدہ بے وفات پائی، اور انہیں وہیں دفن کیا گیا۔

میرے والد رمدگی کے روایتی طریقے کو پسند کرتے تھے۔ انہیں عربی تعلیم پر درا بھی اعتقاد نہیں تھا اور انہیں کبھی اس کا خیال نہیں ہوا کہ مجھے حدید طرز کی تعلیم دلوائیں۔ وہ سمجھتے تھے کہ حدید تعلیم عقیدے کو کمزور کر دیگی۔ اس لئے انہوں نے میری تعلیم کا پرانے دستور کے مطابق انتظام کیا۔

ہندوستان کے مسلمانوں میں یہ رواج تھا کہ پہلے فارسی اور پھر عربی کی تعلیم دی جاتی۔ جب انہیں زبان میں کسی قدر مہارت



ہو حاتی تو انہیں فلسفہ ، اقلیدس ، ریاضی اور الجبرا کا عربی میں درس دیا جاتا دیبیا کی تعلیم بھی اس نظام کا ایک لارمی حرو تھی میرے والد بے میری تعلیم کا انتظام گھر پر کیا ، اس لئے کہ وہ مجھے کسی مدرسے میں نہیں بھیجا چاہتے تھے . یوں تو کلکتہ مدرسہ بھی تھا ، مگر میرے والد اس کے بارے میں اچھی رائے نہیں رکھتے تھے پہلے انہوں نے خود مجھے پڑھایا ، اس کے بعد ہر مضمون کے لئے الگ استاد مقرر کئے ، وہ چاہتے تھے کہ علم کے ہر شعبے میں ممتاز عالم میری رہمائی کریں .

روایتی طریقے پر تعلیم پانے والے طالب علم عموماً بیس پچیس سال کی عمر تک فارغ ہو جایا کرتے تھے اس میں وہ مدت بھی شامل تھی ، حب طالب علم مستدیوں کو درس دے کر ثابت کرتا تھا کہ اس کا اپنا عام پختہ ہو گیا ہے . میں حب فارغ ہوا ، تو میری عمر سولہ سال کی تھی . میرے والد نے قریب پندرہ طالب علم جمع کئے ، جنہیں میں فلسفہ ، ریاضی اور منطق کی اعلیٰ تعلیم دیتا تھا . اس کے تھوڑے ہی دن بعد سر سید احمد خاں کے مصامین پڑھے کا اتفاق ہوا . حدید تعلیم کے بارے میں ان کے خیالات کا میرے اوپر بہت اثر ہوا . اور میں نے محسوس کیا کہ حب تک کوئی شخص حدید سائنس ، فلسفہ اور ادب کا اچھا مطالعہ نہ کرے ، وہ صحیح معنوں میں تعلیم حاصل نہیں کرتا . میں نے طے کیا کہ میرے لئے انگریزی پڑھا ضروری ہے . مولوی محمد یوسف حمیری سے میں نے اس کا ذکر کیا . وہ اس زمانے میں مشرقی علوم کے صدر ممتحن تھے ، انہوں نے مجھے انگریزی کی ابحد سکھائی اور

پیارے چند سرکار کی « پہلی کتاب » پڑھے کو دی۔ جیسے ہی مجھے زبان کی کچھ شدت ہو گئی، میں بے اخیل پڑھا شروع کر دیا۔ میں بے اس کے انگریزی، فارسی اور اردو کے سچے حاصل کئے اور تیسوں کو سامے رکھ کر پڑھتا تھا۔ اس سے مجھے عبارت کو سمجھنے میں بہت مدد ملی۔ میں بے انگریزی لٹ کی مدد سے اخبار پڑھا بھی شروع کر دیا اور بہت جلد اس قابل ہو گیا کہ انگریزی کتابیں پڑھ سکوں۔ میں تاریخ اور فلسفے کا خاص طور سے مطالعہ کرتا رہا۔

میرے لئے یہ شدید دہنی پیچاں کا دور تھا۔ میں جس حادثوں میں پیدا ہوا، وہ مذہبی روایات کے بہت گہرے رنگ میں رنگا ہوا تھا۔ اس میں روایتی زندگی کا ہر دستور اور قاعدہ بغیر چوں چرا کے مانا جاتا تھا اور مابے ہوئے اور مستند طریقوں سے بال برابر ہٹا بھی ناپسند کیا جاتا تھا۔ میں اپنے آپ کو رائج رسموں اور عقیدوں کو قبول کرے پر آمادہ نہ کر سکا۔ میرا دل بغاوت کے ایک نئے احساس سے لرز رہا تھا۔ مجھے اب وہ تصورات مطمئن نہیں رکھ سکتے تھے، جو مجھے اپنے خاندان سے یا مذہبی تربیت کے ابتدائی دور میں حاصل ہوئے تھے۔ میں یہ محسوس کرتا تھا کہ حق تک پہنچنے کی سیل مجھے خود نکالی ہوگی اور کوئی دانستہ کوشش کئے بغیر میں اپنے خاندان کے دائرے سے باہر نکلے اور اپنے لئے اپنی الگ راہ تلاش کرے لگا۔

پہلی بات جس سے مجھے تکلیف ہوئی، وہ مسلمانوں کے مختلف فرقوں کے بعض وعاد کا مظاہرہ تھا۔ میں یہ سمجھے سے



بالکل قاصر تھا کہ جب وہ ایک ہی سرچشمے سے روحانی سرمایہ حیات حاصل کرے گا دعویٰ کرتے ہیں، تو ان میں یہ محالیت و عداوت کیوں ہے۔ ہر فرقہ جس قطعی اعتماد و یقین کے ساتھ دوسروں کو گمراہی اور بدعت کا شکار ٹھہراتا تھا، اسے صحیح اور حق بحاب تصور کرے پر بھی میں اپنے دل کو آمادہ نہ کرسکا۔ راسخ العقیدہ جماعتوں اور فرقوں کے ان اختلافات نے میرے دل میں ایسے شکوک و شبہات پیدا کئے جس سے خود مذہب کو نوپس لگتی تھی اگر مذہب ایک عالمی حقیقت کا عکس اور مظہر ہے، تو پھر مختلف مذاہب کے پیروؤں کے درمیان اختلاف و آدیرش کے کیا معنی؟ اور ہر مذہب کی طرف سے دعویٰ کیوں کیا جائے کہ وہی اور صرف وہی حقیقت کا محور اور حق کا آئینہ ہے اور وہ دوسرے مذاہب کو باطل اور گمراہی کی مثال کیوں قرار دے؟

دو تین سال تک میرے دل میں شدید بے چینی رہی اور میں اپنے شکوک کو دور کرے کی آرزو میں تڑپتا رہا کبھی کوئی کیفیت طاری ہوتی کبھی کوئی اور بالآخر میں ایک منزل پر پہنچا جب کہ وہ تمام بدشیں ٹوٹ کر پارہ پارہ ہو گئیں، حومیرے حادثاں اور حادثاں کی فضا میں تربیت نے میرے دہن پر لگائی تھیں۔ مجھے محسوس ہوا کہ میں تمام رسمی اور مصنوعی رشتوں اور پابندیوں سے آزاد ہو گیا ہوں اور میں نے فیصلہ کیا کہ آگے قدم بڑھاؤنگا تو اسی راہ پر جو میں نے اپنے لئے انتخاب کی ہو۔ یہی وہ زمانہ تھا جب میں نے «آراد» کا عرف اختیار کیا، جس کا

مقصد یہ ظاہر کرنا تھا کہ میں روایتی اور موروثی عقائد کی قید سے آزاد ہو گیا ہوں۔ ان ذہنی انقلابوں کا معصل ذکر میں اپنی سوانح عمری کی پہلی جلد میں کروں گا۔

یہی وہ زمانہ تھا جب میرے سیاسی خیالات میں تبدیلیاں رونما ہوئیں۔ اس وقت لارڈ کرر ہندوستان کے وائسرائے تھے ان کے حکمانہ انداز اور انتظامی اقدامات بے مالک کی سیاسی بے چینی میں ایک نئی شدت پیدا کر دی تھی۔ لارڈ کرر بے بگال کو خاص طور پر اپنی توجہ کا سراوار سمجھا تھا اس لئے شورش بھی یہیں سب سے زیادہ نمایاں تھی۔ یہ صوبہ سیاسی اعتبار سے ہندوستان کا سب سے ترقی یافتہ حصہ تھا اور مالک میں سیاسی بیداری پیدا کرے میں بنگال کے ہندو پیش پیش رہے تھے۔ سہ ۱۹۰۵ء میں لارڈ کرر بے فیصلہ کیا کہ بنگال کو تقسیم کر دیا جائے۔ ان کو خیال تھا کہ اس طرح ہندو کمرور پڑ جائیں گے اور ایک مستقل حلیح ہندوؤں اور مسلمانوں کو ایک دوسرے سے الگ رکھے گی۔

بنگال بے اس حکم کے سامنے سر تسلیم خم نہ کیا، بلکہ ایک ایسا سیاسی اور اتملابی حوش پیدا اور کارفرما ہوا، جس کی مثال کسی سابق عہد میں نہیں ملتی۔ شری آرندو گھوش بڑودہ سے کلکتہ آگئے، تاکہ اس شہر کو اپنی جد و جہد کا مرکز بنائیں اور ان کا اخبار »کرم یوگر« قومی بیداری اور غیروں کی حکومت کے خلاف جنگ کا جھنڈا بن کر لہرایے لگا۔

اسی زمانے میں میرا شری شیام سندر چکرورتی سے تعارف

ہوا۔ یہ اس دور کے انقلابیوں میں بڑا مرتبہ رکھتے تھے۔ ان کی وساطت سے میں اور انقلابیوں سے ملا۔ مجھے یاد ہے کہ شری آرسدو گھوش سے میری دو تین موقعوں پر ملاقات ہوئی۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ انقلابی سیاست میں میرے دل کے لئے ایک کشش پیدا ہو گئی اور میں ان کے ایک گروپ میں شامل ہو گیا۔

ان دنوں انقلابی جماعتیں اپنے کارکن صرف متوسط طبقے کے ہندوؤں سے چنا کرتی تھیں، بلکہ حقیقت یہ ہے کہ تمام انقلابی جماعتیں مسلمانوں کی مخالفت میں سرگرم تھیں۔ وہ دیکھتی تھیں کہ برطانوی حکومت بے ہندوستانی تحریک آزادی کی مخالفت میں مسلمانوں کو آلہ کار بنا رکھا ہے اور مسلمان اس کے اشاروں پر چلتے ہیں۔ مشرقی بنگال ایک الگ صوبہ قرار دیا گیا تھا اور بیم فیلڈ ہلر، جو اس وقت اس صوبہ کا لفٹنٹ گورنر تھا، علانیہ کہتا تھا کہ حکومت مسلمانوں کی جماعت کو اسی نظر سے دیکھتی ہے، جیسے کوئی شوہر اپنے حرم کی محبوب بیوی کو۔ انقلابی محسوس کرتے تھے کہ مسلمان حصول آزادی کی راہ میں ایک رکاوٹ ہیں اور انہیں ایک رکاوٹ مان کر راستے سے ہٹا دیا جائے۔

انقلابیوں کو مسلمانوں سے جو نفرت تھی اس کا ایک اور سبب بھی تھا۔ حکومت محسوس کرتی تھی کہ بنگال کے ہندو اس درجہ بیدار ہو گئے ہیں کہ کسی ہندو افسر پر انقلابیوں کے خلاف کارروائی کرے کے معاملے میں اعتنا نہیں کیا جاسکتا۔ اس لئے انہوں نے پولیس کے خفیہ محکمے میں یو۔ پی۔ کے مسلمانوں کو بلا کر رکھا،



جس کا نسخہ یہ ہوا کہ سگال کے بدو یہ محسوس کرے لگے کہ مسلمان سیاسی آزادی اور ہندوؤں کی حماقت کے مخالف ہیں۔

حب شیام سدر چکرورتی نے دوسرے انقلابیوں سے میرا تعارف کرایا اور ان دوستوں سے دیکھا کہ میں حوتی سے ان کے ساتھ شریک ہوئے کو تیار ہوں تو انہیں بہت حیرت ہوئی۔ شروع میں ان کو میرے اور بروسہ میں تھا اور انہوں نے مجھے اپنی مخصوص محفلوں سے الگ رکھے کی کوشش کی رفتہ رفتہ انہیں اپنی غلطی کا احساس ہوا، اور مجھے ان کا اعتماد حاصل ہو گیا میں نے بحث کر کے انہیں یقین دلانا چاہا کہ ان کا یہ خیال غلط ہے کہ مسلمان نہ حیثیت ایک حماقت کے ان سے دشمنی رکھتے ہیں اور یہ مناسب نہیں ہے کہ سگال کے چند مسلمان سرکاری ملازموں کے رویہ کا حوالہ انہیں تحریر ہوا ہے، اسے وہ ایک عام حقیقت سمجھ بیٹھیں۔ مصر، ایران اور ترکی میں مسلمان جمہوریت اور آزادی کے حاصل کرے کے لئے انقلابی کارروائیوں میں سرگرمی دکھایا رہے ہیں ہندوستان کے مسلمان بھی سیاسی حد و حہد میں شریک ہوجائیں گے اگر ہم ان میں کام کریں اور انہیں اپنا دوست اور ساتھی بنائیں میں نے اس طرف بھی اشارہ کیا کہ اگر مسلمان محالمت میں سرگرم یا سیاسی تحریک سے بے تعلق بھی رہے تو آزادی حاصل کرے کی مہم بہت زیادہ دشوار ہوجائے گی، اس لئے ہمیں ہر ممکن کوشش کرنا چاہئے کہ اس حماقت کی تائید اور دوستی حاصل کریں۔

پہلے تو میں اپنے انقلابی دوستوں کو یقین نہ دلا سکا کہ میری

سیاسی تشکیص صحیح ہے۔ مگر وقت کے ساتھ ان میں سے بعض میرے ہم خیال ہو گئے۔ اسی درمیان میں میں نے مسلمانوں میں کام شروع کر دیا تو اور میں نے دیکھا کہ نوجوانوں کی ایک جماعت ہے، جو نئے سیاسی منصوبوں کی دمہ داریاں اٹھائے کو تیار ہے۔ جب میں انقلابیوں میں شامل ہوا تو میں نے دیکھا کہ ان کی سرگرمیاں بگال اور ہار تک محدود ہیں یاد رہے کہ ہمارے اس وقت صوبہ بگال کا ایک حصہ تھا جس میں بے ایسے دوستوں کو اس طرف موحہ کیا کہ ہمیں اپنا مدد ردادہ وسیع کرنا اور ہندوستان کے دوسرے حصوں میں اپنی سرگرداں شروع کرنا چاہئے۔ یہاں انہیں دامل ہوا، انہوں نے کہا کہ ہمارے کام کا تقاضا یہ ہے کہ وہ حمیہ طور پر کیا جائے، تعذبات کا سلسلہ پھیلائے میں خطرے ہیں اور اگر دوسرے صوبوں میں ساحس کھولی گئیں تو ہوسکتا ہے کہ کالہ انی کے لئے جو احما لارمی ہے، اسے قائم رکھا دشوار ہوجائے۔ مگر میں نے انہیں اس پر آمادہ کر لیا کہ میری رائے پر عمل کریں اور میرے انقلابی جماعت میں شامل ہونے کے دو برس کے اندر شمالی ہندوستان کے کئی بڑے شہروں اور بمبئی میں انقلابیوں کی حمہ انجمیں س گئیں یہ انجمیں کیسے قائم ہوئیں اور نئے نئے کیسے بھرتی کئے گئے، اس کے بارے میں میں بہت سے دلچسپ اور مصحکہ حیر قصے ساسکتا ہوں، لیکن یہ تفصیلات میری سوانح عمری کی پہلی جلد میں بیاں کی جائیں گی اور اس کتاب کے پڑھنے والوں کو اس کا انتظار کرنا ہوگا۔

اسی زمانے میں مجھے ہندوستان سے باہر جانیے اور عراق،

مصر، شام اور ترکی کے سہر کرے کا اتفاق ہوا۔ ان تمام ملکوں میں میں بے دیکھا کہ لوگ فراسیسی رباں پسند کرتے ہیں اور اسے سیکھے کا شوق رکھتے ہیں، مجھے بھی اس کا ذوق ہوا اور میں بے اسے سیکھا شروع کر دیا، مگر یہ بھی طاہر تھا کہ انگریزی بہت تیری کے ساتھ سب سے زیادہ مستعمل بین الاقوامی رباں سنی جارہی ہے اور میری بیشتر ضرورتوں کو پورا کر دیتی ہے۔

یہاں میں چاہتا ہوں کہ ایک غلط فہمی کو دور کر دوں، جس کا مہادیو ڈیسائی مرحوم کی بدولت بہت چرچا ہوا۔ وہ جس میری سوانح عمری لکھ رہے تھے، تو انہوں نے بہت سے سوالات قائم کر دیے اور مجھ سے ان کے جواب لکھے کو کہا۔ ایک سوال کے جواب میں میں نے لکھا کہ جس میں قریب بیس برس کا تھا تو میں نے مشرق وسطیٰ کا دورہ کیا اور ایک عرصے تک مصر میں رہا۔ کسی اور سوال کے جواب میں میں نے لکھا تھا کہ روایتی طریقہ تعلیم صرف ہندوستان میں ناقابل اطمینان اور بے اثر نہیں ہے، بلکہ مشہور دارالعلوم الازہر میں بھی اس کی حالت کچھ بہتر نہیں۔ مہادیو ڈیسائی نے کسی وجہ سے ان باتوں سے یہ نتیجہ نکالا کہ میں جامعہ ازہر میں تعلیم حاصل کر کے لے مصر گیا تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ میں ایک دن بھی وہاں طالب علم کی حیثیت سے نہیں رہا۔ شاید اس غلط فہمی کا سبب ان کا یہ خیال تھا کہ اگر کسی شخص نے کچھ علم حاصل کیا ہے تو اس سے ضرور کسی یونیورسٹی میں تعلیم پائی ہوگی۔ جس مہادیو ڈیسائی کو معلوم ہوا کہ میں نے ہندوستان کی کسی یونیورسٹی میں نہیں



پڑھا ہے، تو انہوں نے سمجھ لیا کہ میں بے جامعہ ارہر سے سند حاصل کی ہوگی۔

سہ ۱۹۰۸ء میں حب میں قاہرہ گیا تو الارہر کا نظام تعلیم اس قدر ناقص تھا کہ اس سے نہ تو دہن کی کوئی تربیت ہوتی تھی اور نہ قدیم اسلامی عاوم اور فلسفے پر کافی عمور حاصل ہوتا تھا۔ شیخ محمد عمدہ بے اس نظام کی اصلاح کرنا چاہی تھی، مگر بوڑھے، قدامت پسند علما بے ان کی تمام تدبیروں کو الٹ دیا۔ حب انہیں الارہر کی اصلاح کی کوئی امید نہ رہی، تو انہوں نے قاہرہ میں دارالعلوم کے نام سے ایک نئے کالج کی سیاد رکھی، جو اس وقت تک قائم ہے۔ حب الارہر کی یہ حالت تھی تو میں وہاں اکتساب علم کی خاطر کیوں جاتا۔

مصر سے میں ترکی اور فرانس گیا۔ ارادہ تھا کہ آگے لندن تک جاؤں یہ میں نہ کرسکا، اس لئے کہ مجھے حر ملی کہ میرے والد بیمار ہیں میں بیرس سے ہندوستان واپس آگیا لندن جابے کی بوت کئی سال بعد تک نہیں آئی۔

یہ میں بیاں کرچکا ہوں کہ سہ ۱۹۰۸ء میں کلکتہ چھوڑے سے پہلے میں سیاسی خیالات کے اعتبار سے انقلابی سرگرمیوں کی طرف مائل ہوچکا تھا۔ حب میں عراق گیا، تو وہاں چند عراقی انقلابیوں سے ملاقات ہوئی۔ مصر میں مصطفیٰ کمال پاشا کے پیروؤں سے کچھ تعلقات پیدا ہوئے۔ میں یگ ٹرکس کے گروپ سے بھی ملا، جس نے قاہرہ میں اپنا مرکز قائم کیا تھا اور وہاں سے ایک ہفتہ وار احبار شائع کرتا تھا۔ حب میں ترکی گیا تو یگ ٹرکس

تحریک کے چند ایڈروں سے دوستی ہو گئی ہندوستان واس آئے  
کے کئی سال بعد تک ان سے میری خط و کتابت جاری رہی  
عرب اور ترک انقلابیوں سے تعلقات ہوئے کا نتیجہ یہ نکلا کہ  
میرے سیاسی عقائد راسخ ہو گئے ان انقلابیوں کو اس پر حرب  
ہوتی بھی کہ ہندوستانی مسلمان قومی مطالبوں کی طرف سے  
بے اعتنائی اور سرد مہری برتتے ہیں یا ان کی مخالفت کرتے ہیں  
ان کے نزدیک ہندوستانی مسلمانوں کو آزادی کی جنگ میں  
پراولوں اور رہبروں کا کام کرنا چاہئے تھا، نہ کہ انگریزوں کے  
بیرس کر رہ جانا مجھے اور بھی زیادہ یقین ہو گیا کہ مسلمانوں  
کو ملک کی آزادی کی مہم میں شرکت و معاونت کرنا چاہئے اور  
اس کی تدبیر کرنا چاہئے کہ برطانیہ حکومت ایسی اعراض کے  
کے لئے انہیں ناحائر طور پر استعمال نہ کر سکے مجھے اس کی  
ضرورت محسوس ہوئی کہ ہندوستانی مسلمانوں میں ایک نئی تحریک  
شروع کی جائے اور میں بے قصاصہ کیا کہ ہندوستان واس حاکم  
زیادہ اہمک کے ساتھ سیاسی حد و حد کروں گا

واپسی کے بعد میں کچھ دنوں تک غور کرتا رہا کہ مجھے  
کیا طریقہ اختیار کرنا اور کیا پروگرام بنانا چاہئے۔ میں اس نتیجہ  
پر پہنچا کہ ہمیں ایسے خیالات بیان کرنا چاہئے کہ ایسی موافقت  
کے لئے رائے عامہ پیدا کرنا چاہئے۔ اور اس کے لئے ایک احبار  
جاری کرنا ضروری تھا اس زمانے میں پنجاب اور یوپی سے  
کئی روزانہ اور ہفتہ وار احبار اور ماہانہ رسالے شائع ہوتے تھے۔  
مگر ان کا معیار کم تھا۔ وہ دیدہ ریب نہیں ہوتے تھے



۴۶۹

اور ان کی چھپائی ان کے مصامیں کی طرح ناقص ہوتی تھی وہ لیبھو میں جھپتے تھے، اس لئے وہ حدید صحافت کی کوئی خوبی اور خصوصیت اپنے اندر پیدا نہ کرسکتے تھے ان میں ہاف ٹوں تصویریں بھی نہیں چھپ سکتی تھیں میں بے فیصلہ کیا کہ میرا احبار طاعب کے اعشار سے دیدہ ریب ہوگا اور اس کی صدا ایسی ہوگی کہ بڑھے والوں کے دل خوش سے لریر ہوحائیں میں بے یہ بھی طے کیا کہ وہ لیبھو میں نہیں بلکہ ٹائپ میں چھپے گا، اسی ارادے سے میں نے "الہلال یریس" قائم کیا اور حوں سے ۱۹۱۲ء میں "الہلال" کا پہلا نمبر شائع ہوا

"الہلال" کی اساعت سے اردو صحافت کا ایک یا دور شروع ہوا ہے اس احبار کو قلیل مدد کے اندر بے بطیر ہردلعیری حاصل ہوئی یلک کے لئے باعث کتس صرف اس کی اعلیٰ طاعب نہیں تھی، لکہ اس سے زیادہ قومست کا وہ قدیم حدہ تھا، جس کی رہ دعوت دیا ہا "الہلال" بے عوام میں ایک انقلابی تحریک پیدا کردی اور لوگوں کا مطالبہ انا شدید ہا کہ پہلے میں مہیوں کے اندر اس کے تمام شروع کے نمروں کو دوبارہ شائع کرنا را، اس لئے کہ ہر حریدار چاہتا ہا کہ اس کے پاس تمام اساعتوں کا مکمل ست ہو۔

مسلمانوں کی سیاسی رہمائی اس وقت علی گڑہ پارٹی کے ہاتھ میں بھی، اس کے رکن اپنے آب کو سر سید کی پالیسی کا امیں سمجھتے تھے ان کا سیادی عقیدہ یہ تھا کہ مسلمانوں کو برطانوی تاح کا وفادار اور قومی تحریک سے الگ اور بے تعلق رہنا چاہئے۔ حب



«الہلال» بے اپنی آوار بلد کی اور دوسری قسم کی دعوت دی، تو انہیں محسوس ہوا کہ ان کی حاہ و عرت خطرے میں ہے، اس لئے انہوں نے «الہلال» کی مخالفت شروع کی اور اس مخالفت میں یہاں تک شدت برتی کہ اڈیٹر کو قتل کرے کی دھمکی دی۔ حتیٰ زیادہ مخالفت مقتدر رہنماؤں نے کی، اتنا ہی زیادہ «الہلال» ہر دلچسپ ہوتا گیا۔ دو سال کے اندر «الہلال» کی اشاعت ۲۶ ہزار فی ہفتہ ہو گئی۔ اردو صحافت کی تاریخ میں ایسی اشاعت کا امکان وہم و گمان میں بھی نہ تھا۔

«الہلال» کی اس کامیابی کو دیکھ کر حکومت کو بھی تشویش ہوئی۔ اس نے دو ہزار کی ضمانت طلب کی، اس خیال سے کہ شاید اس طرح «الہلال» کے اندر بیاں میں کچھ فرق پیدا ہو جائے۔ اس ہلکی سی چھن کا میری ہمت پر کچھ اثر نہ پڑا۔ حلد ہی حکومت نے ضمانت ضبط کر لی اور دس ہزار کی مرید ضمانت کا مطالبہ کیا۔ یہ بھی حلد ضبط ہو گئی۔ اس دوران میں سہ ۱۹۱۴ء کی حج جھڑ گئی تھی سہ ۱۹۱۵ء میں الہلال پریس ضبط کر لیا گیا۔ یاچ مہیے بعد میں بے «البلاغ» کے نام سے ایک یا پریس قائم کیا اور اسی نام کا احبار جاری کر دیا۔ حکومت کو اب احساس ہوا کہ پریس ایکٹ کے ماتحت کارروائی کر کے میری سرگرمیوں کو سد نہیں کیا جاسکتا، اس لئے اس نے ڈفس آف انڈیا ریگولیشنز سے کام لے کر مجھے کلکتہ چھوڑ دیے کا حکم دیا۔ انہیں ریگولیشنز کے ماتحت پنجاب، دہلی، یو پی اور بمبئی کی حکومتوں نے مجھے اپنی حدود کے اندر داخل ہونے کی ممانعت کر دی تھی۔ اب میں

صرف بہار حاسکتا تھا، اس لئے راجی چلا گیا۔ چھ مہینے بعد مجھے راجی میں بطر مد کردیا گیا اور میں ۳۱ دسمبر ۱۹۱۹ء تک یہاں حراست میں رہا۔ یکم حوری ۱۹۲۰ء کو میں دوسرے بطر مدوں اور قیدیوں کے ساتھ شاہ انگلستان کے اعلان کے ماتحت رہا کردیا گیا

اس وقت تک گاندھی حی سیاست کے میداں میں آچکے تھے اور چمیارں کے کساوں میں وہ حو کام کر رہے تھے، اس کے سلسلے میں اس وقت وہ راجی آئے تھے، حب میں وہاں بطر مد تھا انہوں نے مجھ سے ملاقات کرے کی حواہش طاہر کی، مگر حکومت بہار نے اس کی احارت نہیں دی۔ اس طرح میں ان سے ایی ربائی کے بعد دہلی میں حوری ۱۹۲۰ء میں پہلی بار مل سکا۔ اس وقت ایک تحویر ریر عور تھی کہ خلافت اور ترکی کے مستقل کے بارے میں ہندوستانی مسلمانوں کے حو احساسات تھے، ان سے وائسرائے کو مطلع کیا جائے اور اس عرص سے اس کے پاس ایک وفد بھیجا جائے گاندھی حی ان بحثوں میں شریک ہوئے۔ انہوں نے تحویر سے دلچسپی اور پوری ہمدردی طاہر کی اور اس کا اعلان کیا کہ وہ اس معاملے میں مسلمانوں کے ساتھ شریک ہوئے کو تیار ہیں ۲۰ حوری ۱۹۲۰ء کو دہلی میں ایک جلسہ ہوا۔ گاندھی حی کے علاوہ لوکماہیہ بلیک اور دوسرے کانگریسی لیڈروں نے بھی اس نقطہ بطر کی تائید کی، حو مسلمانوں نے خلافت کے مسئلے میں اختیار کیا تھا۔

وفد نے وائسرائے سے ملاقات کی۔ میں نے عرص داشت پر

دستخط تو کئے، مگر وفد میں شریک نہیں ہوا۔ میری رائے تھی کہ اب معاملہ عرص داشتوں اور وفدوں کی مرل سے بہت آگے بڑھ گیا ہے۔ وائسرائے بے ایسے جواب میں کہا کہ اگر برطانوی حکومت کے سامنے مسلمانوں کا نقطہ نظر پیش کرے کے لئے کوئی وفد لندن بھیجا جائے، تو وہ اس کے لئے ضروری سہولیں فراہم کر دیں گے۔ خود ایسے متعلقہ اہوں بے کہا کہ وہ کوئی بھی کارروائی کرے سے معذور ہیں۔

اب سوال پیدا ہوا کہ اگلا قدم کیا ہوا چاہیئے۔ ایک جلسہ ہوا، جس میں مولانا محمد علی، مولانا شوکت علی، حکیم احمد خان اور مولانا عبدالاماری فرنگی محلی بھی موجود تھے گاندھی جی بے اپنا عدم تعاون کا پروگرام پیش کیا۔ اہوں بے کہا کہ اب عرص داشتوں اور وفدوں کا زمانہ گزر گیا ہے۔ ہمیں حکومت کی نائید کرے اور تقویت پہنچائے سے ہر طرح پرہیز کرنا چاہیئے۔ یہی طریقہ حکومت کو آمادہ کرسکتا ہے کہ وہ ہم سے معاملہ کرے۔ اہوں بے تحریر کیا کہ تمام سرکاری خطاات واپس کر دئے جائیں، عدالتوں اور مدرسوں کو نائیکات کیا جائے، ہندوستانی سرکاری ملازمتوں سے استعمی دیدیں اور جو بی قانون سار جماعتیں بے والی ہیں، ان میں ہر طرح سے حصہ لیے سے انکار کریں۔

جیسے ہی گاندھی جی بے اپنی تحریر بیاں کی، مجھے یاد آیا کہ یہ وہی پروگرام ہے، جس کا حاکہ ٹالسٹائی بے بہت سال پہلے پیش کیا تھا۔ سہ ۱۹۰۱ء میں ایک انارکسٹ بے اٹلی کے بادشاہ پر حملہ کیا تھا۔ اس وقت ٹالسٹائی بے انارکسٹ جماعت کے نام

ایک کھلا خط شائع کیا، جس میں لکھا تھا کہ تشدد کا طریقہ اخلاق اعتبار سے غلط اور سیاسی نقطہ نظر سے بے سود ہے اگر ایک شخص قتل کیا گیا، تو ہرگز کوئی دوسرا اس کی جگہ لینے کے لئے مل جائیگا درحقیقت تشدد کا نتیجہ ہمیشہ زیادہ سخت و زیادہ ہوا کرتا ہے بوابوں کی ایک داساں میں ہے کہ ہر سیاہی ختم ہوا کرتا، اس کے حوں کے حسیوں سے ۹۹۹ سیاہی پیدا ہوتی ہے سیاسی مقصد سے قتل کرنا ایسے دسموں کی تعداد کو برقرار رکھتا ہے نالائقی بے مسرہ دیا کہ اگر کسی حاکم حاکم کو بے بس کرنا ہو، تو صحیح طریقہ یہ ہے کہ ٹیکس دے سے انکار کیا جائے، ملازمتوں سے استعفیٰ دیدیا جائے اور تمام اداروں کو بائیکاٹ کیا جائے، جس سے حکومت کو سہارا مل رہا ہو اسے یقین تھا کہ ایسا پروگرام کسی بھی حکومت کو ہتھیار دال دینے پر محصور کر دے گا۔ مجھے یاد آیا کہ میں بے بھی «الہلال» کے بعض مصامیں میں ایسا ہی پروگرام تحویر کیا تھا دوسروں پر حوا اتر ہوا، وہ انکی طبیعت، عادت اور پچھلے تجربہ کے مطابق تھا۔ حکیم احمد حان بے کہا کہ انہیں تحویر پر غور کرے کے لئے وقت چاہئے۔ وہ اسے پسند نہیں کرے تھے کہ دوسروں کو پروگرام پر عمل کرے کا مشورہ دیں، جب تک کہ وہ خود اس پر عمل کرے کو تیار نہ ہوں۔ مولوی عبداللہ بے کہا کہ گاندھی جی کی تحویر میں بنیادی سوال اٹھائے گئے ہیں اور وہ کوئی جواب نہ دے سکیں گے جب تک کہ وہ مراقبہ نہ کر لیں اور خدا کی طرف سے انہیں کوئی اشارہ نہ ملے۔ محمد علی اور شوکت علی



بے کہا کہ وہ مولوی عبداللہاری کے فیصلے کا انتظار کریں گے۔ تب گاندھی جی مجھ سے مخاطب ہوئے۔ میں بے بغیر ایک لمحہ تامل کئے کھدیا کہ میں اس پروگرام کو کلی طور پر صحیح سمجھتا ہوں۔ اگر لوگ واقعی چاہتے ہیں کہ ترکی کی مدد کریں تو گاندھی جی کے پیش کئے ہوئے پروگرام پر عمل کرے کے سوا چارہ نہیں۔ چند ہفتے بعد میرٹھ میں ایک خلافت کانفرنس ہوئی۔ یہی کانفرنس تھی، جس میں گاندھی جی بے پہلی بار ایک پبلک پلیٹ فارم سے عدم تعاون کے پروگرام پر عمل کرے کی تلقین کی ان کے بعد میں بے تقریر کی، جس میں میں بے ان کی غیر مشروط تائید کی۔ ستمبر ۱۹۲۰ء میں کانگریس کا ایک خاص جلسہ کلکتہ میں گاندھی جی کے تیار کئے ہوئے عملی پروگرام پر غور کرے کے لئے منعقد ہوا۔ گاندھی جی بے کہا کہ اگر ہم سوراخ حاصل کرنا اور خلافت کے مسئلے کو اطمینان بخش طریقے پر حل کرنا چاہتے ہیں تو عدم تعاون کا پروگرام ضروری ہے اس اجلاس کے صدر لالا لاجپت رائے تھے اور سی آر۔ داس اس کی ممتاز شخصیتوں میں سے تھے۔ ان دونوں میں سے کوئی بھی گاندھی جی سے متفق نہ تھا۔ بیس چندر پال بے بہت پرزور تقریر کی اور کہا کہ برطانوی حکومت سے لڑے کے لئے سب سے اچھا ہتھیار برطانوی مال کا بائی کاٹ ہے۔ گاندھی جی کے پروگرام کے اور حصوں کے صحیح ہونے کا انہیں کچھ بھی یقین نہیں تھا۔ ان لوگوں کی مخالفت کے باوجود عدم تعاون کی تحریک کا رزولوشن بہت بڑی اکثریت سے منظور کر لیا گیا۔

اس کے بعد ملک کو عدم تعاون کے پروگرام کے لئے تیار کرے کی عرص سے حکمہ حکمہ کے دورے کئے گئے۔ گاندھی جی بے ملک کے طول و عرص کا سفر کیا۔ میں بیشتر وقت ان کے ساتھ رہا۔ محمد علی، شوکت علی اکثر ہمارے ہم سفر ہوتے تھے۔ دسمبر ۱۹۲۰ء میں کانگریس کا سالانہ اجلاس لاہور میں ہوا۔ اس وقت تک ملک کا مزاج دل چکا تھا۔ سی آر۔ داس اب عدم تعاون کے پروگرام کی علانیہ تائید کرتے تھے لالا لاجپت رائے پہلے کچھ خلاف تھے مگر حب الوطنوں نے دیکھا کہ پنجاب کے تمام ڈپٹی کمشنر گاندھی جی کی موافقت کر رہے ہیں تو وہ بھی ہم میں سربیک ہو گئے اسی سیشن سے مسٹر جاج کانگریس سے قطعی طور پر الگ ہو گئے۔

حکومت نے اس کے جواب میں ملک کے طول و عرص میں لیڈروں کو گرفتار کرنا شروع کر دیا۔ سگال میں مسٹر سی۔ آر۔ داس اور میں سب سے پہلے گرفتار ہوئے والوں میں سے تھے۔ سہاش چندر بوس اور برادر ناتھ سسمل بھی حیل میں آکر ہم سے مل گئے ہم علی پور سٹل حیل کے یورپین وارڈ میں رکھے گئے اور یہ وارڈ سیاسی گفتگو کا مرکز بن گیا۔

مسٹر سی۔ آر۔ داس کو چھ مہینے کی سزا ملی تھی۔ میرا مقدمہ بہت دنوں تک چلتا رہا اور آخر میں مجھے ایک سال کی سزا ملی، لیکن میں یکم جنوری ۱۹۲۳ء تک رہا نہیں کیا گیا۔ مسٹر سی۔ آر۔ داس پہلے رہا کر دیئے گئے تھے اور انہوں نے کانگریس کے گیا سیشن کی صدارت کی۔ اس سیشن میں کانگریس کے لیڈروں کے درمیان

تدوید اختلاف رائے روسا ہوا سی آر داس، موتی لال بہرو اور حکم احمہل حاں بے سوراح یارٹی قائم کی اور کوسلوں میں داخل ہوئے کا پروگرام پیش کیا۔ گاندھی جی کے راسخ العقیدہ پیروؤں بے اس کی مخالفت کی۔ اس طرح کانگریس دو حصوں میں تقسیم ہو گئی، ایک وہ جو پالیسی میں کوئی تبدیلی نہیں چاہتا تھا، ایک وہ جو تبدیلی چاہتا تھا۔ حب میں رہا ہو گیا، تو میں بے ان دونوں کے درمیاں معاہدہ کی کوتاہی کی اور کانگریس کے ستمبر ۱۹۲۳ء کے اسیشنل سٹس میں ایک سمجھوتا ہو گیا اس وقہ میری عمر پستیس سال کی تھی اور مجھ سے اس اجلاس کی صدارت کرے کو کہا گیا لو، کہتے بھے کہ اب نک مجھ سے کم عمر کا کوئی شخص کانگریس کا صدر منتخب نہیں ہوا ہے

سہ ۱۹۲۳ء کے بعد کانگریس کی سرگرمیوں کی ذمہ داری سوراح یارٹی پر رہی اسے تقریباً تمام قانون ساز اسمبلی محلسوں میں اکثریت حاصل ہو گئی اور اس بے پارلیمنٹ کے محاد یر قومی آرا دی کی جگہ کو جاری رکھا۔ جو کانگریسی سوراح یارٹی سے الگ رہے، انہوں بے اپنا تعمیری پروگرام جاری رکھا، لیکن وہ نہ اتنی ناہید حاصل کر سکے حتی کہ سوراح یارٹی، نہ قوم کو اس درجہ اپنی طرف متوجہ کر سکے۔ ایسے کئی واقعات پیش آئے، جس کا ہندوستان کے سیاسی مستقبل پر اثر پڑا، لیکن اس کتاب کے پڑھے والوں سے میری درخواست ہے کہ معصل حالات کے لئے میری سواح عمری کی پہلی جلد کی اشاعت تک انتظار کریں

سہ ۱۹۲۸ء میں سائنس کمیشن کے تقرر اور ہندوستان میں

اس کی آمد کے ساتھ سیاسی اشتعال بڑھتا گیا۔ سہ ۱۹۲۹ء میں کانگریس نے مکمل آزادی کا ریرولیس مطور کیا اور برطانوی حکومت کو مطلع کیا کہ اگر یہ قومی مطالبہ پورا نہ کیا گیا تو وہ ایک سال بعد حکومت کے خلاف ایک عوامی تحریک شروع کرے گی۔ انگریزوں نے ہمارے مطالبے کو ماسے سے انکار کیا اور سہ ۱۹۳۰ء میں کانگریس نے اٹال کیا کہ ہم ساری کے قوانین کی خلاف ورزی کی جائے گی۔ حبس کی سستیہ گرہ شروع کی گئی تو بہت سے لوگوں کو اس کی کامیابی میں شہ تھا، لیکن اس کے انہاں نے حکومت اور قوم دونوں کو حیرت میں ڈال دیا۔ حکومت نے سچی سے اس کے خلاف کارروائی کی اور کانگریس کو خلاف قانون قرار دے کر اس کے صدر اور ورکنگ کمیٹی کے ممبروں کی گرفتاری کا حکم دیدیا۔ ہم نے اس وار کا مقابلہ اس طرح کیا کہ ہر صدر کو اپنا حاشیہ نامرد کرے کا اختیار دے دیا۔ میں بھی صدر مستحب کیا گیا اور میں نے ابی ورکنگ کمیٹی کے ممبروں کو نامرد کیا۔ گرفتاری سے پہلے میں نے ڈاکٹر انصاری کو اپنا حاشیہ مقرر کیا۔ پہلے وہ تحریک میں حصہ لیے ہر آمادہ ہیں تھے، مگر میں نے انہیں راضی کر لیا۔ اس طرح ہم نے حکومت کو جکر میں ڈال دیا اور ابی تحریک کو جاری رکھ سکے۔

میری گرفتاری ایک تقریر کی سبب ہوئی تھی، جو میں نے میرٹھ میں کی تھی، اس لئے مجھے میرٹھ حیل میں تقریباً ڈیڑھ سال قید رکھا گیا۔



حکومت اور قوم کی کشمکش ایک سال سے زیادہ جاری رہ چکی تھی، جب لارڈ ارون نے گاندھی جی اور ورکنگ کمیٹی کے دوسرے عمروں کو رہا کر دیا۔ ہم پہلے الہ آباد میں جمع ہوئے اور پھر دہلی میں، جہاں گاندھی ارون معاہدے پر دستخط کئے گئے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ تمام کانگریسی رہا کر دیئے گئے اور کانگریس گول میز کانفرنس میں شریک ہوئی۔ ہم نے گاندھی جی کو اپنا واحد نمائندہ بنا کر بھیجا، مگر گفت و شنید لا حاصل رہی اور گاندھی جی حالی ہاتھ واپس آئے لندن سے واپسی کے بعد گاندھی جی کو پھر گرفتار کرایا گیا اور حکومت نے حر و تشدد کی پالیسی پر نئے سرے سے عمل شروع کیا لارڈ ولنگڈن نے وائسرائے مقرر ہوئے اور انہوں نے تمام کانگریسیوں کے خلاف سخت کارروائی کی میں دہلی میں تھا اور مجھے یہاں ایک سال سے زیادہ حراست میں رکھا گیا۔ اس زمانے میں بھی کئی ایسے واقعات ہوئے، جو ہندوستان کے سیاسی مستقبل کے لئے بڑی اہمیت رکھتے تھے مگر ان کی تفصیل کے لئے بھی (میری سوانح عمری کی) پہلی حاد کا انتظار کرنا ہوگا۔

سہ ۱۹۳۵ء میں قانون حکومت ہند پاس ہوا، جس میں صوبوں کو خود مختاری دی گئی تھی اور مرکز کے لئے وفاقی حکومت تحویر کی گئی تھی۔ یہاں سے واقعات کا وہ سلسلہ شروع ہوتا ہے، جسے میں اس کتاب میں بیان کرنا چاہتا ہوں۔

## کانگریس بر سر اقتدار

قانون حکومت ہند سے ۱۹۳۵ء کے مطابق جو پہلے انتخابات ہوئے، ان میں کانگریس کو محالوں پر بہت نمایاں فتح نصیب ہوئی۔ باج بڑے صوبوں میں اسے کامل اکثریت حاصل ہوئی اور چار صوبوں کی مجلسوں میں وہ سب سے بڑی واحد پارٹی تھی۔ صرف پنجاب اور سندھ میں کانگریس کو مقابلتاً ایسی کامیابی نہیں ہوئی۔

کانگریس کی اس فتح کا صحیح اندازہ کرے کے لئے ہمیں یاد رکھنا چاہئے کہ شروع میں کانگریس کو اسی میں تامل تھا کہ انتخابات میں دوسری پارٹیوں کا مقابلہ کرے۔ قانون حکومت ہند سے ۱۹۳۵ء کے ذریعہ صوبائی خود مختاری تو دی گئی تھی، مگر دال میں کچھ کالا بھی تھا۔ گورنروں کو یہ خاص حق دیا گیا تھا کہ صورت حال کے خطرناک ہونے کا اعلان کریں اور جب کوئی گورنر ایسا کرتا تو دستور کو معطل کر کے حکومت کے تمام اختیارات کو اپنے ہاتھ میں لے سکتا تھا۔ گویا صوبوں میں جمہوری حکومت کی بقا گورنروں کی صواب دید پر منحصر تھی۔ مرکزی حکومت میں صورت حال اور بھی بدتر تھی۔ یہاں دو عملی کے اصول کو، جو صوبوں میں کام اور سدھام ہوچکا تھا، دوبارہ روئے کار لانے کی کوشش کی گئی تھی۔ مرکزی حکومت کو ایک

کمرور وفاق کی شکل دی گئی تھی اور اس کے علاوہ اس میں والیاں ریاست کے مستقل معاد کا بلہ بہت بھاری رکھا گیا تھا اس سے بہ توقع کی جاسکتی تھی کہ وہ معمولاً ملک کے برطانوی حاکموں کا ساتھ دیں گے

اس وجہ سے یہ کوئی تعجب کی بات نہیں تھی، اگر کانگریس، جو ملک کی مکمل آرادی کے لئے لڑ رہی تھی، اس نظام کو منظور کرے کے خلاف تھی اس بے وفائی کی اس شکل کو جو مرکزی حکومت کے لئے تحویر کی جاسکتی تھی، قطعاً ناقابل قبول ٹھہرایا اور ایک عرصے تک کانگریس ورکگ کمیٹی اس اسکیم کے بھی خلاف تھی جو صوبوں کے لئے تحویر کی گئی تھی کانگریس کا ایک طاقت ور حصہ انتخاب میں شریک ہونے کے بھی خلاف تھا۔ میری رائے تھی کہ انتخابات کو بائی کاٹ کر باطل ہوگا میں سمجھتا تھا کہ کانگریس بے ایسا کیا تو مرکزی اور صوبہ جاتی اسمبلیوں پر ایسے عاصر کا قصہ ہو جائے گا، جو اتنے اچھے نہ ہوں گے اور وہ بددوستانی قوم کے نمائندے بن بیٹھیں گے اس کے علاوہ میرا خیال تھا کہ انتخابات عوام کی سیاسی تعلیم اور بنیادی مسائل کو ان کے دہن نشین کرے گا بے مثل موقعہ فراہم کریں گے۔ بالآخر وہ نقطہ نظر جس کی میں نمایندگی کر رہا تھا، غالب رہا اور کانگریس انتخابات میں شریک ہوئی اس کے نتائج وہ ہوئے جو میں اوپر بیان کر چکا ہوں۔

اب کانگریس کے رہنماؤں کے درمیان بڑے اختلاف رونما ہوئے انتخابات میں جو لوگ شریک ہوئے تھے، ان کا ایک حصہ

اس رائے کا تھا کہ اسی صورت میں، جسکے گورنروں کو خاص اختیارات دئے گئے ہیں اور صوبہ جاتی خود مختاری ڈھکوسلا ہے، اس لئے کانگریس کے سائنڈوں کو عہدے قبول نہ کرنا چاہئے۔ وراثتیں اس وقت تک کام کر سکیں گی، جب تک کہ گورنر کو منظور ہوگا اگر کانگریس ان وعدوں کو پورا کرنا چاہے گی، جو انتخابات کے سلسلے میں کئے گئے ہیں، تو گورنر سے ٹکر ضرور ہوگی، اس لئے وہ کہتے تھے کہ کانگریس کو قانون ساز مجلسوں کے لئے متعین ہو کر دستور کو ناقابل عمل بنا دینا چاہئے اس کے بالکل خلاف میری رائے یہی ہے کہ صوبہ جاتی حکومتوں کو جو اختیارات دیئے گئے ہیں، ان سے پورا فائدہ اٹھانا چاہئے اور جب گورنر کے اختیارات سے بھادم ہو تو اس وقت جو مناسب معلوم ہو وہ کرنا چاہئے۔ اختیارات سے کام لئے بغیر، کانگریس کے پروگرام پر عمل نہ کیا جا سکے گا دوسری طرف اگر کانگریسی وراثتوں سے کسی ایسے اختلافی معاملے کی وجہ سے استعفا دیا، جس میں قوم کی ہمدردی ان کے ساتھ ہوئی تو اس سے قوم کے ذہن پر کانگریس کا تسلط اور بڑھ جائے گا۔

گورنروں سے اس بحث کے حاتمے کا انتظار نہیں کیا جا سکتا۔ انہوں نے دیکھا کہ کانگریس کو وراثتیں سامنے میں تامل ہے، تو انہوں نے ان پارٹیوں کو دعوت دی، جن کی قانون ساز مجلسوں میں اکثریت تو نہیں تھی مگر جن کی کانگریس کے بعد سب سے زیادہ تعداد تھی یہ انٹریم وراثتیں ان لوگوں سے سائیں، جو کانگریسی نہیں تھے، بلکہ بعض صورتوں میں کانگریس کے مخالف تھے عہدے قبول



کرنے کے معاملے میں کانگریس کے تذبذب سے صرف یہی نہیں ظاہر کیا کہ اس میں اندرونی اختلافات ہیں، اس سے زیادہ بری بات یہ ہوئی کہ ان قدامت پرست طاقتوں کو جموں سے عام انتخابات میں شکست کھانی تھی، سہل حابے اور ایسے نقصان کی تلافی کرے کا موقع مل گیا وائسرائے سے جو طویل گفت و شنید ہوئی، اس کے دوران میں اس سے زبردستی اس کا وعدہ لیے کی کوشش کی گئی کہ گورنر و رارتنوں کے کام میں دخل انداز نہ ہوں گے۔ جب وائسرائے نے صورتِ حال واضح کی تو ورکنگ کمیٹی کے بعض ممبروں نے اپنی رائے بدل دی اور عہدے قبول کرے کے موافق ہو گئے، لیکن کانگریس نے قانون حکومت ہند کی اس شدت اور اصرار کیساتھ مخالفت کی تھی کہ اب کوئی پالیسی بدلے کی تحویر غلابیہ پیش کرے کی ہمت نہیں کر سکتا تھا، اگرچہ یہ احساس بڑھتا جا رہا تھا کہ پالیسی ہدایے کی ضرورت ہے۔ خواہر لال اس وقت کانگریس کے صدر تھے۔ انہوں نے عہدے قبول کرے کے خلاف ایسا قطعی طور پر اظہار خیال کیا تھا کہ اب ان کے لئے یہ کہا مشکل ہو گیا تھا کہ عہدے قبول کر لیا جائے۔ جب وردھا میں ورکنگ کمیٹی کا جلسہ ہوا، تو میں نے دیکھا کہ حقیقت کا اعتراف کرے میں عجیب سا پس و پیش ہے۔ اس لئے میں نے صاف الفاظ میں تحویر کیا کہ کانگریس کو عہدے قبول کر لیا جائے۔ کچھ گفتگو کے بعد گاندھی جی نے میرے نقطہ نظر کی تائید کی اور کانگریس نے فیصلہ کر لیا کہ صوبوں میں و رارتیں سائی جائیں، یہ ایک یادگار فیصلہ تھا، اس لئے کہ اب کانگریس نے انکار اور تردید کی پالیسی پر

مل کیا تھا اور حکومت کی ذمہ داری لیا منظور نہیں کیا تھا۔  
پہلی مرتبہ اس نے حکومت کو اپنا کام سمجھا اور اس کی  
مہ داریوں کا بوجھ اٹھانے پر رضامند ہو گئی  
اسی زمانے میں ایک واقعے کی بدولت صوبہ جاتی کانگریس کمیٹیوں  
کی دہشت اور رویہ کا ایک ہوا بطور کے سامنے آیا، جس نے  
بہت ناگواری پیدا کی کانگریس نے ایک قومی جماعت کی حیثیت  
سے ترقی پائی تھی اور اس نے مختلف مذہبی جماعتوں کے افراد  
کو پیشوائی کر کے موقعے دئے تھے مسٹر بریماں بمشی کی  
مقامی کانگریس کے مانے ہوئے لیڈر تھے جس صوبے کی وزارت  
مانے کا سوال اٹھا تو سب کو توقع بھی کہ مسٹر بریماں کی حیثیت  
اور ان کی کارگذاری کو دیکھتے ہوئے، ان سے کہا جائے گا کہ  
اس کی قیادت کریں مگر اس میں کیا گیا۔ سردار نیل اور  
ان کے ساتھی بریماں کو پسند نہیں کرتے تھے، جس کا نتیجہ یہ  
ہوا کہ مسٹر بی جی کھیر بمشی کے پہلے چیف مسٹر سے چونکہ  
بریماں پارسی اور کھیر ہندو تھے، اس لئے بہت سے لوگوں کو  
یہ خیال ہوا کہ بریماں کو فرقہ وارانہ تعصب کی وجہ سے نظر انداز  
کیا گیا ہے ایسا الزام صحیح نہ ہو تب بھی اسے غلط ثابت  
کرنا مشکل ہوتا ہے۔

مسٹر بریماں قدرتی طور پر اس فیصلے کی وجہ سے بہت پریشان  
ہوئے۔ انہوں نے کانگریس ورکنگ کمیٹی کے سامنے اس سوال کو  
ٹھایا خواہر لال اب بھی صدر تھے اور چونکہ ان کا اپنا دل  
فرقہ وارانہ تعصب سے پاک تھا، بہت سے لوگ امید کرتے تھے کہ

بریمان کی حو حق تلہی ہوئی ہے، اس کا وہ تدارک کریں گے۔  
سدقستی سے ایسا نہیں ہوا حواہر لال بہت سے مسئلوں میں  
سردار پٹیل سے اختلاف کرتے تھے، دوسری طرف وہ ہیں  
سمجھتے تھے کہ سردار پٹیل محض فرقہ وارانہ مصلحوں کی سیاد  
پر کوئی فیصلہ کر سکتے ہیں۔ بریمان کی معروضات کا ان پر اچھا  
اثر نہیں پڑا اور انہوں نے ان کی اپیل کو نامطور کر دیا۔

بریمان کو حواہر لال کے رویہ پر بہت حیرت ہوئی۔ اس کے  
بعد انہوں نے گاندھی جی کی طرف رجوع کیا اور کہا کہ اپنے  
معاملے کو ان کے اوپر جھوڑ دیں گے۔ گاندھی جی نے ان کے  
بیاں کو صبر کے ساتھ سنا اور ہدایت دی کہ سردار پٹیل پر حو  
الرام لگایا گیا ہے، اس کی تحقیق کسی غیر حاب دار شخص  
کے ذریعے کرائی جائے۔

چونکہ بریمان خود پارسی تھے، سردار پٹیل اور ان کے دوستوں  
نے تحویر کیا کہ تحقیقات کسی پارسی کے سرد کی جائے۔ انہوں نے  
یہ خیال بہت سوچ کر چلی تھی اور مقدمہ کو اس طرح تیار کیا  
تھا کہ اصل معاملے نظر سے چھپے رہیں اس کے علاوہ انہوں نے  
محلف طریقوں سے اپنا اثر اس طرح ڈالا کہ تحقیقات شروع ہونے  
سے پہلے ہی بچارے بریمان مقدمہ ہار گئے۔ یہ بہر حال قطعی طور  
پر ثابت کرنا دشوار تھا کہ بریمان کو صرف ان کے پارسی ہونے  
کی وجہ سے نظر انداز کیا گیا ہے، اس لئے فیصلہ یہ ہوا کہ  
سردار پٹیل کے خلاف کچھ ثابت نہیں ہے بچارے بریمان کا  
دل ٹوٹ گیا اور ان کی ہلک زندگی ختم ہو گئی۔

حب میں سوچا ہوں کہ بریماں کے ساتھ کیا سلوک کیا گیا،  
مرا دہن مسٹر سی آر داس کی طرف جاتا ہے یہ ان بہت  
ر دست تحصیثتوں میں سے تھے، جو عدم تعاون کی تحریک کی  
بدولت مطر عام پر آئیں اور ہماری قومی جدوجہد کی تاریخ میں  
ان کی حسیب خاص اور الگ تہن، ان کی نظر بہت ناند تھی، ان  
کے محل میں بڑی وسعت بھی اسی کے ساتھ وہ معاملہ فہم تھے اور  
ر مسئلے پر حقیقت میں کے امداد سے عور کرتے تھے وہ حوکجہ  
ماسے تھے، اسے طاہر کرے کی ہمت بھی رکھتے تھے اور اگر  
وہ کسی معاملے میں سمجھے کہ انہوں نے جو پوریتس اختصار  
کی ہے وہ صحیح ہے تو بغیر کسی خوف اور بیجا لحاظ کے  
ایبی بات پر قائم رہتے تھے حب گاندھی جی نے اپنا عدم تعاون کا  
یروگرام ملک کے سامنے رکھا تو پہلے پہل مسٹر داس نے کلکتہ کے  
سہ ۱۹۲۰ء کے خاص اجلاس میں اس کی مخالفت کی ایک سال  
بعد، حب کانگریس کا ناگپور میں اجلاس ہوا تو ہم میں شامل ہو گئے  
اور عدم تعاون کے پروگرام پر عمل شروع ہو گیا مسٹر داس کی  
کلکتہ بار میں شاندار پریکٹس تھی اور وہ ملک کے سب سے کامیاب  
وکیلوں میں تھے، آسائش و آرام کا انہیں جو شوق تھا، وہ بھی مشہور  
تھا، مگر انہوں نے ایک لمحہ پس و پیش کئے بغیر اپنی پریکٹس  
چھوڑ دی، کھدر کو ریب تن کیا اور دل و جان سے کانگریس کی  
تحریک میں شریک ہو گئے۔ میرے دل پر ان کا بہت اثر پڑا۔

جیسا کہ بیان کر چکا ہوں، مسٹر داس معاملہ فہم تھے، سیاسی  
مسائل کو وہ اس نظر سے دیکھتے تھے کہ اچھا اور قابل عمل کیا



ہے ان کی رائے تھی کہ اگر ہندوستان کو گت و شید کے ذریعے آزادی حاصل کرنا ہے، تو ہمیں اس کے لئے تیار رہنا چاہئے کہ ایک ایک قدم آگے بڑھیں، کیونکہ بحث کرے اور سمجھائے کا طریقہ اختیار کیا گیا، تو آزادی اچانک گود میں نہ ٹک پڑے گی۔ انہوں نے پیشین گوئی کی تھی کہ آزادی کی راہ میں پہلا قدم یہ ہوگا کہ ہم صوبہ جاتی خود مختاری حاصل کریں گے۔ انہیں یقین تھا کہ محدود اختیارات سے کام لیا بھی ہندوستان کو آزاد کرانے کے مقصد میں مددگار ثابت ہوگا اور ہندوستانی جیسے جیسے نئے اختیارات حاصل کریں گے، ویسے ہی وہ ذمہ داریوں کو پورا کرے کے لئے تیار بھی ہوتے جائیں گے۔ مسٹر داس کی دور اندیشی کا اندازہ اس سے کیا جاسکتا ہے کہ ان کے انتقال کے قریب دس سال بعد قانون حکومت ہند اسی بھج پر مرتب اور منظور کیا گیا۔

سنہ ۱۹۲۱ء میں مائیکو چیمبر فورڈ اسکیم کے مطابق شاہ برطانیہ کے ولی عہد اصلاحات کا افتتاح کرے کے سلسلے میں ہندوستان آئے کانگریس نے فیصلہ کیا تھا کہ ان کے استقبال کے لئے جتنے جلسے وغیرہ ہوں گے، ان کا وہ مائیکٹ کرے گی اس سے حکومت ہند بڑی مشکل میں پڑ گئی وائسرائے نے برطانوی حکومت کو یقین دلایا تھا کہ ملک میں شہزادے کا پرہوش استقبال کیا جائیگا۔ جب انہیں کانگریس کے فیصلے کی خبر ہوئی، تو انہوں نے مائیکٹ کو ناکام کرے کی ہر ممکن تدبیر کی۔ یہ تدبیریں کارگر نہیں ہوئیں اور تقریباً ہر شہر میں جہاں شہزادہ گیا، اس کا استقبال

بیر کسی خوش اور مسرت کے کیا گیا۔ کلکتہ اس کے قیام کا آخری مقام تھا، جو اس وقت ہندوستان کے شہروں میں سب سے زیادہ اہمیت رکھتا تھا۔ دارالسلطنت دہلی کو ہا دیا گیا تھا، لیکن وائسرائے ہر سال کرسمس منائے کے لئے کلکتہ جاتا۔ اس موقع پر ایک خاص تقریب کا اہتمام کیا گیا اور ولی عہد برطانیہ وکٹوریہ میموریل ہال کا افتتاح کرے والا تھا، اس لئے اس کے استقبال کے لئے بہہ بہہ ہر تکلف انتظام کیا گیا۔ حکومت بے اس کے کلکتہ کے قیام کو کامیاب بنانے میں کوئی دقیقہ نہیں اٹھا رکھا۔

اس وقت ہم سب علی پور حیل میں تھے۔ پنڈت مدن موہن مالویہ کوشش کر رہے تھے کہ کانگریس اور حکومت کے درمیان سمجھوتہ ہو جائے۔ انہوں نے وائسرائے سے ملاقات کی اور اس سے یہ اثر ایگر آئے کہ اگر ہم کلکتہ میں ولی عہد کا بائیکاٹ نہ کریں تو حکومت کانگریس سے کوئی معاملہ کر لے گی۔ پنڈت مدن موہن مالویہ، مسٹر داس سے اور مجھ سے اس تحویر پر گفتگو کرنے کے لئے علی پور حیل آئے۔ تحویر کی بنیاد اس پر تھی کہ ہندوستان کے سیاسی مستقبل کو طے کرے کے لئے ایک گول میر کانفرنس بلائی جائے۔ ہم نے پنڈت مالویہ کو قطعی جواب نہیں دیا، اس لئے کہ ہم پہلے آپس میں گفتگو کر لیا چاہتے تھے۔ مسٹر داس اور میں دونوں اس نتیجہ پر پہنچے کہ حکومت ہند سمجھوتہ کرنے پر اس وجہ سے مجبور ہوئی ہے کہ ہم ولی عہد برطانیہ کا بائیکاٹ کر رہے ہیں۔ ہمیں اس موقع سے فائدہ اٹھا کر گول میر کانفرنس کی تحویر کو منظور کر لیا چاہئے۔ یہ بات تو ظاہر تھی کہ اس کی

بدول ہمارا اصل اور آخری مقصد حاصل نہ ہوگا، پھر بھی ہم اپنی سیاسی حدود و حدود میں بہت آگے بڑھ جائیں گے گاندھی جی کے کے سوا باقی تمام کانگریسی لیڈر حیل میں تھے ہم بے تحویر کیا کہ ہمیں برطانوی پیتس کٹس کو قبول کر لیا چاہیے۔ مگر ہم بے اسی کے ساتھ یہ شرط لگائی کہ گول میر کانہرس کے اجلاس سے پہلے تمام کانگریسی لیڈر رہا کر دئے جائیں

دوسرے دن جب پنڈت مالویہ ہم سے ملے آئے تو ہم بے اپنی رائے بیاں کی ہم بے ان سے یہ بھی کہا کہ ابیں گاندھی جی سے مل کر ان کی رضا مندی حاصل کر لیا جائیے پنڈت مالویہ بے وائسرائے سے ملاقات کر کے ہماری گفتگو بیاں کی اور پھر دو دن بعد ہم سے حیل میں ماے ابوں بے ہمیں بتایا کہ حکومت ہند ان تمام سیاسی لیڈروں کو رہا کرے پر تیار ہے، جو گفتگو میں حصہ لیے والے ہوں ان میں علی برادران اور بہت سے کانگریس لیڈر شامل تھے ہم بے ایک بیاں تیار کیا، جس میں ہمارے خیالات و صاحت کے ساتھ پیش کئے گئے تھے۔ پنڈت مالویہ اس بیاں کو ایگر گاندھی جی سے ملے کے لئے منی گئے

ہمیں یہ معلوم کر کے حیرت اور افسوس ہوا کہ گاندھی جی بے ہماری تحویر کو منظور نہیں کیا ابیں اصرار تھا کہ پہلے تمام سیاسی لیڈر اور خاص طور سے علی برادران بغیر کسی شرط کے رہا کر دئے جائیں۔ ابوں بے کہا کہ وہ گول میر کانہرس کی تحویر پر اسی وقت غور کریں گے، جب تمام لیڈر رہا کئے جا چکے ہوں گے مسٹر داس اور مجھے دونوں کو محسوس ہوا کہ یہ مطالبہ

کرنا غلط ہے جب حکومت اس پر راضی تھی کہ کانگریسی لنڈر گول میر کانگریس سے پہلے رہا کر دئے جائیں گے، تو اس اصرار سے کوئی مطالب نہیں نکلتا تھا۔ یڈت مالویہ نے پور گاندھی جی کے پاس جا کر ہماری رائے بیان کی، مگر انہوں نے اس سے اتفاق نہیں کیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ وائسرائے نے اپنی تحویر و گھنگو کا سلسلہ بند کر دیا۔ اس نے خاص طور پر تحویر اس لئے بیس کی تھی کہ ولی عہد کا کلکتہ میں بائیکاٹ نہ ہو۔ چونکہ کوئی سمجھوتا نہیں کیا گیا تھا، اس لئے بائیکاٹ بہت کامیاب رہا، لیکن ہم نے سمجھوتا کر کے کا بہت ہی اچھا موقعہ ہاتھ سے جانے دیا۔ مسٹر داس نے ایسی نا پسندیدگی اور مایوسی کو ظاہر کر کے میں تکلف نہیں کیا۔ اس کے بعد گاندھی جی نے بمبئی میں کانگریس بلائی جس کے صدر سی شکر باجر بھی تھے۔ اس کانگریس میں خود گاندھی جی نے گول میر کانگریس کی تحویر پیش کی۔ ان کی شرطیں تقریباً وہی تھیں، جو یڈت مالویہ (وائسرائے کی طرف سے) لیکر آئے تھے، لیکن اس دوراں میں ولی عہد برطانیہ ہندوستان سے چاچکے تھے اور حکومت کو اس معاملے سے دلچسپی نہیں رہی تھی۔ اس نے گاندھی جی کی تحویر پر بالکل غور ہی نہیں کیا اور اسے قطعی طور پر نامعلوم کر دیا۔ مسٹر داس کو بہت غصہ آیا اور انہوں نے کہا کہ گاندھی جی نے سحت عطی کی ہے۔ مجھے بھی ماننا پڑا کہ یہ رائے صحیح ہے۔

اس کے بعد پھر گاندھی جی نے جوری جوروہ کے حادثے کی وجہ سے عدم تعاون کی تحریک کو معطل کر دیا۔ سیاسی حلقوں

میں اس کا شدید رد عمل ہوا اور سارے ملک میں شکست کی فضا پیدا ہو گئی۔ حکومت بے اس موقع سے پورا فائدہ اٹھایا اور گاندھی جی کو گرفتار کر لیا۔ انہیں چھ برس قید کی سزا دی گئی اور عدم تعاون کی تحریک دم توڑ کر ختم ہو گئی۔

مسٹر داس تقریباً رورہ محہ سے صورت حال پر گفتگو کیا کرتے تھے انہیں یقین تھا کہ تحریک سد کرے میں گاندھی جی بے ایسی غلطی کی ہے، جس سے شدید نقصان ہوگا اس بے سیاسی کام کرے والوں کی ہمتیں اتنی پست کر دی ہیں کہ اب ہلک میں برسوں تک حوش دوبارہ پیدا نہ کیا جاسکے گا۔ اس کے علاوہ مسٹر داس کی رائے تھی کہ مقصد کو براہ راست حاصل کرے کی کوشش جو گاندھی جی بے کی تھی، صحیح طریقہ نہیں ہے۔

ان کا خیال تھا کہ اب ہمیں ہلک کی ہمت اور حوش کو بحال کرے کے لئے نئی تدبیریں کرنی چاہئیں وہ ایسی پالیسی کی موافقت میں ہیں تھے کہ بیٹھ کر انتظار کیا جائے اور دیکھا جائے کہ حالات کب بہتر ہوتے ہیں۔ وہ سمجھتے تھے کہ پرانے پروگرام کے بحالے کوئی دوسرا راستہ اختیار کرنا چاہئے اور اس وقت جو صورت حال تھی، اس کے پیش نظر عملی احتجاج کے طریقے کو چھوڑ کر قانون ساز مجلسوں کو سیاسی خنک کا میدان بنانا چاہئے۔ گاندھی جی کے کہنے سے کانگریس بے سنہ ۱۹۲۱ء کے انتخابات کا بائیکاٹ کیا تھا مسٹر داس بے یہ رائے ظاہر کی کہ کانگریس کو سنہ ۱۹۲۴ء میں قانون ساز مجلسوں پر قبضہ کرے کی تیاری کرنا چاہئے اور انہیں ملک کے سیاسی مقاصد کو حاصل



کرے گا دربعہ سانا چاہئے۔ مسٹر داس کو امید تھی کہ کانگریس کے تمام مستعد لیڈراں کی تشحیص اور علاج کو تسلیم کر لیں گے۔ میں سمجھتا تھا کہ وہ حد سے زیادہ حوش فہمی سے کام لے رہے ہیں، مگر اس رات سے مجھے اتفاق تھا کہ جب وہ قید سے جھوٹیں تو دوستوں سے مشورہ کر کے ملک کے لئے ایک یا پروگرام سائیں۔

مسٹر داس اس وقت رہا ہوئے، جب گیا کانگریس کا احلاس ہوئے والا تھا۔ ریسپتس کمیٹی نے ان کو اپنا صدر منتخب کیا اور انہیں محسوس ہوا کہ وہ ملک کو اپنے پروگرام کے مطابق عمل کرے پر آمادہ کر لیں گے۔ ان کی ہمت اور بڑھ گئی جب انہوں نے دیکھا کہ حکیم احمد حاں، پڈت موتی لال مہر اور ونٹل بھائی پٹیل ان کے نقطہ نظر سے اتفاق کرتے ہیں۔ اپنے حطہ صدارت میں مسٹر داس نے تحویر کیا کہ کانگریس کونسلوں میں داخل ہوئے کے پروگرام کو منظور کر لے اور سیاسی جنگ، قابو سار مجلسوں کے اندر جاری کرے۔ گاندھی جی اس وقت حیل میں تھے۔ کانگریس کے ایک حصہ نے شری راج گوپال اجاری کی سرکردگی میں مسٹر داس کی مخالفت کی انہیں اندیشہ تھا کہ عملی احتجاج کا طریقہ چھوڑ دیا گیا اور مسٹر داس کا پروگرام اختیار کیا گیا، تو حکومت اس سے یہ نتیجہ نکالے گی کہ گاندھی جی کی قیادت سے انحراف کیا گیا ہے۔ میرے خیال میں شری راج گوپال اجاری کا استدلال صحیح نہیں تھا۔ مسٹر داس حکومت سے کوئی معاملہ نہیں کرنا چاہتے تھے۔

اں کے مدبٹر صرف یہ تھا کہ سیاسی حدود و حدود کو کسی دوسرے میدان میں جاری کیا جائے ابھوں بے یہ بات وصاحت اور تفصیل سے سمجھائی، مگر کانگریس کے عام ءروں کو قائل نہ کر سکے شری راح گوپال اجاری، ڈاکٹر راحدر یرشاد اور دوسرے لوگوں بے اں کی مخالف کی اور اں کی تحویر کو نامطور کرا دیا گیا۔ کانگریس دو مخالف حصوں میں تقسم ہو گئی اور مسٹر داس بے اسعفا دیدیا اب کانگریس کی ساری طاقت دو فریقوں کی باہمی حگ میں صرف ہوئے لگی، جس میں سے ایک »نوحجرس<sup>۱</sup>« اور دوسرا »پروججرس<sup>۲</sup>« کہلاتا تھا

کوئی حہ مہیے بعد میں بھی قید سے جھوٹا میں بے دیکھا کہ کانگریس کے لئے بہت سحت حطرہ دزیش ہے اور تمام کانگریسیوں کی قوت انگریروں کے خلاف اڑے کے بجائے حابہ حگی میں صرف ہو رہی ہے مسٹر داس، پنڈت موہی لال اور حکیم احممل حان »پروججرس« گروہ کے سردار تھے راحا حی، سردار یشیل، ڈاکٹر راحدر یرشاد »نوحجرس« حماعت کی وکالت کر رہے تھے دونوں بے محھے اپنی طرف لایے کی کوشش کی، مگر میں قطعی طور پر کسی فریق کی طرف ہو حایے سے انکار کرا رہا محھے یہ اندرونی اختلافات بہت حطرباک معلوم ہو رہے تھے اور میں سمجھتا تھا کہ اگر ابھیں بروقت دور نہ کیا گیا تو کانگریس کے ٹکڑے ٹکڑے ہو جائیں گے، اس لئے میں بے طے کیا کہ دونوں مخالف فریقوں سے الگ رہوں گا اور ملک کو سیاسی

حد درحد کی طرف پوری طرح متوجہ کرے کی کوشش کرتا رہا  
مجھے حوشی ہے مری کوسستیں بار آور ہوئیں۔ دہلی میں کانگریس کا  
ایک خاص احساس ہوا اور دونوں فرقوں کی رصاصہ مدی سے میں  
اس کا صدر مسح کیا گیا

میں نے خطہ صدارت میں اس بات پر رور دیا کہ ہمارا اصل  
مقصد ملک کو آزاد کرنا ہے۔ ۱۹۱۹ء سے ہم علی احتجاج  
کے پروگرام پر عمل کرتے رہے تھے اور اس سے ہمیں بہت کچھ  
حاصل ہوا اب اگر ہم اس سے بعض کو نہ محسوس ہوا تھا کہ  
قانون ساز اسمبلی کو حد و حد کا میدان ملنا چاہئے، تو کوئی وجہ  
نہیں تھی کہ ہم کثرت کے ساتھ ایسے فیصلے پر قائم رہیں جو  
تک اس کا اطمینان رہے کہ سب کا مقصد اور مصالحت ایک ہی ہے،  
تک ہر گروپ کو اختیار ہونا چاہئے کہ جس پروگرام کو وہ  
سب سے زیادہ مفید اور موثر سمجھا ہو اس پر عمل کرے۔

دہلی کانگریس کا فیصلہ مری توقعات کے مطابق ہوا اور یہ  
طے ہو گیا کہ ”پروجسٹر“ اور ”نوجسٹر“ دونوں آزادی کے ساتھ  
ایسے پروگرام پر عمل کر سکیں گے ڈاکٹر راجندر پرشاد،  
سری راج گویال اچاری اور ان کے ساتھیوں نے اپنے تعمیری پروگرام  
کو اٹھایا مسٹر سی۔ آر داس، پنڈت موتی لال اور حکیم احمد خان  
نے سوراخ پارٹی قائم کی اور انتخابات میں مقابلہ کرے کا فیصلہ  
کیا ان کی اس تحریک نے پورے ملک میں بہت حوش پیدا کیا  
اور مرکزی اور صوبائی اسمبلیوں میں بہت سے لوگ سوراخ پارٹی  
کے ساتھ ہو گئے

نو »چمکروں« کا ایک بہت بڑا اعتراض یہ تھا کہ کوسلوں میں داخل ہونے کا پروگرام گاندھی جی کی قیادت کو کمزور کر دے گا۔ واقعات بے اں کی رائے کو غلط ثابت کیا مرکزی مجلس میں سوراخ پارٹی بے یہ ریرولیش پیش کیا کہ گاندھی جی کو فوراً رہا کر دیا جائے ریرولیش کے مطور ہونے سے پہلے ہی گاندھی جی رہا کر دئے گئے

میں بے یہ کہا ہے کہ مرکزی اور صوبائی محاسنوں میں بہت سے لوگ سوراخ پارٹی میں شامل ہو گئے۔ شاید اس پارٹی کی سب سے نمایاں کامیابی یہ تھی کہ اس بے وہ شستیں حاصل کر لیں جو مسلمانوں کے لئے مخصوص تھیں۔ بڑی حد تک یہ مسٹر داس کی اس سیاسی حقیقت شناسی کا نتیجہ تھا، جس کی طرف میں اوپر اشارہ کر چکا ہوں۔ انتخابات کے حلقے فرقہ واری تھے اور صرف مسلمان ووٹر مسلمان نمائندوں کو متحب کر سکتے تھے اس طرح سے مسلم لیگ اور دوسری فرقہ پرست پارٹیوں کو اس کا موقعہ تھا کہ مسلمانوں کے دلوں میں خوف پیدا کر کے اپنا کام نکالیں اور وہ عام طور سے ایسے امیدواروں کو متحب کرا لیتی تھیں، جس کا رجحان فرقہ پرستی کی طرف تھا۔ مسٹر داس بنگالی مسلمانوں کی تشویش کو دور کر کے میں کامیاب ہوئے اور انہوں نے علانیہ اں کو اپنا رہنما مان لیا۔ جس طریقے سے مسٹر داس بے بنگال کے فرقہ وارانہ مسئلہ کو حل کیا وہ ایک یادگار ہے اور اسے آج کل بھی ایک اچھی بطیر سمجھا جائے۔

بنگال میں مسلمانوں کی اکثریت تھی، مگر بعض اسباب کی وجہ

سے وہ تعلیمی اور سیاسی اعتبار سے پس ماندہ تھے۔ اگرچہ آبادی میں ان کی تعداد پچاس فیصدی سے زیادہ تھی، لیکن سرکاری ملازمتوں میں ان کو تیس فیصدی عہدے بھی نہیں ملے تھے۔ مسٹر سی آر۔ داس بڑے حقیقت شناس تھے اور انہوں نے فوراً محسوس کیا کہ مسئلہ دراصل معاشی ہے انہوں نے صاف طور پر دیکھا کہ جب تک مسلمانوں کو ان کے مستقل کے بارے میں یقین نہیں دلایا جائے گا، تب تک اس کی توقع نہیں کی جاسکتی کہ وہ دل سے کانگریس کے ساتھ ہوں گے۔ اس لئے انہوں نے ایک اعلان کیا، جس سے صرف بنگال نہیں بلکہ پورا ہندوستان بہت متاثر ہوا۔ انہوں نے کہا کہ جب بنگال میں حکومت کی باگ ڈور کانگریس کے ہاتھوں میں آجائے گی، تو وہ تمام نئے تقررات میں ساتھ ہی صدی عہدے مسلمانوں کے لئے مخصوص کر دے گی، جب تک کہ آبادی کی نسبت سے انہیں صحیح نمائندگی حاصل نہ ہو جائے۔ کلکتہ کارپوریشن کے معاملے میں وہ اس سے بھی آگے بڑھ گئے اور کہا کہ وہ انہیں شرطوں کے ساتھ اسی فیصدی تقررات مخصوص کر دیں گے۔ انہوں نے اس طرف توجہ دلائی کہ جب تک مسلمانوں کی ہلکے رنگی اور ملازمتوں میں مناسب نمائندگی نہ ہوگی، بنگال میں صحیح معنوں میں جمہوریت قائم نہ کی جاسکے گی۔ جب ایک مرتبہ عدم مساوات کے اثرات مٹا دیے جائیں گے، تو مسلمان دوسری مذہبی جماعتوں سے برابر کا مقابلہ کر سکیں گے اور ان کے لئے خاص طور سے ملازمتوں اور عہدوں کو مخصوص کرے کی ضرورت نہ رہے گی۔



اس دلیرانہ اعلان نے بنگال کی کانگریس کی سیادس ہلا دیں۔ بہت سے کانگریسی لیڈروں نے اس کی مدت سے مخالفت کی اور مسٹر داس کے خلاف باقاعدہ جنگ شروع کر دی۔ ان پر موقعہ پرست، مصالحت پرست اور مسلمانوں کے طرفدار ہونے کا الزام لگایا گیا، لیکن وہ ایک حنا کی طرح اپنی جگہ پر قائم رہے۔ انہوں نے یورے صوبے کا دورہ کر کے ایسا عطیہ نظر سمجھایا اور بنگال کے باہر مسلمانوں پر ان کا بہت زبردست اثر پڑا۔ مجھے یقین ہے کہ ان کا قبل از وقت انتقال نہ ہو جانا، تو وہ ملک میں ایک نئی صاف پیدا کر دیے۔ یہ بہت افسوس کی بات ہے کہ ان کے انتقال کے بعد ان کے بعض پیروؤں نے ان کے طریقے پر حملے کئے اور ان کے اعلان کو مسترد کر دیا گیا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مسلمان کانگریس سے الگ ہو گئے اور صوبے کی تقسیم کے لئے زمین تیار ہوئے لگی۔

یہاں پر مجھے ایک بات صاف کر دینا چاہئے۔ معنی کی صوبہ جاتی کانگریس کمیٹی کا مسٹر بریماں کو مقامی قیادت سے محروم کرنا غلط تھا اور ورکنگ کمیٹی میں اتنی ہمت نہیں تھی کہ اس غلطی کا سدبارک کرے۔ اس ایک لعرس کے سوا کانگریس نے اسے اصولوں کے مطابق عمل کرنے کی ہر طرح سے کوشش کی، جب ایک مرتبہ وداریں میں گئیں تو اس کا اطمینان کرے کے لئے کہ ہر اقلیت کے ساتھ انصاف برتا جائے گا۔ ضروری تدبیریں اختیار کی گئیں۔

یہ پہلا موقعہ تھا جب کہ کانگریس نے اپنے اوپر حکومت کی

دمہ داری لی یہ اس کے لئے ایک آزمائش تھی اور لوگ دیکھ رہے تھے کہ وہ کس طرح سے اور کس حد تک اپنے عمل سے اپنی قومی حیثیت ظاہر کرتی ہے۔ مسلم لیگ کانگریس کے خلاف یہ پروپگنڈا کر رہی تھی کہ وہ صرف دکھائے کے لئے قومی حیثیت رکھے گا دعویٰ کر رہی ہے۔ اس بے اصولی طور پر کانگریس کو بدنام کر رہی ہے پر اکتفا نہیں کیا، بلکہ یہ ظاہر کیا کہ کانگریسی وزارتیں اقلیتوں پر ظلم اور زیادتی کر رہی ہیں اس بے ایک کمیٹی مقرر کی، جس نے اپنی رپورٹ میں مسلمانوں اور دوسری اقلیتوں کے ساتھ غیر مصفاہ ساوک کے الزامات لگائے۔ میں اپنے ذاتی علم کی بنا پر کہہ سکتا ہوں کہ یہ الزام بالکل بے سیاد تھے، یہی رائے وائسرائے اور مختلف صوبوں کے گورنروں کی تھی اس طرح لیگ کی تیار کی ہوئی رپورٹ کا سمجھدار لوگوں پر کوئی اثر نہیں ہوا۔ کانگریس نے عہدے قبول کئے تو وزارتوں کے کام کی نگرانی کرے اور انہیں عام ہدایتیں دیے کی عرص سے ایک پارلیمنٹری بورڈ قائم کیا گیا۔ یہ بورڈ سردار پٹیل، ڈاکٹر راجندر پرشاد اور مجھ پر مشتمل تھا اس طرح کئی صوبوں یعنی بنگال، بہار، یو پی، پنجاب، سندھ اور سرحد کے پارلیمنٹری معاملات میرے سر پر تھے۔ ہر واقعہ جس میں کوئی فرقہ وارانہ رنگ یا مسئلہ ہوتا میرے سامنے پیش ہوا کرتا تھا، اس لئے میں اپنے ذاتی علم کی بنا پر اور پوری دمہ داری کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ مسلمانوں اور دوسری اقلیتوں کے ساتھ بے انصافی کر کے حتیٰ الزام مسٹر جناح اور مسلم لیگ نے لگائے وہ بالکل جھوٹے تھے۔ اگر ان میں حقیقت

کا شائبہ بھی ہوتا تو میں ضرور اس کا انتظام کرتا کہ بے انصافی کا تدارک کیا جائے۔ اگر اور کوئی صورت نہ ہوتی تو ایسے معاملہ پر استعفا بھی دے دیتا۔

کانگریسی وزارتیں دو سال سے کچھ کم برسراقتدار رہیں، مگر اس تھوڑی سی مدت میں بھی کئی مسئلے اصولی طور پر طے ہو گئے۔ زمینداری یا زمین کی ملکیت کے بارے میں قانون، زرعی قرضداری کا حاتمہ اور بچوں اور بالعوں کی تعلیم کا بہت بڑے پیمانے پر انتظام ایسے امور ہیں، جن کا خاص طور پر ذکر کیا جاسکتا ہے۔ زمینداری کا اسداد اور زرعی قرضداری کی مسوخی ایسے مسئلے ہیں تھے کہ آسانی سے طے ہو جاتے۔ ان کے متعلق قانون بابا قدیمی حقوق پر حملہ کرنا تھا، اس لئے کوئی تعجب کی بات نہیں ہے کہ ان مستقل حقوق کے حاملوں بے کانگریس کا قدم قدم پر مقابلہ کیا۔ بہار میں زرعی اصلاح کی کارروائیوں کی زور دار مخالفت کی گئی اور اس معاملے کو طے کر کے لئے عہے ذاتی طور پر دخل دیا پڑا۔ زمینداروں سے بہت طویل بحث و گفتگو کے بعد ہم بے ایک ایسا فارمولا بنا لیا، جس سے ان کے وہ اندیشے جو بیجا نہیں ٹھہرائے جاسکتے تھے دور ہو گئے اور کسانوں کو ان کے حقوق کے بارے میں بھی پورا اطمینان دلا دیا گیا۔

ہم ایسے نازک اور پیچیدہ مسئلوں کو بڑی حد تک اس وجہ سے حل کر سکے کہ میں کانگریس کے کسی طرز خیال کے لوگوں کا وکیل یا نمایندہ نہیں مانا جاتا تھا۔ میں یہ تا چکا ہوں کہ سہ ۲۴-۱۹۲۳ء میں میں نے »پروچنجر« اور »نو چنجر« فریقوں

کو ایک دوسرے کے قریب لائے میں کس طرح مدد کی۔ اختلاف کی یہ شکل تو اب ہیں رہی تھی، لیکن سے ۱۹۳۰ء کے بعد کانگریس دو حصوں میں تقسیم ہو گئی، جس میں سے ایک قدامت پسند اور دوسرا ترقی پسند کہلاتا تھا۔ قدامت پسند مستقل حقوق رکھنے والوں کے حمایتی مابے حاتے تھے، اس کے برخلاف ترقی پسند اپنے انقلابی حوش کی بدولت پھل پھول رہے تھے۔ میں نے قدامت پسندوں کے اندیشوں کا پورا لحاظ کیا، مگر اسی کے ساتھ اصلاحات کے معاملے میں مجھے ترقی پسندوں سے ہمدردی تھی، اس وجہ سے میرے لئے ممکن تھا کہ انتہا پسندی کی دونوں شکلوں کے درمیان بیچ کا راستہ نکالوں اور مجھے امید تھی کہ کانگریس ثابت قدمی کے ساتھ اور بغیر کسی تصادم کے اپنے منصوبوں کو پورا کرسکے گی لیکن کانگریس کے الکشن پروگرام کی تدریجی تکمیل کے تمام منصوبے سے ۱۹۳۹ء میں بین الاقوامی قوتوں کی کشمکش نے معطل کردئے

---

## یورپ میں جنگ

پچھلے باب میں حو واقعات بیان کئے گئے ہیں، ان کا پس منظر ایک تیرہ و تار فضا تھی اور جنگ کا خطرہ سر پر مڈلا رہا تھا۔ اس پوری مدت میں حو ہماری نظر کے سامنے گذری ہے، بین الاقوامی تعلقات بگڑنے جارہے تھے اور طاہر ہو رہا تھا کہ جنگ سے بچنے کی کوئی صورت نہ نکلے گی جیسے ہی آسٹریا حرمن ریاست میں شامل ہوا، ویسے ہی حرمنوں نے سوڈین لائنڈ کے لئے مطالبے کرنا شروع کر دیا۔

یہ معلوم ہوتا تھا کہ لڑائی ہوے ہی کو ہے، حب مسٹر چمبرلین نے ڈرامائی انداز سے میوچ کا سفر کیا۔ حرمی اور برطانیہ کے درمیان سمجھوتا ہو گیا، چکوسلوواکیہ کا ایک حصہ بحیر لڑائی کے حرمی کے قصہ میں آ گیا۔ اس وقت خیال ہوتا تھا کہ بلا ٹل گئی ہے، مگر بعد کے واقعات سے ثابت ہوا کہ میوچ کے معاہدے سے اس قائم رکھنے میں کچھ مدد نہیں ملی۔ اس کے برخلاف اس سے جنگ کا امکان اور قوی ہو گیا اور اس کے ایک سال کے اندر ہی برطانیہ، حرمنی سے اعلان جنگ کرے پر مجبور ہو گیا۔

یورپ میں حو کچھ ہو رہا تھا اس پر کانگریس کو افسوس تھا۔ مارچ ۱۹۳۹ء میں تری پورہ کے اجلاس میں اس نے مندرجہ ذیل ریرولیش منظور کیا تھا۔



» کانگریس اس بات کو صط تحریر میں لانا چاہتی ہے کہ وہ برطانیہ کی خارجی پالیسی کو قطعی ناپسند کرتی ہے ، جس کا احاطہ میوچ کا معاہدہ ، برطانوی اطالوی معاہدہ اور ہسپانیہ کے ماعیوں کی حکومت کو قابواً تسلیم کرے کی صورت میں ظاہر ہوا ہے . یہ پالیسی دوسرا نام ہے جمہوریت کے ساتھ غداری ، متواتر عہد شکنی ، اجتماعی تحفظ کے نظام کی بیح کی اور ایسی حکومتوں سے تعاون کا جو خود اپنے آپ کو جمہوریت اور آزادی کی دشمن ٹھہراتی ہیں . اسی پالیسی کی بدولت دیا میں بین الاقوامی فساد کی ایک کیفیت پیدا ہو رہی ہے ، جس میں ہیمانہ تشدد کو شاددار کامیابی ہوتی ہے ، بغیر کسی رکاوٹ کے پھل پھول رہا ہے اور قوموں کے مستمل کا فیصلہ کر رہا ہے اور اس قائم رکھے کے ہمارے سے ایک ہیئت ناک جنگ کی تیاری عظیم الشان پیمانے پر کی جارہی ہے وسطی اور جنوب مغربی یورپ میں بین الاقوامی اخلاق اس درجہ گر گئے ہیں کہ دیا کے سامنے یہودی سل کے لوگوں کے ساتھ نازی حکومت کا مظہم وحشت انگیز برتاؤ اور ہسپانیہ کی داعی فوجوں کے ہوائی چہاروں کے شہروں اور غیر مسلح آبادی اور بے سہارا پناہ گریزوں پر مسلسل بمباری کرے کے وحشت ناک مظہر پیش کئے گئے .

» کانگریس یہ واضح کر دیا چاہتی ہے کہ اس کا برطانیہ کی اُس بیرونی پالیسی سے قطعاً کوئی تعلق نہیں ہے ، جس نے پابندی کے ساتھ فاشست طاقتوں کو مدد پہنچائی ہے اور جمہوری ملکوں کی تباہی و بربادی میں معاون ہوئی ہے . کانگریس امپیریلزم اور فاشزم

دوبوں کے خلاف ہے اور اسے یقین ہے کہ دیا کے امں اور ترقی کے لئے لارمی ہے کہ ان دوبوں کا حاتمہ کر دیا جائے۔ کانگریس کی رائے میں اس کی انتہائی ضرورت ہے کہ ہندوستانی ایک آزاد قوم کی حیثیت سے اپنی بیرونی پالیسی خود طے کریں اور اس طرح امپیریلزم اور ہاشرم دوبوں سے الگ رہتے ہوئے، امں اور آزادی کی راہ پر قدم بڑھائیں۔»

جیسے جیسے بین الاقوامی افق پر طوفاں گھرتے ہوئے نظر آئے، گاندھی جی کے دہن پر گہری مایوسی طاری ہوتی گئی اس سارے رماے میں وہ ایک شدید ذہنی بحران سے گزر رہے تھے۔ یورپ اور امریکہ کی انہیں اور افراد ان سے درخواست کرتے رہتے تھے کہ جنگ کی بلا کو، جو سر پر آن کر کھڑی ہوئی تھی، دفع کرے کی کوئی تدبیر کریں، اور اس سے ان کا روحانی کرب اور بڑھتا تھا۔ ساری دیا کے امں پسند انہیں اپنا قدرتی رہنما مانتے تھے، جس کی مدد سے امں قائم رکھا جا سکتا تھا۔

گاندھی جی نے اس مسئلے پر بہت عور کیا اور آخر کار کانگریس ورکنگ کمیٹی سے کہا کہ ہندوستان کو اس خطرناک بین الاقوامی صورت حال کے بارے میں اپنا نقطہ نظر بیاں کر دیا چاہئے۔ ان کی اپنی رائے یہ تھی کہ ہندوستان کو کسی حالت میں بھی اس ہوے والی جنگ میں شریک نہ ہونا چاہئے خواہ شرکت کرے سے ہندوستان کو آزادی ہی حاصل ہو جائے۔

مجھے گاندھی جی سے اس معاملے میں اختلاف تھا مجھے یہ نظر آرہا تھا کہ یورپ دو حصوں میں تقسیم ہو گیا ہے۔ ایک

با سرم اور فاشرم کی قوت کا نمائندہ ہے، دوسرا جمہوری طاقت کا۔ میرے دل میں اس بارے میں کوئی شبہ نہیں تھا کہ اگر ان دونوں میں تصادم ہو تو ہندوستان کو جمہوری طاقتوں کا ساتھ دینا چاہئے، بشرطیکہ وہ آزاد ہو۔ لیکن اگر برطانیہ بے ہندوستان کو آزاد تسلیم نہ کیا، تو یہ توقع کرنا بہت بھلا ہوگا کہ ہندوستان خود آزادی سے محروم رہ کر دوسری قوموں کی آزادی کے لئے لڑے گا ایسی صورت ہوئی تو ہندوستان کو تعاون نہ کرنا چاہئے اور جنگ کی سرگرمیوں میں برطانوی حکومت کی مدد نہ کرنا چاہئے۔ اور معاملوں کی طرح اس میں بھی ورکنگ کمیٹی کے عمروں میں اختلاف تھا۔ ان میں سے بعض کے خیالات دراصل صاف نہیں تھے۔ پنڈت خواہر لال بہرو کو بحیثیت مجموعی مجھ سے اتفاق تھا۔ مگر ایسے بہت تھے جو محسوس کرتے تھے کہ انہیں گاندھی جی کا ساتھ دینا چاہئے، لیکن وہ یہ بھی دیکھتے تھے کہ گاندھی جی کی پالیسی پر اس کی انتہا تک عمل کیا گیا، تو وہ ایک بدگلی میں پہنچا دیگی، اس وجہ سے وہ شش و پنج میں تھے، کانگریس ورکنگ کمیٹی بے معاملے کے ہر پہلو پر غور کیا، مگر کوئی فیصلہ نہ کر سکی۔

ادھر کانگریس اس طرح پس و پیش کر رہی تھی، ادھر اعلان جنگ کے فوراً بعد ہندوستان میں ایک غیر معمولی صورت حال پیدا ہو گئی۔ برطانیہ بے ۳ ستمبر ۱۹۳۹ء کو حرمی کے خلاف اعلان جنگ کیا، تو اس بے کام ویتھ کے تمام اراکان سے ایسا ہی کرنے کی درخواست کی۔ ہر ڈومنین کی پارلیمنٹ

بے اپنا احساس کیا اور جنگ کا اعلان کر دیا۔ ہندوستان میں ایسا ہوا کہ وائسرائے بے مرکزی قانون ساز مجلس سے رسمی طور پر بھی مشورہ کئے بغیر حرمی کے خلاف اعلان جنگ کر دیا۔ اگر مرید ثنوت کی ضرورت تھی، تو وائسرائے کے اس عمل بے ثبات کر دیا کہ برطانوی حکومت ہندوستان کو اپنا حلقہ نگوش سمجھتی ہے اور یہ تسلیم کرے پر تیار نہیں ہے کہ اسے جنگ جیسے معاملہ میں بھی اپنا طرز عمل حرد طے کرے کا اختیار ہے۔

حب ہندوستان کو اس طرح بے نکلی کے ساتھ جنگ میں شریک کر دیا گیا، تو گاندھی جی کی دہی تکلیف باقابل برداشت ہو گئی۔ وہ کسی حالت میں بھی اس پر رضامند نہیں ہو سکتے تھے کہ ہندوستان جنگ میں شریک ہو، لیکن ان کے احساسات کچھ بھی ہوں، وائسرائے کے ایک فیصلہ ہے، جس میں ہندوستانیوں کی مرضی کا کوئی دخل نہیں تھا، ہندوستان کو جنگ میں مبتلا کر دیا۔

کانگریس بے اپنی رائے وصاحت کے ساتھ ورکنگ کمیٹی کے ایک ریرولوش میں بیاں کر دی، جو وردھا میں اس کے احساس معقدہ ۱۵ ستمبر میں منظور ہوا۔ میں یہ ریرولوش پورا پورا نقل کر رہا ہوں، اس لئے کہ جنگ کے معاملے میں کانگریس کا جو رویہ تھا اور اس کے نزدیک جمہوری ریاستوں کا بین الاقوامی سیاست کے میدان میں جو منصب ہے، اس کے متعلق یہ واضح ترین بیانات میں سے ہے۔ ریرولوش حسب دیل ہے

»یورپ میں جنگ کا اعلان ہونے کی وجہ سے جو تشویش ناک

حالات پیدا ہوئے ہیں، ان پر ورکنگ کمیٹی بے پوری توجہ سے غور کیا۔ کانگریس کئی بار بیاں کر چکی ہے کہ جنگ چھڑ جائے یا قوم کو کس اصولوں کے مطابق عمل کرنا چاہئے اور ایک ہی مہیہ ہوا اس کمیٹی بے ان اصولوں کو دہرایا تھا اور ہندوستان کی برطانوی حکومت بے ہندوستانیوں کی رائے کی حوصلہ شکنی تھی، اس پر ناپسندیدگی کا اظہار کیا تھا۔ برطانوی حکومت کی اس پالیسی سے علیحدگی اور بے تعلقی ثابت کر کے لئے پہلا قدم یہ اٹھانا گیا کہ ورکنگ کمیٹی بے مرکزی قانون ساز مجلس کے کانگریسی ممبروں کو ہدایت دی کہ وہ مجلس کے اگلے سیشن میں شریک نہ ہوں اس کے بعد یہ ہوا کہ برطانوی حکومت بے ہندوستان کو جنگ میں شریک فرار دیا، آرڈیننس جاری کئے، قانون حکومت ہند کا ڈیمیمی بل پاس کیا اور ایسی ہی اور دوسری کارروائیاں کیں، ہر ہندوستانی قوم کے لئے موت و حیات کا مسئلہ بن سکتی ہیں اور جس سے صوبہ جاتی حکومتوں کے اختیارات اور عمل سب محدود اور مختصر ہو جاتے ہیں یہ صرف ہندوستانیوں کی رضامندی حاصل کئے بغیر ہی نہیں کیا گیا ہے، بلکہ انہوں نے جو خواہشیں ظاہر کی تھیں، انہیں برطانوی حکومت بے جاں نوحہ کر نظر انداز کیا ہے ورکنگ کمیٹی محسوس ہے کہ ان واقعات کے مصر اثرات و نتائج کی طرف توجہ دلائے۔

»کانگریس بے جاں نوحہ اظہار کیا ہے کہ وہ فاشم اور فاشزم کے فلسفے اور عمل اور ان کے اس طریقے کو کہ جنگ اور تشدد کو آسمان پر چڑھایا جائے اور انسان کے دل و دماغ کو کچلا



حائے قطعی طور پر ناپسند کرتی ہے۔ اس نے اس جارحانہ اعمال کی مدمت کی ہے، جو ان سے بار بار سررد ہوئی ہیں اور اس بات کی بھی مدمت کی ہے کہ انہوں نے مستقل اصولوں اور مہذب زندگی کے مسلّم معیاروں کو کوڑے کی طرح ہٹا کر الگ کر دیا ہے۔ اسے فاشرم اور ناسرم میں امیریلرم کے وہی اصول زیادہ شدید شکل میں نظر آئے ہیں، جس کے خلاف ہندوستانی برسوں سے لڑتے رہے ہیں۔ اسی وجہ سے ورکگ کمیٹی اپنا فرص سمجھتی ہے کہ حرمی کی ناری حکومت بے پولیڈ کے خلاف جو آخری جارحانہ کارروائی کی ہے اس کی مدمت کرے اور ان لوگوں سے ہمدردی کرے جو اس حملہ کا مقابلہ کریں۔

»کانگریس بے اس کے علاوہ طے کر دیا ہے کہ ہندوستان کے حگ میں شریک ہوے یا نہ ہوے کا مسئلہ ایسا ہے، جس کے بارے میں ہندوستانی قوم فیصلہ کر سکتی ہے اور نہ تو کوئی باہر کی طاقت ان پر یہ فیصلہ عائد کر سکتی ہے اور نہ ہندوستانی اس کی احارت دے سکتے ہیں کہ انکے قدرتی اور معاشی وسائل کو امپریلسٹ مقاصد کے لئے کام میں لایا جائے وہ لازمی طور پر ایسے فیصلے کی جو ان پر عائد کیا گیا ہو اور ہندوستان کے وسائل کو ایسے کاموں میں لگائے کی محالمت کریں گے، جہیں انہوں بے منظور نہ کیا ہو۔ اگر کسی قابل قدر مقصد کی خاطر تعاون کی ضرورت ہو تو وہ حرأ یا فرص کے طور پر عائد کر کے حاصل نہیں کیا جا سکتا اور یہ کمیٹی اسے منظور نہیں کر سکتی کہ ہندوستانی قوم کسی غیر حکومت کے جاری کئے ہوئے احکامات کی تعمیل

کریے تعاون ایسے فریقوں کے درمیان ہونا چاہئے جو حیثیت میں برابر ہوں اور ایسے مقصد کی خاطر جسے دونوں قابل قدر سمجھتے ہوں۔ ہندوستانی قوم بے اس رماے میں، جو ابھی گذرا ہے اپنی آزادی حاصل کرے اور ملک میں ایک خود مختار جمہوری حکومت قائم کرے کے لئے بڑے خطروں کا سامنا کیا ہے اور خوشی کے ساتھ بڑی قربانیاں کی ہیں اس کی ہمدردی تمام تر جمہوریت اور آزادی چاہنے والوں کے ساتھ ہے۔ مگر ہندوستان ایسی جنگ میں شریک نہیں ہو سکتا، جو کہے کو جمہوری آزادی کے لئے ہو، مگر خود اس کو اسی آزادی سے محروم رکھا جائے، بلکہ جو محدود اور مشروط اسے حاصل ہوئی ہو، وہ بھی اس سے چھین لی جائے

» کمیٹی اس سے واقف ہے کہ برطانیہ عظمیٰ اور فرانس کی حکومتوں نے اعلان کیا ہے کہ وہ جمہوریت اور آزادی کو قائم رکھے اور جنگ ختمی کا حاتمہ کرے کے لئے لڑ رہی ہیں۔ لیکن اسی زمانے کی تاریخ میں رمان سے کہی ہوئی باتوں، مشترکہ ہوئے صباالعین اور اصلی اعراض و مقاصد میں مسلسل تضاد کی بے شمار مثالیں ملیں گی۔ سنہ ۱۸-۱۹۱۴ء کی جنگ کے دوران میں اعلان کیا گیا تھا کہ جنگ کے مقاصد جمہوریت کے تحفظ، خود مختاری اور چھوٹی قوموں کی آزادی ہیں، لیکن اسی حکومتوں نے جنہوں نے پارسائی کی صورت بنا کر ان مقاصد کا اعلان کیا تھا، آپس میں خفیہ معاہدے کئے ہیں جن میں عثمانی سلطنت کو تقسیم کرے کے امپیریاٹھ منصوبے مضمحل تھے۔ جس وقت رمان

سے وہ یہ کہ رہی تھیں کہ وہ شے علاقوں پر قصہ کرنا ہیں چاہتی ہیں، اسی وقت فاتح طاقتوں نے اپنی نوآباد مقبوضات میں نمایاں اضافے کئے۔ موجودہ یورپی جنگ صلح نامہ ورسائی کی ناکامی اور اسے مرتب کرے والوں کی قابل تحقیر اخلاقی شکست کی علامت ہے، اس لئے کہ ان لوگوں نے اپنے عہد کو توڑ کر اور وعدوں کو چھٹلا کر ہاری ہوئی قوموں سے بردستی ایسی صلح کی شرطیں منظور کرائیں، جس کی روح امپیریلست تھی جس اقسام اس صلح نامہ کا ایک امید افرا نتیجہ تھا، لیکن شروع ہی سے اسی ریاستوں نے جنہوں نے اسے قائم کیا تھا اس کی رباں سد کردی اور اس کا گلا گھونٹا اور بعد میں اسے جاں سے مار دیا۔ «اس کے بعد کے واقعات بے ارسربو ثابت کر دیا کہ وہ لوگ جو طاہری خلوص کے ساتھ بیک عقیدے رکھے کا دعویٰ کرتے ہیں، آگے چل کر کمیوں کی طرح ان سے منہ پھیر لیتے ہیں۔ برطانوی حکومت نے ماچوریا میں جارحانہ اقدامات سے چشم پوشی کی۔ جس میں جو کچھ ہوا، اسے انہوں نے چپ چاپ مان لیا۔ چکوسلوواکیہ اور ہسپانیہ میں جمہوریت خطرے میں تھی اور اس کے ساتھ جہاں نوحہ کر عداوت کی گئی اجتماعی تحفظ کے پورے نظام کو اسی طاقتوں نے جو پہلے اس سے گہری عقیدت رکھے کا اعلان کرتی رہتی تھیں، کمزور اور بیکار کر دیا۔

«اب پھر یہ کہا جا رہا ہے کہ جمہوریت خطرے میں ہے اور اس کی حفاظت کرنا ضروری ہے۔ کمیٹی کو اس بیان سے پورا اتفاق ہے۔ کمیٹی یہ مانتی ہے کہ مغربی قوموں کے دل پر جمہوریت

کے صبا العین کا اثر ہے، اس کی حفاظت کرنا چاہتی ہیں اور اس کے لئے قربانیاں کرے کو تیار ہیں، لیکن بار بار ایسا ہو چکا ہے کہ عوام کے اور ان لوگوں کے صبا العین اور اعلیٰ خدمات کو حد و وحد میں اپنے آپ کو قربان کرتے ہیں بطور انداز کئے گئے اور حو وعدے کئے گئے تھے، ان پر عمل نہیں ہوا۔

» اگر حگ کا مقصد یہ ہے کہ اس سے پہلے حو صورت حال تھی، اس کو اور امپیریلٹ طاقتوں کے مقصودات، نو آبادیوں، مستقل حقوق اور مراعات کو دستور قائم رکھا جائے، تو ہندوستان کو اس سے کوئی مطلب نہیں ہو سکتا، ایکس اگر حگ کا مقصد جمہوریت اور جمہوریت پر مبنی عالمی نظام ہے، تو ہندوستان کو اس سے انتہائی دلچسپی ہوگی۔ کمیٹی کو یقین ہے کہ ہندوستانی جمہوریت اور برطانوی اور عالمی جمہوریت کے مفاد میں کوئی تضاد نہیں ہے، مگر جمہوریت چاہے ہندوستان کے لئے ہو، یا کسی اور ملک کے لئے، اس کا امپیریلزم اور فاشرزم کے درمیان ایسا حلقی تضاد ہے، حو دور نہیں کیا جاسکتا۔ اگر برطانیہ عظمیٰ کا مقصد جمہوریت کے قیام اور اس کی توسیع کے لئے لڑتا ہے، تو یہ لارمی ہے کہ اپنے مقصودات میں امپیریالزم کا حاتمہ کر دے اور ہندوستان میں مکمل جمہوری نظام قائم کرے۔ ہندوستانی قوم کو خود مختاری کا حق ملنا چاہئے، اس طرح کہ وہ بغیر کسی خارجی طاقت کی دخل اندازی کے ایک دستور ساز اسمبلی کے ذریعے اپنا دستور مرتب کرے اور اپنی پالیسی کو خود طے کرے۔ آزاد اور جمہوری ہندوستان جارحانہ اقدامات کے خلاف

باہمی تحفظ اور معاشی تعاون کی غرض سے دوسری آزاد قوموں کے ساتھ حوشی سے شریک ہوگا اور وہ ایک ایسے عالمی نظام کے لئے حد و حد کرے گا جو نظام کے اعتبار سے حقیقی ہو، آزادی اور جمہوریت پر مبنی ہو اور دنیا کے علم اور وسائل کو نوع انسانی کی ترقی اور بہبودی کے لئے کام میں لائے۔

» اس وقت جس مصائب سے یورپ کو آگھیرا ہے، ان کا اثر یورپ تک محدود نہ رہے گا، ساری نوع انسانی ان کی لپیٹ میں آجائے گی۔ پہلے اس طرح کی جو صورتیں پیدا ہوتی تھیں اور جو جنگیں ہوتی تھیں، ان کے باوجود دنیا کے نظام کا ڈھانچا سلامت رہا تھا، اس مرتبہ ایسا نہ ہوگا، بلکہ سیاسی، سماجی اور معاشی اعتبار سے دنیا کی وضع اور ترتیب بدل جائے گی احاطہ جاہے اچھا ہو یا نہ ہو، اس وقت کی نازک صورت حال ایک لارمی نتیجہ ہے، اُس سماجی اور سیاسی تحالف اور تضاد کا جو پچھلی جنگ عظیم کے بعد سے پریشاں کن طریقے سے بڑھتا رہا ہے اور یہ صورت قائم رہے گی، جب تک اس تحالف اور تضاد کو دور کر کے ایک یا تواریں نہ پیدا کیا جائے۔ اس تواریں کو پیدا کر کے یہی تدبیر ہو سکتی ہے کہ ایک ملک کا دوسرے پر حکومت کرنا اور اس کے وسائل کو اپنے صرف میں لانا سد کر دیا جائے اور سب کے معاد کو یکساں طور پر نظر میں رکھ کر معاشی تعلقات کی ایک نئی تنظیم کی جائے، جو انصاف کے بہتر تصور پر مبنی ہو۔ اس نئی تنظیم کا مرکزی مسئلہ ہندوستان ہے۔ اس لئے کہ دور جدید کی امپیریلزم کی سب سے نمایاں مثال یہی



ہے اور دیا کے نظام کی کوئی ترکیب و ترتیب کامیاب نہیں ہو سکتی، جس میں اس سیادی مسئلہ کو نظر انداز کیا جائے۔ ہندوستان کے وسائل اتنے زیادہ ہیں کہ دیا کی حو بھی نئی تنظیم کی جائے گی، اس میں اس کی بڑی اہمیت ہوگی۔ لیکن وہ اپنا حق صرف ایک آزاد قوم کی حیثیت سے حاصل کر کے ادا کر سکے گا، جس کی تمام قوتیں دیا کی نئی تنظیم کے عظیم الشان مقصد کے لئے وقف کر دی گئی ہوں۔ اب آزادی قابل تقسیم نہیں مانی جاسکتی، اور دیا کے کسی حصے میں امپیریاٹ تسلط کو باقی رکھنے کی حو بھی کوشش کی جائے گی، اس کا احاطہ تاہی اور برہادی کی کوئی نئی شکل ہوگی۔

» ورکنگ کمیٹی کے علم میں یہ بات آئی ہے کہ کئی دیسی ریاستوں کے حکمرانوں نے اپنی خدمات اور اپنے وسائل کو پیش کیا ہے اور یورپ میں جمہوریت کی حمایت کرنے کی خواہش ظاہر کی ہے۔ اگر یہ ضروری تھا کہ وہ ہندوستان کے باہر جمہوریت سے عقیدت رکھنے کا دعویٰ کریں، تو کمیٹی ان سے یہ کہا چاہے گی کہ انہیں پہلے اس کی فکر ہونی چاہئے تھی کہ اپنی ریاستوں میں۔ جہاں اس وقت حاکم شخصی حکومت کا دور دورہ ہے، جمہوری طریقے جاری کریں۔ ہندوستان کی برطانوی حکومت خود ان حکمرانوں سے بھی زیادہ اس استعداد کی ذمہ دار ہے، جیسا کہ پچھلے سال کے دوران میں تکلیف دہ صورت میں ظاہر ہو گیا ہے۔ (برطانوی حکومت کی) یہ پالیسی جمہوریت کی قطعی تردید ہے اور اُس نے عالمی نظام کی، جس کی خاطر

لڑے کا دعویٰ برطانیہ عظمیٰ یورپ میں کر رہا ہے۔  
 «ورکنگ کمیٹی حب یورپ، افریقہ اور ایشیا کے گزشتہ واقعات پر، اور خاص طور سے ہندوستان میں جو کچھ ماضی اور حال میں پیش آیا ہے، اس پر نظر ڈالتی ہے، تو اسے یہ تو جمہوریت اور خود مختاری کو فروغ دینے کی کسی کوشش کے آثار دکھائی دیتے ہیں اور یہ اس کا کوئی ثبوت ملتا ہے کہ برطانوی حکومت بے حسگ سے متعلق جو اعلانات کئے ہیں ان پر عمل ہو رہا ہے یا آئندہ ہوگا۔ جمہوریت کے ترقی پائے کی اصل پہچان یہ ہے کہ یکساں طور پر امپیریلزم اور فاشرزم اور ان جارحانہ اقدامات کا حاتمہ کیا جائے، جو پچھلے زمانے میں اور اس وقت بھی ان کے قدم نہ قدم چلتے رہے ہیں یا عالمی نظام اسی سیاد پر قائم کیا جاسکا ہے کمیٹی اس کی متمی اور خواہش مدد ہے کہ اس نئے نظام کو قائم کرے کی حد و حد میں ہر طرح سے مدد کرے، لیکن کمیٹی ایسی حسگ سے نہ تو اپنا کوئی تعلق ظاہر کر سکتی ہے، نہ اسے جاری رکھے میں کسی صورت سے مدد کر سکتی ہے، جو امپیریلزم طریقے پر لڑی جارہی ہو اور جس کا مقصد ہندوستان اور دوسرے ملکوں پر امپیریلزم تسلط کو مستحکم کرنا ہو۔  
 » پھر بھی یہ دیکھتے ہوئے کہ موقعہ کس قدر اہم ہے اور واقعات کی رفتار پچھلے چند دنوں میں اکثر اتنی تیز رہی ہے کہ اسان کا دہن ان پر قابو نہیں پاسکتا، کمیٹی اس منزل پر کوئی قطعی فیصلہ کرنا نہیں چاہتی، تاکہ اس کی گنجائش رہے کہ جو معرض خطر میں ہے، حسگ دراصل جس مقاصد کے لئے لڑی جارہی ہے اور

حال اور مستقل ہیں ہندوستان کی جو حیثیت ہوگی، وہ پورے طور پر واضح ہو جائے۔ لیکن فیصلے کو بہت دنوں تک ملتوی نہیں رکھا جاسکتا، اس لئے کہ ہندوستان رور رور ایک اسی پالیسی کا زبرد کا جا رہا ہے، جس کے طے کرے میں وہ سریک نہیں ہے اور جسے وہ ناپسند کرتا ہے

» اس لئے درک گ کمیٹی برطانوی حکومت کو دعوت دیتی ہے کہ وہ ایسے الفاظ میں، جو ابہام سے پاک ہوں، بیان کر دے کہ اس جنگ میں جمہوریت اور امپیرلزم اور اس نئے عالمی نظام کے بارے میں، جو اس وقت دیں میں ہے، اس کے مقاصد کیا ہیں اور خاص طور پر یہ واضح کرے کہ ان مقاصد کا ہندوستان میں یہ د کس شکل میں ہوگا اور کس طرح ان پر فورا عمل کیا جائے گا کیا ان مقاصد میں یہ شامل ہے کہ امپیرلزم کا سانسہ کر دیا جائیگا اور ہندوستان کو ایک آزاد ملک سمجھا جائے گا، جس کی پالیسی اس کی شہریوں کی مرضی کے مطابق طے ہوتی ہے؟ دنیا کے سام ملکوں کے لوگ مستقل کے بارے میں ایسے واضح اعلان کا حق مقدم کریں گے، جس میں حکومت اس کا عہد کرے کہ وہ امپیرلزم اور وائشرم کا خاتمہ کر دے گی، لیکن اس سے کہیں زیادہ اہم یہ ہے کہ حیا زیادہ سے زیادہ ممکن ہو، اس کے مطابق فوراً عمل کیا جائے، کیونکہ اسی سے لوگوں کو یقین ہوگا کہ عہد کی پاسدی کرے کا ارادہ کیا گیا ہے کسی بھی اعلان یا اقرار کی صداقت کا معیار یہ ہے کہ اس کا زمانہ حال میں بعد کیا جائے، اس لئے کہ آج جو عمل ہوگا، وہ اس وقت کے حالات

کے مطابق ہوگا اور اسی عمل سے مستقل کی شکل سے گی۔  
 » یورپ میں جنگ شروع ہوگئی ہے اور یہ سوچ کر دل دہل جاتا ہے کہ اب کیا کیا ہونے والا ہے۔ لیکن حبش، ہسپانیہ اور چین میں پچھلے برسوں میں جنگ اسابی جانوں کا بھاری خراج وصول کرتی رہی ہے۔ بے شمار معصوم مرد، عورتیں اور بچے، غیر مسلح شہروں پر بمباری کرکے ہلاک کردئے گئے ہیں۔ ان وحشت ناک دیوں میں بیدردانہ قتل عام، جسمانی اذیت اور انتہائی تدلیل ایک سلسلے سے یکے بعد دیگرے ظہور میں آتے رہے ہیں۔ یہ وحشت بڑھتی جا رہی ہے۔ دیا پر تشدد اور تشدد کا خوف چھاتا جا رہا ہے اور اگر اس کو روکا اور ختم نہ کیا گیا تو انسانیت کو پچھلی تہذیبوں سے جو قیمتی ورثہ ملا ہے، وہ برباد ہو جائے گا۔ اُس وقت کو روکا تو ہے یورپ اور چین میں، لیکن یہ ختم نہ ہوگی اب تک کہ فاشزم اور امپیریلزم جو اس کی جڑیں ہیں، اکھاڑ کر پھینک دے جائیں اس مقصد کو حاصل کرے میں ورکنگ کمیٹی پوری طرح سے مدد کرے کو تیار ہے لیکن یہ بے حد افسوس اور مایوسی کی بات ہوگی، اگر یہ ہیئت ناک جنگ بھی امپیریلزم کے حوصلے دل میں رکھ کر لڑی گئی اور اس کا مقصد یہ ہوا کہ موحودہ نظام، جو خود جنگ اور اسان کی ذلت کا سب سے، قائم رکھا جائے۔«

—

## میں کانگریس کا صدر بنایا گیا

یورپ میں جنگ ۳ ستمبر ۱۹۳۹ء کو شروع ہوئی مہینہ  
ختم ہوئے سے پہلے ہی پولینڈ حرم ہتھیاروں کے بیچے  
ہے سکت پڑا ہوا تھا پولستانیوں کی مصیبت میں ایک اضافہ یہ  
ہوا کہ سوویت یونین نے ملک کے نصف مشرقی حصہ پر قبضہ  
کرایا پولینڈ کی مدافعت طاقت ختم ہو جانے کے بعد ایک واقعہ  
ہوا جس میں یورپ پر بے چینی کی کیفیت طاری رہی فرانس اور  
حرم اپنی مسلح سرحد پر آئے سامنے تھے ، لیکن بڑے پیمانے  
پر فوجی کارروائیاں نہ تھیں معلوم ہوتا تھا کہ ہر شخص اس  
انتظار میں ہے کہ دیکھئے کیا ہوتا ہے ، مگر خوف اور اندیشوں  
بے ابھی کوئی شکل نہیں پائی تھی بلکہ مبہم اور غیر متعین تھے ۔  
ہندوستان میں انتظار اور خوف کی ایک ملی حلی کیفیت محسوس  
ہورہی تھی اس حالت میں ، حب یقین کے ساتھ نہیں کہا جاسکتا  
تھا کہ کیا ہوئے والا ہے اور نامعلوم خطرے گھرے ہوئے تھے ،  
کانگریس کی صدارت کے مسئلے کو ایک نئی اہمیت حاصل ہو گئی  
اس سے ایک سال پہلے میرے اوپر رور ڈالا گیا تھا کہ اس  
عہدہ کو قبول کرلوں ، مگر بعض اسباب کی بنا پر میں نے معذرت  
کردی اس مرتبہ صورت کچھ اور تھی ۔ میں نے محسوس کیا کہ  
ایسے موقع پر انکار کرنا ورص کی انجام دہی سے گریز کرنا

ہوگا۔ میں اس طرف اشارہ کرچکا ہوں کہ حگ میں ہندوستان کی شرکت کے معاملے میں گاندھی جی اور میرے درمیان اختلاف رائے تھا۔ اب جو لڑائی شروع ہوگئی تھی تو میرے نزدیک ہندوستان کو بغیر تعلق اور تساہل کے جمہوری طاقتوں کی گروہ بندی میں شامل ہونا چاہئے تھا مگر سرال یہ تھا کہ خود غلام ہوتے ہوئے ہندوستان دوسروں کی آرا دی کے لئے کیسے لڑ سکتا تھا۔ اگر برطانوی حکومت فوراً ہندوستان کی آرا دی کا اعلان کردیتی تو تمام ہندوستانیوں کا فرض ہوجاتا کہ اس آرا دی کے بدلے سب کچھ قربان کر دیں۔ اس لئے میں سمجھتا تھا کہ حگ بے حو نازک حالات پیدا کردئے ہیں ان میں مجھے جس حیثیت سے بھی کہا جائے خدمت کرے کو یار ہونا چاہئے۔ جب گاندھی جی بے یور مجھ سے صدر س حابے کو کہا تو میں حوشی سے راضی ہوگیا دراصل صدر کے انتخاب میں کوئی مقالہ نہیں ہوا مسٹر ام۔ اِن۔ رائے، حو میرے خلاف کھڑے ہوئے تھے، بہت سے ووٹوں سے ہار گئے۔ (کانگریس کا) احساس زام گڑھ میں ہوا اور اس میں حو ریرولوش منظور ہوا اس میں بڑی حد تک ان خیالات کا عکس تھا جو میں بے اپنے خطہ صدارت میں پیش کئے تھے ریرولوش حسب ذیل تھا۔

» اس پرحظر اور نازک صورت حال کو دیکھتے ہوئے، حو یورپی حگ اور اُس کے متعلق برطانیہ کی پالیسی کا نتیجہ ہے، کانگریس کا یہ حاسہ آل انڈیا کانگریس کمیٹی اور ورکگ کمیٹی کی اُن تحویروں کو منظور اور اُن کارروائیوں کی تصدیق کرتا ہے



۶۹ میں کانگریس کا صدر بنایا گیا

حوالہ ہوں ہے جنگ کی پیدا کی ہوئی حالت کے سلسلے میں کی ہیں۔ کانگریس کے خیال میں یہ ہندوستانی قوم کی کھلی ہوئی توہین ہے کہ اس کا مشاء معلوم کئے بغیر برطانوی حکومت نے اسے شریک جنگ قرار دیا اور اس کے وسائل کو جنگ کے لئے استعمال کیا کوئی حرد دار اور آزادی پسند قوم ایسے برتاؤ کو گزارا یا برداشت نہیں کر سکتی برطانوی حکومت کی طرف سے حل میں ہندوستان کے بارے حوالہ اعلانات کئے گئے ہیں وہ ثابت کرتے ہیں کہ برطانیہ عظمیٰ 'بیادی طور پر ایمپریلسٹ مقاصد کی خاطر ارباب سلطنت کو، حوالہ ہندوستان اور دوسرے ایشیائی اور عربی ملکوں کے وسائل اور آبادی کی محنت سے ماحاضر فائدہ اٹھانے کے طریقوں پر تعمیر کی گئی ہے، محفوظ رکھے اور مستحکم کرنے کے لئے یہ ازائی اڑ رہا ہے۔ ان حالات میں یہ صاف ظاہر ہے کہ کانگریس براہ راست یا بالواسطہ (برطانیہ کی طرف سے) جنگ میں شریک نہیں ہو سکتی، کیونکہ ایسی شرکت کا مطلب یہ ہوگا کہ برطانوی سلطنت کے موجودہ طریقوں کو جاری رکھا جائے اور ان میں استقلال پیدا کیا جائے اسی وجہ سے کانگریس اس کے سخت خلاف ہے کہ ہندوستانی سپاہیوں کو برطانیہ عظمیٰ کی طرف سے لڑایا جائے اور جنگ کے مصروف کے لئے ہندوستان کو آدمیوں اور سامان سے خالی کیا جائے۔ وہ یہ نہیں مان سکتی کہ ہندوستان میں آدمیوں بھری کی گئی ہے اور حوالہ روپیہ جمع کیا گیا ہے وہ ہندوستان کا رصا کارانہ عطیہ ہے۔ کانگریس کے لئے اور وہ لوگ حوالہ کانگریس کے اثر میں ہیں آدمیوں،

روپیہ اور سامان سے جگ کو جاری رکھے میں مدد نہیں کر سکتے۔  
» کانگریس اس ریرولوش کے دریے اعلان کرنا چاہتی ہے  
کہ کامل آرا دی سے کوئی کم حیثیت ہندوستانیوں کے لئے قابل قبول  
نہ ہوگی۔ ایمپیرلرم کے حلقے کے اندر ہندوستان کی آرا دی کا  
وجود ناممکن ہے، اور ڈومین کی یا برطانوی سلطنت کے اندر  
کوئی اور حیثیت، ہندوستان کے لئے قطعی نامناسب ہوگی، کیونکہ ایسی  
حیثیت ایک بڑی قوم کے شایاں شاں ہیں ہے، اور اس طرح  
ہندوستان کئی طریقوں سے برطانیہ کی سیاست اور معاشی نظام  
سے وابستہ ہو جائے گا دراصل ہندوستانی قوم ایک دستور ساز  
اسمبلی کے دریے، جس کا انتخاب بالعموم کے عام حق رائے دہندگی  
کی بنا پر کیا گیا ہو، اپنا دستور صحیح طور سے وضع کر سکتی  
ہے اور دیا کی دوسری قوموں کے ساتھ تعلقات قائم کر سکتی ہے  
» کانگریس جس طرح پہلے تیار تھی، ہمیشہ اس کے لئے تیار  
رہے گی کہ ہندوستان کی مختلف قسم کی مذہبی اور تہذیبی جماعتوں  
کے درمیان ہم آہنگی پیدا کرے اور قائم رکھے کی ہر ممکن  
کوشش کرے، لیکن اس کی رائے ہے کہ اس مسئلے کا مستقل  
فیصلہ صرف ایسی دستور ساز اسمبلی کر سکتی ہے جو تمام مسائل  
اقلیتوں کے حقوق کو پورے طور سے محفوظ کر دے۔ یہ تحفظ  
جہاں تک ممکن ہوگا مختلف اکثریتوں اور اقلیتوں کے متعجب شدہ  
نمائندوں کے اتفاق رائے سے ہوگا اور جس معاملوں میں اتفاق  
رائے نہ ہو سکا وہ ثالثوں کے فیصلے کے مطابق طے ہوگا۔ کوئی  
دوسرا طریقہ اختیار کرے سے معاملات قطعی طور پر طے نہ

ہوسکیں گے۔ ہندوستان کے دستور کی بنیاد خود مختاری، جمہوریت اور قومی اتحاد پر ہونا چاہئے، اور کانگریس ہندوستان اور ہندوستانیوں کو تقسیم کرے کی کوششوں کی تردید کرتی ہے۔ کانگریس کا ہمیشہ یہ مقصد رہا ہے کہ ایسا دستور وضع کیا جائے جس کی بدولت ہر گروپ اور ہر شخص سمجھے کہ اسے پوری آزادی اور ترقی کے موقعے دیے کی ضمانت کی گئی ہے۔ (موجودہ) سماجی بے انصافیوں کی جگہ ایسا سماجی نظام قائم کیا جائے جو عدل و انصاف کا بہتر نمونہ ہو۔

ڈاکٹر راحدر پرشاد سے صدارت کا چارج لینے کے بعد میرے پہلے کاموں میں سے ایک یہ تھا کہ ورکنگ کمیٹی کو ارسرو مرتب کروں۔ پرانی اور نئی کمیٹی میں دس ممبر مشترک تھے، یعنی شریمنتی سرووہی، ہائڈو، سردار ولہہ، بھائی پٹیل، سیٹھ جمال لال، احاح (حارن)، شری حے بی کرپلائی (جبرل سکرپٹری)، حان عبدالعبار حان، شری بھولا بھائی دیسائی، شری شکر راؤ دیو، ڈاکٹر پروفا چدر گھوش، ڈاکٹر راحدر پرشاد اور میں خود۔

ایک نمایاں شخص جنہیں ڈاکٹر راحدر پرشاد کی کمیٹی میں شامل نہیں کیا گیا تھا خواہر لال بہرو تھے۔ وہ اس وقت سے الگ الگ رہے تھے جب کہ سہاش بوس نے گاندھی جی سے اختلاف ہوئے کی بنا پر کانگریس کی صدارت سے استعفا دیدیا تھا۔ میں خواہر لال کو کمیٹی میں واپس بلا لایا، اور اس کے علاوہ شری سی۔ راج گوبال آپجاری، ڈاکٹر سید محمود اور مسٹر آصف علی کو بھی شامل کیا۔ پندرہویں عمر کے بارے میں بعد کو اعلان کیا جانے

والا تھا، ایک اجلاس کے بہ حاد بعد ہم گرفتار کر لئے گئے اور یہ جگہ حالی رہی کانگریس کی زندگی میں یہ بہ مارک وفت تھا دیا کو مترارل کرے والے واقعات جو ملک کے باہر ہو رہے تھے، ان کا ہمارے اوپر اثر پڑ رہا تھا۔ اس سے زیادہ پریشان کن ہمارے اندرونی احکافات تھے میں کانگریس کا صدر تھا، اور میری کوشش تھی کہ ہندوستان جمہوری ریاستوں کے گروہ میں شامل ہو جائے، اگر کس طرح سے وہ آزاد ہو سکے جمہوریت کو فروغ دینا ایسا مقصد تھا جس سے ہندوستانی شدید ہمدردی رکھتے تھے ہندوستان کی علامی ہی ہمارے راستے میں ایک رکاوٹ تھی مگر گاندھی جی اس خیال کے ہیں تھے ان کے لئے اصل معاملہ ہندوستان کی ارادی نہیں بلکہ یس فرم یعنی عدم شدد پر مبنی اس عالم تھا میں کھلم کھلا کہتا تھا کہ کانگریس پسی فسٹ ادارہ ہیں ہے لکہ اس کا مقصد ہندوستان کو آزاد کرنا ہے اس لئے میرے نزدیک وہ سوال جو گاندھی جی سے بحث میں اٹھایا تھا آنا ہی نہیں چاہئے تھا

مگر گاندھی جی اپنی رائے بدلے پر آمادہ نہیں ہوتے تھے انہیں یعنی تھا کہ ہندوستان کو ہر حالت میں جگ سے الگ رہنا چاہئے، انہوں نے وائسرائے سے ملاقات کر کے اپنے خیالات بیان کئے انہوں نے برطانوی قوم کے نام ایک کھلا خط لکھ کر اس سے اتفاق کی کہ ہمارے لئے کے لئے وہ اس کا روحانی طاقت سے متاثر کرے یہ کوئی بحث کی بات نہیں ہے کہ انگریزوں کے داؤں پر گاندھی جی کی ایجا کا کوئی اثر نہیں ہوا، اس لئے

کہ اس وقت اس شکست کھا چکا تھا اور حرمی کی طاقت اتہائی عروج پر تھی۔

گاندھی جی کے لئے یہ برا مشکل وقت تھا وہ دیکھ رہے تھے کہ جنگ دنیا کو ربا د کر رہی ہے اور وہ اس برادری کو روکے کے لئے کچھ بھی کر سکتے تھے ایکس ان کی اندرونی کسمکس کی یہ کیفیت تھی کہ انہوں نے بعض مرقعوں پر خودکشی کا ذکر کیا اور ان سے مجھ سے کہا کہ اگر مجھ میں اتنی طاقت ہیں ہے کہ ان ممیستوں اور تکلیفوں کا تدارک کروں جو جنگ کی بدولت لوگوں کو داس کر رہی تڑ رہی ہیں تو کم از کم اسی زندگی کا حاتمہ کر کے یہ سب کچھ دیکھنے سے تو انکار کر سکتا ہوں انہوں نے بار بار اس مسئلے پر دالا کہ ان کے خیالات کی تائید کروں۔ میں نے اس مسئلے پر بہت غور کیا، مگر اپنے آپ کو ان سے اتفاق کرنے پر آمادہ نہ کر سکا۔ میرے لئے عدم تسدد و صاحت کی بات تھی، عقیدے کی یہ بھی میری رائے تھی کہ اگر کوئی جارہ نہ ہوتا تو ہندوستانوں کو اس کا حق تھا کہ بلوار سے کام لیں ایکس پر اس طریقوں سے آزادی حاصل کرے میں عظمت اور شرافت ربا دہ تھی، اور بہر حال ملک کی جو حالت تھی اسے دیکھتے ہوئے گاندھی جی کا مسلک صحیح تھا۔ کانگریس ورکنگ کمیٹی کے اندر اس بنیادی مسئلے پر اختلاف تھا صحت کی ابتدائی منزلوں میں حزابر لال بہرو، سرار پنیل، سری راج گرو، آچاری اور حان عبدالعبار حان میرا ساتھ دیتے تھے۔ مگر ڈاکٹر راحدر پرشاد، آچاریہ کرپلائی اور شری شکر راؤ دیو، نتیاً گاندھی جی کے ساتھ تھے۔ انہیں اس سے اتفاق تھا کہ اگر

یہ ایک مرتبہ ماں لیا گیا کہ آزاد ہندوستان جنگ میں شریک ہو سکتا ہے تو ہندوستان کی جنگ آزادی میں عدم تشدد کا دعویٰ ہے زیاد ہو جائیگا۔ اس کے برخلاف میں یہ محسوس کرتا تھا کہ آزادی کے لئے ملک کے اندر جدوجہد کرنا اور ملک کے باہر خارجہ اقدامات کا مترابہ کرنا ایسی صورتیں ہیں جس کے درمیان فرق کرنا چاہئے۔ ملک کی آزادی کے لئے لڑنا ایک بات تھی، ملک کے آزاد ہونے کے بعد لڑنا دوسری بات اور میرا خیال تھا کہ ان دونوں مسئلوں کو ایک دوسرے سے الگ رکھا چاہئے۔

حولائی ۱۹۴۰ء میں ورکنگ کمیٹی اور آل انڈیا کانگریس کمیٹی کے جو جلسے پونا میں ہوئے ان میں اس مسئلے کے بارے میں واضح فیصلہ کر کے ضرورت پیش آگئی کانگریس کے رام گڑھ کے اجلاس کے بعد آل انڈیا کانگریس کمیٹی کا یہ پہلا جلسہ تھا صدر کی حیثیت سے میں نے اپنے خیال کے مطابق جو حقیقی صورت حال تھی اُسے بیان کی۔ کمیٹی نے میرے خیالات کی تصدیق کی۔ اس بنا پر رپورلیوشن منظور کئے گئے۔ ایک میں کانگریس کا یہ عقیدہ اس سرور بیان کیا گیا کہ عدم تشدد ہندوستان کو آزاد کراے کا صحیح طریقہ ہے اور اُسے قائم رکھا لارمی ہے۔ دوسرے رپورلیوشن میں بیان کیا کہ ناتسرم اور جمہوریت کے درمیان جنگ ہو تو انصاف کی بات یہ ہے کہ ہندوستان جمہوری طاقتوں کا ساتھ دے لیکن خود آزاد ہو جانے سے پہلے وہ جمہوری طاقتوں کی جنگ سے متعلق سرگرمیوں میں شریک نہیں ہو سکتا۔ یہ رپورلیوشن جس شکل



میں بالآخر منظور ہوئے وہ میرے مسودے کے مطابق تھے۔  
جب وہ رپورلیوشن منظور ہوا، جس میں یہ بات دہرائی گئی  
تھی کہ ہندوستان کی جنگ آزادی کی سیاد عدم تشدد پر ہے، تو  
گاندھی جی بہت حوش ہوئے۔ انہوں نے مارکند کا مجھے ایک تار  
بھیجا جس میں انہوں نے لکھا کہ انہیں اس سے بہت مسرت اور  
نسلی ہوئی کہ میں نے ملک کی اندرونی حدود و حدود میں عدم تشدد  
پر قائم رہنے کی استدعا کی تھی وہ سمجھتے تھے کہ ملک کی  
مراحمی کیفیت کو دیکھتے ہوئے آل انڈیا کانگریس کمیٹی میری  
تحویر کو کہ، اگر ہندوستان کی آزادی کو تسلیم کر لیا جائے  
تو اسے جنگ میں شرکت کرنا چاہیے، حوشی سے منظور کر لے گی  
اس بنا پر انہیں شہ تھا کہ میں آل انڈیا کانگریس کمیٹی کو اندرونی  
حد و حدود میں عدم تشدد پر قائم رہنے کے متعلق رپورلیوشن  
منظور کرے پر آمادہ نہ کر سکوگا۔

لیکن جنگ کے معاملے میں ورکنگ کمیٹی کے ممبر پس و پیش  
کرے لگے ان میں سے کوئی اس بات کو دل سے نہیں نکال سکتا تھا  
کہ گاندھی جی اصولاً جنگ میں ہر اعتبار سے شرکت کرے کے  
خلاف تھے۔ وہ اس حیثیت کو بھی نظر انداز نہیں کر سکتے تھے  
کہ ہندوستان کی جنگ آزادی بے اپنی موجودہ ہمایاں حیثیت ان  
کی رہنمائی میں حاصل کیا تھا۔ اب وہ پہلی بار ان سے ایک  
سیادی مسئلے میں اختلاف کر رہے تھے اور انہیں اکیلا چھوڑ  
رہے تھے۔ گاندھی جی کو جو ایسا سے پختہ عقیدہ تھی وہ ان کی  
رائے پر اثر انداز ہوئے لگی۔ سردار پٹیل نے پونا کے جلسے

کے ایک مہیے کے اندر اپنی رائے بدل دی اور گاندھی جی کے رویہ کو صحیح تسلیم کر لیا۔ جولائی ۱۹۴۰ء میں ڈاکٹر راجندر پرشاد اور کانگریس کمیٹی کے کئی اور ممبروں نے مجھے خط لکھا کہ جنگ کے ارے میں گاندھی جی کے حواریاں ہیں ان سے ہمیں دلی اتفاق اور عقیدت ہے، اور وہ چاہتے ہیں کہ کانگریس ان کی پیروی کرتی رہے۔ اس کے بعد انہوں نے لکھا کہ چونکہ میری رائے اس کے خلاف تھی، اور آل انڈیا کانگریس کمیٹی نے میری تائید کی تھی، اس لئے ہمیں یہی مناسب معامہ ہوتا تھا کہ وہ ورکنگ کمیٹی کے ممبر نہ رہیں وہ ورکنگ کمیٹی کے ممبر اس لئے بائے گئے تھے کہ صدر کی امداد کریں ایکس چونکہ ان کے اور صدر کے درمیان ایک بنیادی مسئلے میں اختلاف تھا، اس لئے وہ سمجھتے تھے کہ ہمیں استعفا دینے کے سوا کوئی چارہ نہیں ہے۔ وہ اس معاملے میں ٹھنڈے دل سے غور کر چکے تھے مگر اس خیال سے کہ مجھے پریشانی نہ ہو وہ اس بات پر تیار ہوئے کہ ورکنگ کمیٹی کے ممبر رہیں جب تک کہ اختلافات کے کسی عملی شکل میں ظاہر ہوئے گا سوال یہ ہو، لیکن اگر برطانوی حکومت نے میری شرطوں کو منظور کر لیا اور جنگ میں شرکت کا وادہ سوال پیدا ہوا تو وہ استعفا دینے پر مجبور ہوں گے۔ آخر میں انہوں نے لکھا کہ اگر مجھے یہ منظور ہو تو وہ ورکنگ کمیٹی کے ممبر رہیں گے ورنہ ان کے اسی خط کو ان کا استعفا سمجھا جائے۔

اس خط سے، جس پر خواہر لال، راج گوپال آچاری،

۷۷ میں کانگریس کا صدر بنایا گیا

آصف علی اور سید محمود کے سوا رکنیت کمیٹی کے تمام ممبروں نے دستخط کیے تھے مجھے سجت بکلیف پہنئی عبد العار حان اب تک میرے سب سے محاصر اور قابل اعتبار حامیوں میں سے تھے۔ اب اب انہوں نے بھی رائے بدل دی تھی مجھے بالکل دفع میں تھی کہ میرے سامنے مجھے اس طرح کا خط لکھیں گے میں نے فوراً جواب دیا کہ میں ان کے نقطہ نظر کو پوری طرح سمجھ گیا ہوں اور ان کی شرطیں مجھے منظور ہیں برطانوی حکومت نے جو روئے اُس وقت اختیار کیا تھا اسے دیکھتے ہوئے اس کی امید ہیں کی جاسکتی تھی کہ وہ ہندوستان کی آزادی کو تسلیم کرے گی۔ اب تک کہ انگریزوں کا رویہ یہ تھا کہ ، جنگ میں شریک محض ایک عالمی مسئلہ رہے گی۔ اس لئے ان سے درخواست کروں گا کہ وہ رکنیت کمیٹی کی درخواست کو برقرار رکھیں۔

اگست ۱۹۴۰ء میں وائسرائے نے مجھے اس تجویز پر گفتگو کرنے کی دعوت دی کہ انگریزوں کو سب کے سب اور ان کے اختیارات بڑھا دیئے جائیں اور اس طرح کانگریس کو حکومت میں شریک کیا جائے میں نے اپنے ساتھیوں سے مشورہ کیے بغیر ہی اس پیشکش کو نامعلوم کر دیا مجھے کانگریس کے آزادی کے مطالبے ، اور وائسرائے کی تجویز کے درمیان ، کہ انگریزوں کو سب کے ارکان کی تعداد بڑھا دی جائے ، کوئی تعلق نظر نہیں آیا۔ اس صورت میں وائسرائے سے ملاقات کرنا بے معنی تھا۔ مجھے معلوم ہوا کہ بہت سے کانگریسی میرے فیصلے سے متفق

ہیں تھے۔ ان کا کہا یہ تھا کہ مجھے سہرحال دعوت کو قبول کرنا اور وائسرائے سے ملاقات کرنا چاہئے تھا لیکن مجھے اس وقت یقین تھا اور اب بھی ہے کہ میرا فیصلہ صحیح تھا۔

گاندھی جی پر اس واقعے کا جو اثر ہوا وہ بیشتر کانگریسیوں کے تاثرات سے بالکل محتلف تھا انہوں نے مجھے ایک خط لکھا جس میں انہوں نے میرے فیصلے کی پوری طرح تائید کی تھی۔ ان کے خیال میں میرا وائسرائے سے ملاقات کرے سے انکار خدا کی رحمت کی علامت تھی۔ خدا کی یہ مرضی نہیں تھی کہ ہندوستان اس جگہ میں شریک ہو۔ اور وہ سمجھتے تھے کہ میں نے اسی وجہ سے وائسرائے سے ملنے سے انکار کیا ہے۔ اس طرح معاملہ یہیں پر ختم ہو گیا۔ گاندھی جی کو اسدیشہ تھا کہ اگر میں وائسرائے سے ملتا تو کانگریس اور حکومت کے درمیان سمجھوتا ہو سکتا تھا اور اس طرح ہندوستان جگہ میں اُلٹھا دیا جاتا۔

اس کے بعد گاندھی جی نے انگریزوں کے نام ایک اور اپیل شائع کی جس میں انہوں نے پھر درخواست کی کہ ہتھیاروں کو الگ رکھ کر ہٹلر کا روحانی طاقت سے مقابلہ کریں۔ انہوں نے اسی پر اکتفا نہیں کیا بلکہ لارڈ لٹہگو سے ملاقات کی اور ان پر زور ڈالا کہ ان کے نقطہ نظر کو صحیح مان لیں اور برطانوی حکومت کو اس سے مطلع کریں۔

گاندھی جی نے لارڈ لٹہگو سے کہا کہ برطانوی قوم کو ہتھیار الگ رکھ کر ہٹلر کا روحانی طاقت سے مقابلہ کرنا چاہئے۔ یہ ایک ایسی عجیب غریب بات تھی کہ وہ بالکل بھوچکا رہ گئے۔

ان کا معمول یہ تھا کہ وہ گھنٹی بجا کر اپنے اے۔ ڈی۔ سی کو بلاتے اور وہ گاندھی جی کو کار تک پہنچا جاتا۔ اس مرتبہ وہ انہوں سے گھنٹی بجائی اور وہ اے۔ ڈی۔ سی کو بلایا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ گاندھی جی وائسرائے کو کمرے میں خاموش اور نوکھلایا ہوا چھوڑ کر نکلے اور راستہ تلاش کرتے ہوئے کار تک پہنچے۔ پھر سے ملاقات ہوئی تو گاندھی جی نے واقعہ بیان کیا اور اس پر تعجب ظاہر کیا کہ وائسرائے معمولی آداب برتنا بھی بھول گیا۔ میں نے جواب دیا کہ وائسرائے آپ کی تحویر سن کر ایسا حیران ہوا ہوگا کہ اسے اپنا معمول بھی یاد نہ رہا۔ گاندھی جی اس تشریح کو س کر حوٹ ہنسے۔

کانگریس کے اندر رخت جاری رہی۔ جہاں تک گاندھی جی کا تعلق تھا، وہ تو سمجھتے تھے کہ کانگریس کو کسی بھی حال میں جگ میں شریک نہ ہونا چاہئے ہمارے نقطہ نظر میں بنیادی اختلاف ضرور تھا، مگر اس پر ہم متفق تھے کہ موجودہ صورت حال میں ہم کو کسی طرح سے بھی انگریزوں کی حمایت نہ کرنا چاہئے۔ اس طرح میری پالیسی اور گاندھی جی کے عقیدے میں جو اختلاف تھا وہ فرضی رہا۔ انگریزوں کے رویے سے ہمیں متحد رکھا اگرچہ ہمارے بنیادی نقطہ نظر میں اختلاف تھا۔ اب یہ سوال پیدا ہوا کہ اس صورت حال میں کانگریس کو کیا کرنا چاہئے؟ ایک سیاسی جماعت ہوتے ہوئے وہ کیسے ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھ رہ سکتی تھی، جب ساری دنیا میں ہیتساک واقعات پیش آ رہے تھے؟ گاندھی جی شروع میں کسی قسم کی بھی تحریک

ہیں چاہتے تھے اس لئے کہ تحریک صرف ہندوستان کی آزادی کے لئے ہو سکتی تھی اور اس میں یہ بات محسوس ہوتی کہ حب آزادی مل جائے گی تو ہندوستان جنگ میں شریک ہو جائے گا دہلی اور یوہا کے حاسروں کے بعد حب برطانوی حکومت بے کانگریس کی بھاروں کی بیسکتس کو نا منظور کر دیا تو گاندھی جی ایک مشروط اور محدود سیرل : فرمائی کی تحریک (شروع کرے کے مسئلے) پر عور کرے لگے ابھوں نہ تحسوس کیا کہ مردوں اور عورتوں کو انفرادی طور پر اس بات پر احتجاج کرنا چاہئے کہ ہندوستان کو جنگ میں الجھاوا جارہا ہے انہیں علاوہ طاہر کرنا چاہئے کہ یہ جنگ سے متعل سرگرمیوں کے خلاف ہیں اور گرفتار ہوجائے کی کوشش کرنا چاہئے مری رائے بھی کہ جنگ کے خلاف اس سے زیادہ وسیع اور زیادہ شدید تحریک ہوئی چاہئے لیکن اس پر گاندھی جی کسی طرح نہ راضی ہوئے اس لئے میں آخر میں اس پر رضامند ہو گیا کہ کم از کم انفرادی سستہ گرہ تو شروع ہی ہو جائے ۔

اس تحسوس کے مطابق وینوا بھوے بھالے انفرادی سستہ گرہی یا جنگ کے بھالے بھتے مخالف متح کئے گئے۔ ہندت بھرو بے آپ کو بطور دوسرے رضا کار کے پیتس کیا اور گاندھی جی بے ان کو بھی چن لیا۔ اس کے بعد اور بہت سے آئے اور حالد ہی انفرادی سستہ گرہ ایک عام قومی تحریک ہو گئی اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ عدم تشدد کے مسئلے میں مری اور گاندھی جی کے سیادی اختلاف کے باوجود حو پروگرام عمل میں آیا اس پر ہم دونوں متفق تھے ۔ ایسے انفرادی سستہ گرہ میں کبھی کبھی ممحک باتیں بھی ہوجایا



۸۱ میں کانگریس کا صدر بنایا گیا

کرتی تھیں۔ پنجاب کے ایک شخص سمپورن سگھ تھے جنہوں نے  
گاندھی جی یا ورکنگ کمیٹی کی اجازت لئے بغیر ستیہ گرہ کی۔  
جب وہ گرفتار ہوئے تو کانگریس کی واضح ہدایات کے خلاف  
اپنی صفائی پیتس کی جو محشریٹ مقدمہ کی سماعت کر رہا تھا اُس  
نے انہیں محرم قرار دیکر اُن پر ایک آہ حرماہ کیا اور اُسکو اپنی  
حب سے ادا کر کے سمپورن سگھ کو چھوڑ دیا۔ اس سے  
تحریک کی ایسی ہوا حیری ہوئی کہ مجھے پنجاب حا کر معاملات  
کو درست کرنا پڑا وہاں سے واپس آتے ہوئے میں الہ آباد میں  
گرفتار کر لیا گیا۔ یہ واقعہ بھی لطف سے حالی نہ تھا۔ میں صبح  
کی چائے پیسے کے لئے رورشسٹ روم جا رہا تھا کہ سپرٹنڈنٹ  
پوائس نے آداب و تسلیمات کے ساتھ وارنٹ پیش کیا۔ میں نے  
سجدگی کے ساتھ جواب دیا »آپ نے مجھے یہ خاص امتیاز دے  
کر بڑی عرت بخشی ہے آپ مجھے گرفتار کر رہے ہیں جب کہ  
مجھے انفرادی ستیہ گرہ کرے کا موقعہ بھی نہیں ملا ہے «  
مجھے دو برس کی سرا دی گئی اور میں بی حیل میں رکھا گیا۔  
کچھ عرصہ بعد ڈاکٹر کاٹھو بھی میرے پاس وہیں پہنچا دئے گئے۔  
ایکس ہم نے سرا کی مدت پوری نہیں کی، اس لئے کہ اس دوران  
میں دو حادثے ہوئے، جنہوں نے دیا کو ہلا دیا اور جنگ کی  
بوعیت کو بالکل بدل دیا پہلا حادثہ تھا حوں سے ۱۹۴۱ء میں حرمی  
کا روس پر حملہ اسی کے چھ مہینے کے اندر جاپان نے پرل ہاربر  
میں متحدہ ریاستوں (امریکہ) پر وار کیا۔  
حرمی کے سوویٹ روس اور جاپان کے متحدہ ریاستوں پر حملہ

کرے سے حگ صحیح معنوں میں عالمگیر ہو گئی۔ حرمی کے سوویٹ روس پر حملہ کرے سے پہلے لڑائی صرف مغربی یورپ کی قوموں کے درمیان ہو رہی تھی۔ حرم حملے سے حگ کی حدود کو پھیلا کر ان میں نہایت وسیع علاقے شامل کر لئے جو اب تک لڑائی کے اثرات سے محفوظ تھے۔ متحدہ ریاستیں (امریکہ)، برطانیہ کو اچھی خاصی مدد پہنچا رہی تھیں مگر اس حگ میں شریک نہیں ہوئی تھیں۔ پرل ہاربر پر حملہ کر کے جاپان، متحدہ ریاستوں کو کھینچ کر ہنگامے میں لے آیا اور حگ دیا کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک پھیل گئی۔

ابتدائی دور میں جاپان کی حیرت انگیز کامیابیوں کی دولت لڑائی کا گرد و غبار ہندوستان کی سرحد پر نظر آئے لگا۔ چند ہفتوں کے اندر جاپان نے ملایا اور سنگاپور کو فتح کر لیا تھا۔ بہت جلد اُنکا برما پر، حوسہ ۱۹۳۷ء سے پہلے ہندوستان کا ایک حصہ تھا، قبضہ ہو گیا۔ ایک ایسی صورت پیدا ہو گئی کہ معلوم ہوتا تھا کہ عقرب ہندوستان پر لشکر کشی کی جائیگی۔ حلیح مگال میں جاپانی جہاز دیکھے جا چکے تھے اور تھوڑے دنوں میں اُنکا انڈس اور نکو نار حریروں پر قبضہ ہو گیا۔

جاپان حگ میں شریک ہوا تو ظاہر ہو گیا کہ متحدہ ریاستوں کو متعلق معاملات کی ذمہ داری اپنے اوپر لیا ہوگی اس سے پہلے انکی طرف سے انگریزوں سے کہا گیا تھا کہ ہندوستان سے سمجھوتا کر لیں۔ اب انہوں نے برطانیہ پر اور زیادہ دباؤ ڈالا شروع کیا کہ ہندوستان کے مسئلے کو طے کریں اور اسے حوشی کے ساتھ تعاون

۸۳ میں کانگریس کا صدر مایا گیا

کریے پر آمادہ کریں۔ اُس وقت یہ بات عام طور پر معلوم نہیں ہوئی تھی، لیکن پرل ہاربر پر جاپانی حملے کے فوراً بعد پریریڈنٹ رورولٹ نے برطانوی حکومت سے درخواست کی کہ وہ ہندوستانی لیڈروں کی شکایتوں کو دور کر کے انہیں اپنے ساتھ ملا لے۔ برطانوی حکومت ہند ان درخواستوں کو بالکل نظر انداز نہیں کر سکتی تھی اور اس نے اپنی پالیسی کو ایک حد تک بدلنے کا فیصلہ کر لیا۔ دسمبر ۱۹۴۱ء میں وائسرائے نے طے کیا کہ خواہر لال بہرو کو اور مجھے رہا کر دیا جائے۔ اس اقدام کا مقصد یہ جانچنا تھا کہ جنگ کی بدلی ہوئی صورت حال کا کانگریس پر کیا اثر پڑا ہے۔ حکومت دیکھا چاہتی تھی کہ ہم کیا کرتے ہیں، اور پھر وہ سوچتی کہ دوسرے لوگ آزاد کئے جائیں یا نہ کئے جائیں۔ ہر حال مجھے رہا کرنا تو ناگزیر تھا اس لئے کہ اس کے بغیر ورکنگ کمیٹی کا جلسہ نہیں ہو سکتا تھا

مجھے رہائی کا حکم ملا تو میں بڑی دہی کٹمکتش میں مبتلا تھا۔ دراصل آزاد کئے جانے سے میری خود داری کو صدمہ پہنچا اس سے پہلے ہر موقع پر حب میں حیل سے نکلا تو میرے دل میں محدود کامیابی کا احساس ہوا کرتا تھا۔ اس مرتبہ دل میں یہ بات کھٹک رہی تھی کہ اگرچہ لڑائی دو برس سے زیادہ جاری رہ چکی تھی، پھر بھی ہم ہندوستان کی آزادی کے لئے کوئی موثر اقدام نہیں کر سکتے تھے معلوم ہوا تھا کہ ہم حالات کے مارے ہوئے لوگ ہیں، اپنی تقدیر کے مالک نہیں ہیں۔ رہا ہونے کے فوراً بعد میں نے ورکنگ کمیٹی کا جلسہ باردولی

میں طلب کیا۔ گاندھی جی وہاں ٹھہرے ہوئے تھے اور انہوں نے خواہش ظاہر کی تھی کہ جلسہ وہیں ہو۔ میں گاندھی جی سے ملنے گیا اور ملتے ہی مجھے احساس ہوا کہ ہم دونوں پہلے سے بھی زیادہ ایک دوسرے سے دور ہو گئے ہیں۔ پہلے ہم دونوں کے درمیان صرف اصول کا اختلاف تھا اب میں نے دیکھا کہ حالات کا جائزہ لیکر ہم بنیادی طور پر مختلف نتیجے نکال رہے ہیں۔ معلوم ہوتا تھا کہ گاندھی جی کو اب یقین ہے کہ برطانوی حکومت ہندوستان کو آزاد تسلیم کرے پر تیار اور رضامند ہو گئی ہے، یہ شرطیکہ ہندوستان جنگ کی سرگرمیوں میں پوری طرح تعاون کرے کا وعدہ کرے وہ سمجھتے تھے کہ حکومت کا رجحان قدامت پسندی کی طرف ہے۔ اگرچہ مسٹر چرچل وزیر اعظم ہیں مگر لڑائی ایسی حد پر پہنچی ہے کہ جہاں انگریزوں کے لئے ہندوستان کے تعاون کے بدلے اس کو آزاد تسلیم کرے کے سوا چارہ نہیں ہے میرا ایسا ادارہ اس سے بالکل مختلف تھا۔ میں سمجھتا تھا کہ برطانوی حکومت خلوص کے ساتھ چاہتی ہے کہ ہم اس سے تعاون کریں لیکن وہ اب بھی ہندوستان کو آزاد کرنے پر تیار نہیں ہے جنگ کے دوراں میں برطانوی حکومت زیادہ سے زیادہ یہ کریگی کہ ایک شی ایکزیکیٹو کونسل بنائے، جس کے اختیارات زیادہ ہوں، اور کانگریس کو اس میں کافی نمائندگی دے۔ اس مسئلے پر ہمارے درمیان بحثیں ہوئیں، پر میں گاندھی جی کو قائل نہ کر سکا۔

رہائی کے تھوڑے عرصہ بعد میں نے کلکتہ میں پریس کانفرنس کی۔ جب مجھ سے پوچھا گیا کہ جنگ کے معاملہ میں کانگریس

اپنی پالیسی بدلے پر تیار ہے یا نہیں تو میں بے جواب دیا کہ یہ برطانوی حکومت کے رویہ پر منحصر ہے۔ اگر حکومت بے اپنا رویہ بدلا تو کانگریس بھی اپنا رویہ بدل دیگی۔ میں بے یہ بات صاف کر دی کہ حگ کے مسئلے میں کانگریس کی جو رائے یا پالیسی ہے، اُس کی حیثیت ایسے عقیدے کی سی نہیں ہے جس میں کبھی کوئی تعبیر نہ ہوسکے اس کے علاوہ مجھ سے پوچھا گیا کہ اگر حاکم ملک پر حملہ کرے تو ہندوستانیوں کو کیا کرنا چاہئے؟ میں بے ایک لمحہ تامل یا تکلف کئے بغیر جواب دیا کہ ہر ہندوستانی کو تلوار ہاتھ میں لے کر ملک کا تحفظ کرنا چاہئے۔ اس کے بعد میں بے کہا ”ہم یہ اُسی صورت میں کرسکتے ہیں کہ وہ رجحانیں کھول دی جائیں جس میں ہمارے ہاتھ پاؤں حکم ہوئے ہیں ہاتھ پاؤں سدھے ہوں تو ہم کیسے لڑ سکتے ہیں؟“

لندن کے ”ٹائمز“ اور ”ڈیلی نیوز“ اخباروں نے اس پریس کانفرنس پر تصرہ کرتے ہوئے کہا کہ اس سے پتہ چلتا ہے کہ گاندھی جی اور کانگریس کے لیڈروں کے درمیان اختلاف ہے گاندھی جی بے حگ کے مارے میں ایک رائے قائم کر لی ہے جس کو بدلا نہیں جاسکتا، اور جس کی وجہ سے نہ گفت و شنید کی گنجائش رہتی ہے نہ امید۔ دوسری طرف کانگریس کے صدر کے بیان سے توقع ہوتی ہے کہ سمجھوتا کیا جاسکتا ہے۔

حب ورکنگ کمیٹی کا جلسہ ہوا تو گاندھی جی نے برطانیہ کے اخباروں کے تصویروں کا ذکر کیا۔ انہوں نے اس کا اعتراف

کیا کہ اُن پر ان تصوروں کا ایک حد تک اثر پڑا ہے اور اُن کے اس خیال کو تقویت پہنچتی ہے کہ برطانوی حکومت اپنے رویہ کو بدلنے پر تیار ہوجائے گی اگر کانگریس حگ میں تعاون کرے گا وعدہ کرے۔ اس مسئلے پر دو دن تک بحث ہوتی رہی کہ کانگریس کا رویہ کیا ہونا چاہئے مگر کوئی متفقہ فیصلہ نہ ہوسکا۔ گاندھی جی اپنی اس رائے پر استقلال کے ساتھ قائم رہے کہ عدم تشدد ایک عقیدے کا مرتبہ رکھتا ہے اور اُسے کسی حالت میں ترک نہیں کیا جاسکتا اس سے ایک لارمی نتیجہ یہ نکلتا تھا کہ وہ کسی حالت میں بھی ہندوستان کا حگ میں شرکت کرنا پسند نہیں کرسکتے تھے میں نے اپنے خیال کو، جسے میں پہلے بھی بیان کرچکا تھا، دہرایا کہ کانگریس کو ہندوستان کی آزادی پر زیادہ زور دینا چاہئے اور عدم تشدد کے مسئلے پر مقابلتاً کم

گاندھی جی میں مشکل سے مشکل مسئلوں کا حل تلاش کرلیے کی جو صلاحیت تھی، اس کا ایک نمایاں ثبوت اس طرح ملا کہ انہوں نے اس بدگلی سے نکلنے کے لئے ایک فارمولا تجویز کیا، جس سے دونوں محالف نقطہ نظر رکھنے والے مطمئن ہوسکتے تھے۔ اس میں اس کی بھی حیرت انگیز صلاحیت تھی کہ اپنے مخالف کے نقطہ نظر کو سمجھیں اور اسے مصعانہ طریقہ پر بیان کریں جسے انہوں نے دیکھا کہ میں ہندوستان کی حگ میں شرکت کے معاملے میں سچی سے اپنی رائے پر قائم ہوں تو انہوں نے میرے اوپر دباؤ ڈالنا چھوڑ دیا۔ اس کے برعکس انہوں نے ورکنگ کمیٹی



کے سامے ایک رپورلیوشن کا مسودہ پیش کیا جس میں میرا نقطہ نظر بالکل صحیح صحیح پیش کیا گیا تھا ۔  
اس کے بہت جلد بعد ہندوستان کی سیاسی کیفیت میں ایک اہم تبدیلی ہوئی سبھاش چندر بوس نے حگ کے چھڑتے ہی سرگرمی کے ساتھ ایک تحریک شروع کی تھی جس کا مقصد تھا کہ حگ کے لئے تیاری کے انتظامات کی محالیت کی جائے ان کی حد و حد کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ قید کر دیے گئے مگر جب انہوں نے فاقہ شروع کیا تو انہیں چھوڑ دیا گیا ۲۶ حوری ۱۹۴۱ء کو معام ہوا کہ وہ ہندوستان سے چلے گئے ہیں ۔  
وہ ایک سال تک ان کی کوئی خبر نہیں آئی اور کوئی یقین کے ساتھ نہیں کہہ سکتا تھا کہ وہ زندہ ہیں یا نہیں مارچ ۱۹۴۲ء کو امام شکوک دفع ہو گئے جب براں رنڈ یو سے ان کی ایک تقریر نشر کی گئی اب یہ بات ظاہر تھی کہ وہ حرمی پہنچ گئے ہیں اور وہاں انگریزوں کے خلاف ایک محاذ قائم کرے کی کوشش کر رہے ہیں اس دوران میں ہندوستان پر برطانوی قسے کے خلاف جاپانی جو پروپیگنڈہ کر رہے تھے اس میں اور شدت پیدا ہو گئی حرمی اور جاپان سے پروپیگنڈے کا جو دھارا مسلسل بہتا ہوا ہندوستان آرہا تھا اس کا بہت سے ہندوستانیوں پر اثر ہوا۔ بہت سے لوگوں کے لئے جاپان کے وعدے میں بہت کشش تھی ، اور وہ سمجھتے تھے کہ جاپان ہندوستان کی آزادی اور ایشیا کے اتحاد کے لئے کوشاں ہے اُن کا کہنا یہ تھا کہ چونکہ جاپان کے حملے نے برطانیہ کو کمزور کر دیا ہے ، اس لئے اس

سے ہم کو اپنی آرا دی کی حد و حہد میں مدد ملی ہے ، اور ہمیں اس موقع سے پورا پورا فائدہ اٹھانا چاہیے . ملک میں اس خیال کے حو لوگ تھے ، اُن کی حایان کے ساتھ ہمدردی بڑھتی رہی گاندھی جی بے اور میں بے حو حالات کا اندازہ لگایا تھا ، اس میں ایک اور اختلاف تھا . گاندھی جی اس وقت تک اس خیال کی طرف مائل ہو چکے تھے کہ حگ میں اتحادی کامیاب نہ ہوسکیں گے ابیں اندیشہ تھا کہ حر می اور حاپاں کی فتح ہوگی اور اگر یہ نہ ہوا تو دونوں فریق رچ ہو کر رہ جائیں گے حگ کے احام کے بارے میں گاندھی جی بے اپنے اس خیال کو صاف صاف بیان نہیں کیا ، مگر ان سے حو محنتیں ہوئیں ، ان سے مجھے اندازہ ہوا کہ اتحادیوں کی فتح میں ان کا یہیں کم ہوتا حارہا ہے میں بے یہ بھی دیکھا کہ سہاش بوس کے ہندوستان سے بچ نکلے اور حر می پہنچ جائے گا گاندھی جی پر بہت اثر ہوا ہے . ان کی بعض ادھر ادھر کی باتوں سے مجھے یقین ہو گیا کہ وہ اُس بہت اور حوش تدیری کو قابل تعریف سمجھتے ہیں ، جس کا سہاش بوس بے ہندوستان سے نکل بھاگے میں ثبوت دیا تھا سہاش بوس کے لئے ان کے دل میں حو قدر پیدا ہو گئی تھی ، اس بے غیر محسوس طریقہ پر حگ کی ساری کیفیت کو اُن کی بطروں میں ایک اور رنگ دیدیا

یہی حہ نہ اُن اثرات میں سے تھا جسوں بے ان گفتگوؤں کی صمائی میں فرق ڈال دیا حو کرپس مش سے ہوئیں . میں بعد کے ایک باب میں اس تحویر پر حو کرپس لائے تھے اور اُن اسباب پر

حس کی وجہ سے ہم نے اُسے نامنظور کیا، تفصیل کے ساتھ بحث کر رہا تھا یہاں میں ایک افواہ کا ذکر کرنا چاہتا ہوں جو کانگریس کی آمد کے وقت گشت کر رہی تھی۔ یہ حس گرم تھی کہ سہاش بوس ایک ہوائی حادثہ میں مر گئے۔ اس سے ہندوستان میں ایک سسٹی سی پھیلی اور دوسرے لوگوں کے ساتھ ہی گاندھی جی کو بھی اس سے صدمہ پہنچا۔ انہوں نے سہاش بوس کی والدہ کو ایک تعزیتی پیغام بھیجا جس میں انہوں نے اُن کے لڑکے اور لڑکی کی قریبی خدمات کا بہت پُر حوش امداد میں ذکر کیا۔ بعد کو معلوم ہوا کہ حس غلط ہے۔ کانگریس نے مجھ سے شکایت کی کہ وہ یہ نہیں سمجھتے تھے کہ گاندھی جی ایسے شخص، سہاش بوس کے بارے میں حدیث کے اس حوش کے ساتھ بات کریں گے، گاندھی جی عدم تشدد کے اصول سے پختہ عقیدت رکھتے تھے، اور سہاش بوس نے محوری طاقتوں کا کھلم کھلا ساتھ دیا تھا اور میدان جنگ میں اتحادیوں کی شکست کے لئے پُررور پروپگنڈا کر رہے تھے۔

—

## چین کی طرف گریز

پیریڈٹ رورولٹ کو جو فکر بھی کہ ہندوستان حگ میں شریک ہو اُس کا میں دکر کر چکا ہوں ویسا ہی خیال سپہ سالار اعظم چیانگ کانگ کا بھی پیش کر رہے تھے۔ لڑائی شروع ہونے ہی وہ اصرار کرے لگے کہ انگریزوں کو ہندوستان کے ساتھ سمجھوتا کر لیا جائے، اور جاپان کے پرل ہاربر پر حملہ کرنے کے بعد وہ اصرار اور بڑھ گیا جاپان کی مداخلت کا ایک قدرتی نتیجہ یہ بھی تھا کہ چیانگ کانگ شک اور چینی حکومت کی اہمیت میں بہت اضافہ ہو گیا متحدہ ریاستوں، برطانیہ، سوویت یونین اور فرانس کی طرح چین کا بھی دنیا کی بڑی طاقتوں میں شمار ہونے لگا چیانگ کانگ شک برار برطانوی حکومت پر دباؤ ڈالے رہے تھے کہ وہ ہندوستان کی آزادی کو تسلیم کر لے اُن کی رائے تھی کہ اگر ہندوستان اپنی مرضی سے حگ میں شریک نہ ہوا تو وہ مدد نہ مل سکے گی جسے فراہم کرے کی وہ قدر رکھتا ہے۔

حگ شروع ہونے سے کچھ پہلے جواہر لال نہرو جوہی چین گئے تھے، چیانگ کانگ شک اُن کے میزبان تھے، اور اس طرح ان سے قریبی تعلقات قائم کر لئے تھے۔ انہوں نے ہندوستان کی سیاسی کیفیت کے بارے میں براہ راست معلومات بھی حاصل کر لیں۔

## چین کی طرف گریز

۹۱

خواہر لال کے چین جانے کا ایک نتیجہ یہ بھی ہوا کہ چیانگ کائی شک نے ایک مشہدوستان بھیجا، اور مجھے اس حیثیت سے کہ میں کانگریس کا صدر تھا، ایک خط لکھا اپنے خط میں انہوں نے ہندوستانوں کے حوصاوں اور تماؤں سے پوری ہمدردی اور ہندوستان کی بھودی کے بارے میں اپنی وکرمندی ظاہر کی۔ اب انہیں بے طئے کیا کہ وہ خود ہندوستان آئیں اور وائسرائے ر کانگریس کے ایڈروں سے ملاقات کر کے دیکھیں کہ مصاہمت کی کیا تدبیر کی جاسکتی ہے؟ انہیں امید تھی کہ اس طرح ہندوستان کے قومی ایڈروں کو حج کی سرگرمیوں میں شریک کرے گی کونی صورت نکل آئے گی۔

میں دہلی میں تھا، اور آصف علی کے یہاں ٹھہرا ہوا تھا، جب مجھے معلوم ہوا کہ چیانگ کائی شک فروری ۱۹۴۲ء کے صف اول میں ہندوستان آئے والے ہیں مجھے میڈم چیانگ کائی شک کا بیعام ملا کہ وہ ہی ساتھ آئیں گی اسی کے تھوڑے دن بعد حکومت کی طرف سے اعلان شائع ہوا کہ سہ سالار اعظم اور میڈم چیانگ کائی شک دہلی آرہے ہیں اور وہ حکومت ہند کے مہمان ہوں گے۔

سہ سالار اعظم اور میڈم چیانگ کائی شک ۹ فروری ۱۹۴۲ء کو دہلی پہنچے۔ ان کے آئے کے دو دن بعد خواہر لال اور میں دونوں ان سے ملاقات کے لئے گئے۔ ان سے بات کرنے میں ایک دستواری یہ تھی کہ وہ چینی کے سوا کوئی زبان نہیں جانتے تھے، ان کے ساتھ ایک ترجمان تو تھا، مگر ظاہر ہے کہ اسکی وحہ

سے ہماری گفتگو سست اور کسی قدر رسمی ہو گئی۔ چیانگ کائی شک بے تمہید کے طور پر ایک لمبی تقریر کی، جس کا مقصد یہ ثابت کرنا تھا کہ ایک ماتحت قوم دو طریقوں میں سے ایک اختیار کر کے آزادی حاصل کر سکتی ہے؟ یا تو وہ غیر ملکی عصر کو درور شمشیر ملک سے باہر نکال دے یا اپنی آزادی پر اس طریقے سے حاصل کرے اس دوسرے طریقہ کو اختیار کیا جائے تو آزادی کی مرل تک صرف تدریح پہنچا جا سکتا ہے سوراخ کی مرل کی طرف صرف ایک ایک قدم اُٹھایا جا سکتا ہے؟ یہاں تک کہ ہم ایسا مقصود حاصل کر لیں یہی دو طریقے ہیں جنہیں کوئی قوم غیر ملکی یا ملکی مستند حکمران کے خلاف لڑے میں اختیار کر سکتی ہے۔

چیانگ کائی سک بے کہا کہ چین اس اصول کے مستند ہوئے کی ایک واضح مثال ہے۔ چین کی قومی تحریک سنہ ۱۹۱۱ء میں ہوئی لیکن آزادی حاصل ہوئے تک اسے کئی مرلوں سے گزرنا پڑا۔ ہندوستان کو اسی رستے پر چلنا ہوگا طاہر ہے یہ فیصلہ تو ہندوستانی ہی کر سکتے ہیں کہ وہ اسے مقصد کو کس طرح حاصل کریں۔ چیانگ کائی شک کا کہا یہ تھا کہ اگر آزادی ایک ہلے میں حاصل نہ ہو سکتی ہو تو اس کے سوا اور کوئی صورت ممکن نہیں ہے کہ ہندوستان اسے تدریح حاصل کرے۔ پھر انہوں نے مجھ سے کہا کہ وہ اس سارے رماے میں برطانوی حکومت سے خط و کتابت کرتے رہے ہیں اور برطانوی وزیر اعظم کو معصل پیعامات بھیج چکے ہیں۔ انہیں وزیر اعظم کا ایک جواب بھی ملا ہے اور انہیں



بقیہ ہے کہ اگر ہندوستانیوں نے دانشمندی اور تدبیر سے کام لیا  
و وہ حگ کے موقع سے پورا فائدہ اٹھا کر آزاد ہو سکیں گے  
پھر جیانگ کاٹن شک، اے مجھ سے پوچھا کہ ہندوستان کا صحیح  
مقام کہاں ہے؟ کیا اسے باتسی جرمس کے ساتھ ہونا چاہیے، یا  
جمہوری ریاستوں کے؟

میں نے جواب دیا کہ مجھے یہ کہے میں بالکل تامل نہیں ہے  
کہ اگر ہمارے راستے سے رکاوٹیں بنادی جائیں تو میں ہر ممکن  
کوشش کروں گا کہ ہندوستان جمہوری ریاستوں کے ساتھ مل جائے۔  
اس کے بعد جیانگ کاٹن شک نے خطیبانہ انداز اختیار کر کے  
ہم سے ایک سوال پوچھا۔ انہوں نے کہا کہ عالمگیر حگ جس  
بات کا فیصلہ کریں گی وہ یہ ہے کہ بے شمار 'ساں آزاد ہونگے  
یا علام رہیں گے یہ دیکھتے ہوئے کہ کیا کچھ داؤں پر لگا ہے۔  
کیا ہندوستانیوں کا یہ فرص نہیں ہوجاتا ہے کہ وہ بغیر کوئی شرط  
لگائے ہوئے برطانیہ اور چین کا ساتھ دیں؟

میں نے جواب دیا کہ ہم جمہوری ریاستوں کا ساتھ دینا چاہتے  
ہیں مگر یہ ضروری ہے کہ ہم آزاد ہوں اور اپنے اختیار اور  
ارادے سے جمہوری ریاستوں کے ساتھ شریک ہوں۔

جیانگ کاٹن شک نے پھر کہا کہ جہاں تک ہندوستانیوں کا  
تعلق ہے، اُن کی رائے میں ڈومینین اسٹیس اور کامل آزادی میں  
کوئی اہم فرق نہیں ہے، انہوں نے اس نکتہ کو بہ تفصیل سے  
سمجھایا اور کہا کہ اگر برطانوی حکومت سوراج کے ساتھ  
ڈومینین اسٹیس دینے کی تحویز پیش کرے، تو دانشمندی کی

بات یہ ہوگی کہ ہندوستان اُسے منظور کرائے۔ ابھوں بے اسی کے ساتھ کہا کہ مجھے معلوم ہے کہ خواہر لال ہرو اس رائے سے اتفاق نہیں کرتے اور کامل آزادی چاہتے ہیں مگر میں ہندوستان کا حرحواہ ہوں اور اس وجہ سے میں یہ مشورہ دوں گا کہ ہندوستان ایسی پیشکش کو نامطور نہ کرے

خواہر لال بے مجھ سے کہا کہ کانگریس کے صدر کی حیثیت سے اس کا جواب مجھ کو دیا چاہئے۔ میں بے چیانگ کائی شک سے کہا کہ اگر جنگ کے دوراں میں برطانوی حکومت ڈومیسٹر اسٹیشن پیش کرے اور اس پر راضی ہو کہ ہندوستان کے نمائندے آزادی اور دمہ داری کے احساس کے ساتھ کام کرسکیں تو کانگریس اس پیشکش کو نامطور نہ کریگی

اسی وقت میڈم چیانگ کائی شک بھی آگئیں اور ہمیں چائے پیسے کی دعوت دیں ان کی موحودگی میں گھگو کرنا آساں ہوگیا اس لئے کہ ابھوں بے متحدہ ریاستوں (امریکہ) میں تعلیم پائی بھی اور انگریزی بے تکلف بولتی تھیں۔

چیانگ کائی شک بے کہا یہ سدیبی بات ہے کہ جنگ کا بوحہ برطانوی حکومت کو اٹھانا پڑیگا۔ یہ توقع رکھا اصف کی بات یہ ہوگی کہ جنگ کے دوراں میں وہ پوری دمہ داری ہندوستانیوں کو سوپ دیگے۔

میں بے جواب دیا کہ دوران جنگ کے لئے ایسی تحویر مرتب کی جاسکتی ہے جو ہندوستان کے لیڈروں اور برطانوی حکومت دونوں کے لئے قابل قبول ہو۔ اصل مسئلہ یہ ہے کہ جنگ کے

ہندوستان کے مسئلے کو کس طرح طے کیا جائے گا؟ جیسے ہی برطانوی حکومت اس کا یقین دلا دیگی کہ جنگ کے بعد ہندوستان آزاد ہو جائے گا، ہمارے اور اُس کے درمیان سمجھوتا ہو سکتا ہے۔

مڈم جیانگ کاٹی شک سے بے محو سے پوچھا کہ یہیں اعتراض تو نہ ہو گا اگر برطانوی حکومت کو ہماری گفتگو کے بارے میں مطلع کیا گیا

میں بے جواب دیا کہ پبلک میں کانگریس سے یہی طریقہ پیش کیا ہے۔ ہمارے خیالات چاہے جس سے بھی بیاں کئے جائیں اس میں کوئی اعتراض نہیں کیا جاسکتا۔

حتیٰ دن سپہ سالار اعظم جیانگ کاٹی شک ہندوستان میں رہے، حکومت ہند شش و پنج کی حالت میں تھی وہ یہ نہیں چاہتی تھی کہ اُن کے اور کانگریسی لیڈروں کے درمیان ایسے قریبی تعلقات ہوں۔ اس سے ملک کے اندر اور باہر یہ خیال ہو سکتا تھا کہ وہ ہم سے ملے آئے ہیں دوسری طرف جیانگ کاٹی شک سے یہ بات صاف کردی تھی کہ وہ جنگ کے حالات پر صرف وائسرائے اور کمانڈر انچیف سے نہیں بلکہ وہ کانگریس کے لیڈروں سے تبادلہ خیال کرنے بھی آئے ہیں۔ اس وجہ سے حکومت اُن کو ہم سے تعلقات قائم کرنے سے روک نہیں سکتی تھی۔

جیانگ کاٹی شک نے تاج محل دیکھنے کی خواہش ظاہر کی تھی حکومت نے ایک سرکاری قسم کی سیر کا پروگرام بنایا تھا جس کے مطابق حکومت کے چنے ہوئے لوگ ساتھ جانے والے

تھے۔ لیکن میڈم چیانگ کائی شک نے کہا کہ جواہر لال نہرو کو اُن کے ساتھ آگرہ جانا چاہئے اس لئے وہ بھی پارٹی میں شامل ہو گئے یہ بات بھی حکومت کو سحت ناگوار گدری۔

دہلی سے چیانگ کائی شک کلکتہ گئے حکومت سکال نے اُن کے ٹھہرے کے لئے پرانے گورنمنٹ ہاؤس میں انتظام کیا تھا۔ چیانگ کائی شک بے جواہر لال کو اس کی اطلاع دی اور کہا کہ مجھے اُمید ہے کہ آپ سے کلکتہ میں پھر ملاقات ہوگی۔

جواہر لال کلکتہ گئے اور وہاں پھر دونوں میں باتیں ہوئیں۔ گاندھی جی اس وقت برلا پارک میں ٹھہرے تھے، اور چیانگ کائی شک وہاں ان سے ملے آئے وہ قریب دو گھنٹے گفتگو کرتے رہے میڈم چیانگ کائی شک بے رحمان کے فرائض انجام دئے۔ گاندھی جی بے انہیں سایا کہ انہوں نے کس طرح جنوبی افریقہ میں ستیہ گرہ شروع کی تھی، اور کس طرح ہندوستان کے سیاسی مسئلے کو حل کرے کے لئے بے تشدد عدم تعاون کے فن کو برتا اور مقصد کے مطابق ڈھالا تھا۔

جب چیانگ کائی شک کلکتہ گئے تو میں وہاں نہیں تھا۔ جواہر لال بے بعد میں مجھے ملاقات کے بارے میں بتایا۔ اُس زمانے میں وہ ہر معاملے میں گاندھی جی سے اتفاق نہیں کرتے تھے، اور انہوں نے محسوس کیا تھا کہ جس طریقہ سے گاندھی جی بے گفتگو کی تھی اس کا چیانگ کائی شک پر بہت اچھا اثر نہیں پڑا۔ اس بارے میں میرے لئے کوئی رائے دینا مشکل ہے۔ ممکن ہے کہ گاندھی جی کی دلیلیں چیانگ کائی شک کو قائل نہ کر سکی ہوں

لیکن یہ واقعی تعجب کی بات ہوگی اگر ان پر گاندھی جی کی اس حاذیت کا اثر نہ پڑا ہو جسے ہر غیر ملکی آدمی محسوس کرتا تھا۔

راونگی سے پہلے چیانگ کانگ کا شک بے برطانیہ سے پُر حوش اپیل کی کہ جس قدر جلد ہوسکے ہندوستان کو حقیقی معنوں میں سیاسی اختیارات دے۔ مگر یہ بات صاف طاہر تھی کہ وہ وائسرائے اور برطانوی حکومت کو اس کا یقین نہیں دلا سکتے تھے کہ ہندوستان کو فوراً ایک ڈومین کی حیثیت دینا ضروری ہے۔

---

## کرپس مشن

**جیسے** جیسے جنگ کے حالات مارک ہوتے گئے، لوگوں کو یہ توقع ہوئی کہ ہندوستان کے معاملے میں برطانوی حکومت کا رویہ بدلے گا۔ یہ واقعی ہوا بھی، اور اس کا نتیجہ سہ ۱۹۴۲ء کا کرپس مشن تھا۔ مشن کے متعلق کچھ لکھے سے پہلے ایک گذشتہ موقع کی طرف اشارہ کرنا ضروری ہے۔ جب جنگ چھڑے کے فوراً بعد سر سٹیفورڈ کرپس ہندوستان آئے تھے۔ ہندوستان کے اس سفر کے دوران میں ان کی کئی بار محو سے گفتگو ہوئی، بلکہ کانگریس ورکنگ کمیٹی کے جلسے کے دوران میں وہ کئی دن وردھا میں رہے۔ ظاہر ہے ہندوستان کی جنگ کی سرگرمیوں میں شرکت ایک مسئلہ تھا جس پر ہم اکثر گفتگو کرتے تھے۔

اس سفر کے دوران میں سر سٹیفورڈ کرپس سے متعدد بار کہا کہ جنگ کے متعلق گاندھی جی کے خیالات معلوم ہیں اور انہیں دیکھتے ہوئے اس کی بہت کم اُمید کی جاسکتی ہے کہ برطانوی حکومت سے ان کا سمجھوتا ہوسکے گا۔ میرے خیالات بھی بہت سے لوگوں کو معلوم تھے اور ان کو گفتگو کی سیاد پایا جاسکتا تھا۔ انہوں نے مجھ سے پوچھا کہ میں ان کو یقین دلا سکتا ہوں یا نہیں کہ اگر برطانوی حکومت سے ہندوستان کی آزادی کے مطالبے



کو ماں لیا تو ہندوستانی قوم گاندھی جی کی رائے کے مقابلے میں میری رائے پر چلنا زیادہ پسند کرے گی؟ میں بے کہا کہ ہم سب گاندھی جی کی انتہائی عرت اور قدر کرتے ہیں، اور جو کچھ وہ کہتے ہیں اس کا انتہائی لحاظ کرتے ہیں، مگر مجھے اطمینان ہے کہ اس خاص مسئلے میں کانگریس اور ملک کی اکثریت میری ہم خیال ہے۔ اس لئے میں ان کو یقین دلا سکتا ہوں کہ اگر ہندوستان آزاد ہو گیا تو سارا ملک دل و جان سے جنگ کے کاموں میں مدد کرے گا۔ انہوں نے یہ بھی دریافت کیا کہ ایسی صورت میں ہندوستان کے لوگ لارمی خدمت کے لئے تیار ہوں گے یا نہیں۔ میں بے کہا کہ ہم اس پر حوشی سے راضی ہو جائیں گے اور اس کا خیال رکھیں گے کہ جنگ کے سلسلے میں ہندوستان کی حدود و حدود ہمہ گیر ہوتی ہے۔ سرسٹھیرڈ نے مجھے ایک یادداشت تیار کر کے بھیجی جس میں ہماری گفتگوؤں کا خلاصہ اور برطانوی حکومت اور ہندوستانی قوم کے درمیان معاہدہ کے متعلق تحویریں درج تھیں۔ ان کی تحویر تھی کہ برطانوی حکومت اس کا فوراً اعلان کرے کہ لڑائی بد ہونے ہی ہندوستان کو آزاد قرار دے دیا جائے گا۔ اس اعلان میں ایک دفعہ یہ بھی ہوا کہ ہندوستان کو فیصلہ کرے کہ اختیار ہوگا کہ وہ برطانوی کامں ولتھ میں شامل رہے گا یا نہیں۔ جنگ کے دوران کے لئے (وائسرائے کی) ایگریکیوٹو کاؤنسل دوبارہ مرتب کی جائے، اور اس کے عمروں کو وزیروں کا مرتبہ حاصل ہو۔ وائسرائے کی حیثیت ایک دستوری افسر اعلیٰ کی سی ہوگی۔ اس طرح عملاً حکومت کا اختیار منتقل کر دیا جائے گا، مگر اسے

قابواً متقل کرے کی کارروائی لڑائی ختم ہوے کے بعد ہوگی۔  
سرسٹیفرڈ بے اپنی تحویز کے بارے میں میری رائے دریافت  
کی۔ میں نے جواب دیا کہ ایسے اہم معاملے کی ایک فرضی  
صورت پیش کی جائے تو میں قطعی طور پر اپنے آپ کو کسی  
فیصلے کا پابند نہیں کر سکتا ہوں، لیکن میں انہیں یقین دلا سکتا  
ہوں کہ اگر ایک مرتبہ ہندوستانی قوم کو پوری طرح اطمینان ہو  
گیا کہ برطانوی حکومت واقعی کچھ کرنا چاہتی ہے تو اختلافات  
کو دور کرے کی کوئی نہ کوئی سیل نکالی جا سکے گی۔

ہندوستان سے سرسٹیفرڈ ایک غیر سرکاری مہماں کی حیثیت  
سے روس گئے۔ اسی کے تھوڑے دن بعد وہ روس میں برطانوی  
سفیر مقرر کر دیے گئے۔ کبھی کبھی یہ رائے ظاہر کی گئی ہے  
کہ سوویٹ روس کو اتحادیوں کے قریب لانا انہیں کا کام تھا۔  
آخر میں جب حرمی بے روس پر حملہ کر دیا تو ہٹلر اور ستالی  
کے ایک دوسرے سے الگ ہوجانے کا واقعہ بڑی حد تک ان  
کی کوشش کا نتیجہ سمجھا گیا۔ اس سے ان کا بڑا نام ہو گیا،  
اور برطانیہ کی یلک زندگی میں ان کا مرتبہ بہت بڑھ گیا۔ مجھے  
اس میں شبہ ہے کہ وہ واقعی سوویٹ پالیسی پر کچھ گہرا اثر  
ڈال سکے تھے، لیکن بہر حال ان کی عرت اور شہرت بہت بڑھ  
گئی۔ اور جب وہ برطانیہ واپس گئے تو بہت سے لوگ سمجھتے  
تھے کہ وہ مسٹر چرچل کی جگہ وزیر اعظم ہوجائیں گے۔

میں اس طرف اشارہ کر چکا ہوں کہ پیریڈنٹ روزولٹ  
برطانوی حکومت پر دباؤ ڈال رہے تھے کہ ہندوستان کے مسئلے

کرپس مشن ۱۰۱

کو طے کریں۔ پرل ہاربر کے بعد امریکہ کی پبلک اس بات پر اور بھی زیادہ اصرار کرنے لگی کہ خنک کی سرگرمیوں میں ہندوستان کا آزادانہ تعاون حاصل کیا جائے۔ مسٹر چرچل تک کو التفات کا کوئی ثبوت پیش کرنے کی ضرورت محسوس ہوئی۔ انہوں نے ایک یا قدم اٹھانے کا فیصلہ کیا اور کرپس کو ایک نئی پالیسی کی وکالت کے لئے منتخب کیا۔

سوویٹ یونین سے واپسی کے بعد کرپس کی بڑی شہرت ہو گئی تھی۔ عام رائے یہ تھی کہ ماسکو میں ایک منصوبہ جس کے لئے بہت سلیقے اور موقع شناسی درکار تھی انہوں نے بڑی کامیابی کے ساتھ انجام دیا تھا اسلئے ہندوستان سے گفت و شنید کرے کے لئے وہ موروثی معلوم ہوئے۔ اس کے علاوہ وہ ہندوستان کے مسئلے میں کئی سال سے دلچسپی لیتے رہے تھے۔ مجھے بعض باتوں کی بنا پر اس کا یقین ہے کہ انہوں نے مسٹر چرچل کے سامنے وہ یادداشت پیش کی جو انہوں نے ہندوستان کے آخری سفر میں وردھا میں تیار کی تھی۔ میرا خیال ہے کہ یادداشت میں جو تحویریں تھیں انہیں مسٹر چرچل نے منظور نہیں کیا، پھر بھی کرپس نے ان کی باتوں سے یہ اثر لیا کہ ان کی سکیم قابل قبول ہوگی۔ اسلئے وہ حوشی سے ہندوستان آنے پر تیار ہو گئے۔ مجھ سے ان کی حو گفتگو ہو چکی تھی اس سے انہیں اندازہ ہوا تھا کہ کانگریس کی طرف سے ان کی سکیم کے منظور ہو جانے کا خاصا قومی امکان ہے۔

کرپس مشن کے ہندوستان بھیجے جانے کا بی۔ بی۔ سی سے اعلان

ہوا تو اس کا مختلف لوگوں پر مختلف اثر پڑا۔ ہندوستان میں بے شمار خیال آرائیاں کی گئیں، مگر کسی کو صحیح صحیح معاموہ نہ تھا کہ برطانوی حکومت کیا تحویر پیش کرے گی۔ بی بی سی کا اعلان ہندوستان میں ۱۱ مارچ کی شام کو ۸ بجے سنا گیا۔ اس کے ایک گھنٹے کے اندر احبار والوں بے محہ سے میری رائے پوچھی۔ میں بے کہا:

» میں اس وقت تک کوئی جواب نہیں دے سکتا جب تک کہ مجھے اس تحویر کی صحیح تفصیلات معاموہ نہ ہوں جو سرسٹیرڈ کرپس پیش کرے کے لئے آرہے ہیں۔ مگر ایک پرانے دوست کی حیثیت سے میں ان کا حیرت مندم کرونگا اور جہاں تک ممکن ہوگا ان کی رائے کو مان لوں گا۔«

اگرچہ احبار والوں بے بہت چاہا کہ میں کچھ اور کہوں لیکن میں بے اپنے آپ پر کوئی مرید رائے دیکر پابندی نہیں لی۔

میں وردھا میں تھا جب وائسرائے کا نار آیا کہ برطانوی کابینہ بے سرسٹیرڈ کرپس کو ایک مش پر ہندوستان بھیجے کا فیصلہ کیا ہے، اور مجھے دہلی آکر، ہندوستان کے مسئلے کو طے کرے کی اُن تحویروں پر گفتگو کرنا چاہئے جو وہ لارہے ہیں۔ میں بے اس دعوت کو قبول کیا اور وائسرائے کو اس کی اطلاع کردی

ہندوستان آئے سے پہلے سرسٹیرڈ کرپس بے وائسرائے کو لکھا تھا کہ وہ ہندوستان کی تمام اہم پارٹیوں کے لیڈروں سے ملاقات کرنا چاہتے ہیں۔ لیڈروں کی فہرست عالماً حکومت ہند بے مرتب کی، اور طے کیا کہ کانگریسی لیڈروں کے علاوہ لیگ کے



صدر کانگریس مولانا آزاد وائسریگل لاج میں  
ہائیں سے دائیں اے وی الگرینڈر، سراسٹیرڈ کریس،  
مولانا آزاد، لارڈ یتھک لارس - ۵ مئی ۱۹۴۶ء

صدر کانگریس اور 'صف علی صاحب کی کابینہ' سے ملاقات  
ہائیں سے دائیں لارڈ یتھک لارس، مولانا آزاد، آصف علی  
صاحب، مسٹر اے وی الگرینڈر، سراسٹیرڈ کریس





مولانا آزاد اور لارڈ پیتھک لارنس سے جماعتی کانفرس کے موقع پر  
شملہ میں - ۵ مئی ۱۹۴۶ء



ہندوستان کے وائس  
انڈیز بیشنل کانگریس  
کے صدر سے افتتاح  
کانفرس کے موقع -  
مباحثہ کر رہے ہیں



لیڈروں کو بھی دعوت دی جائے۔ مرید برآں، والیان ملک کے نمائندوں، ہندو مہا سہا اور حان ہادرالہ بخش کو، حواس وقت سدھ کے چیف مسٹر تھے، دعوت دی گئی۔ حان ہادرالہ بخش کو حال میں بیشلسٹ مسلمانوں کے کوشش کی صدارت کرنے کے بعد اہمیت حاصل ہوگئی تھی۔ میں بے اس کنوشن میں شرکت نہیں کی تھی، مگر پس پردہ اس کے انتظامات میں مدد کی تھی۔ کوشش بہت دھوم دھام سے ہوا تھا اور ہندوستان کے ہر حصے سے ۱۴۰۰ ڈیلیگیٹ اس کے احلاس میں شریک ہوئے کو دہلی آئے تھے۔ احلاس اس قدر موثر تھا کہ انگریزی اور ایسکوالڈین احبار، جو معمولاً بیشلسٹ مسلمانوں کی اہمیت کو کم کرکے دکھائے کی کوشش کرتے تھے، اسے نظر انداز نہ کر سکے۔ وہ اس کا اعتراف کرے پر محور ہوئے کہ یہ کانفرس اس کا ثبوت ہے کہ بیشلسٹ مسلمان ناقابل لحاظ عصر ہیں ہیں۔

میں سرسٹیرڈ سے ان کے دہلی پہنچنے کے حاد ہی بعد ملا۔ پہلی ملاقات ۲۹ مارچ ۱۹۴۲ء کو ہوئی سرسٹیرڈ بے ایک بیان تیار کیا تھا جس میں ان کی تجویریں درج تھیں۔ یہ بیان صمیمہ میں دیکھا جاسکتا ہے۔ انہوں نے یہ بیان مجھے دیا اور کہا کہ وہ اپنی تحویروں پر مرید گفتگو کرنے اور حوانات واضح نہ ہوں تو اسے سمجھائے کو تیار ہیں۔ میں بے حب بیان کو پڑھا تو معلوم ہوا کہ وہ وائسرائے کی بی ایگریکوٹو کاؤنسل کے مارے میں ایک تحریر ہے۔ کاؤنسل کے موجودہ عمر سب استعفیے دے دینگے۔ اس کے بعد کانگریس اور دوسری نمایاں حیثیت رکھنے والی پارٹیوں

سے درخواست کی جائے گی کہ وہ اپنے نامزد کردہ لوگوں کے نام بھیجیں، اور نئی ایکریکیوٹو کاؤنسل انہیں عمروں پر مشتمل ہوگی۔ یہ کاؤنسل حگ کے دوران میں کام کرے گی۔ برطانوی حکومت باضابطہ عہد کرے گی کہ لڑائی ختم ہوتے ہی ہندوستان کی آزادی کے معاملے میں کارروائی کی جائے گی۔

تحویر کا خلاصہ گویا یہ تھا کہ موجودہ ایکریکیوٹو کاؤنسل کے بجائے، جس میں انگریز عمروں کی اکثریت تھی، ایک نئی ایکریکیوٹو کاؤنسل بنے گی جس میں سب ہندوستانی ہوں گے۔ انگریز افسر سکریٹریوں کی حیثیت سے رہیں گے، کاؤنسل کے سر رہیں گے لیکن نظام حکومت میں کوئی تبدیلی نہ ہوگی۔

میں نے سرسٹیفرڈ سے پوچھا کہ کاؤنسل میں وائسرائے کی کیا حیثیت ہوگی؟ سرسٹیفرڈ نے جواب دیا کہ انگلستان کے بادشاہ کی طرح وہ ایک دستوری حکمران اعلیٰ کی حیثیت سے کام کرے گا۔ میں نے اس بات سے کہ شک و شبہ کی گنجائش نہ رہے ان سے کہا کہ اس کی تصدیق کریں کہ وائسرائے دستوری حکمران اعلیٰ کی طرح کاؤنسل کے مشورہ کے مطابق عمل کرے گا۔ سرسٹیفرڈ نے کہا کہ مشا یہی ہے۔ میں نے پھر کہا کہ بنیادی سوال یہ ہے کہ اختیار کسے حاصل ہوگا، محوره کاؤنسل کو یا وائسرائے کو؟ سرسٹیفرڈ نے پھر کہا کہ اختیار کاؤنسل کو حاصل ہوگا جیسے کہ برطانوی کابینہ کو ہے۔ تب میں نے پوچھا کہ اس تنظیم میں انڈیا آفس کی کیا حیثیت ہوگی؟ سرسٹیفرڈ نے کہا کہ یہ ایک تفصیل کا معاملہ ہے جس پر انہوں

ہے اب تک غور نہیں کیا ہے ، لیکن وہ مجھے اطمینان دلانا چاہتے ہیں کہ اس مارے میں کانگریس کے حو خیالات ہوں گے ان کا پورا لحاظ کیا جائے گا۔ پھر انہوں نے کچھ سوچ کر کہا کہ انڈیا آفس قائم رہے گا اور وزیر ہند بھی رہے گا، مگر اس کی حیثیت ویسی ہی ہوگی جیسی کہ کسی دوسری ڈومینین کے وریر نو آبادیات کی ہوتی ہے۔ میں بے تفصیل کے ساتھ بیان کیا کہ جنگ شروع ہونے کے فوراً بعد سے ہندوستان کس طرح جنگ میں شرکت کرے پر آمادگی ظاہر کرتا رہا، اس شرط پر کہ اس کی آزادی کو تسلیم کر لیا جائے۔ یہ انگریزوں کا قصور تھا کہ انہوں نے اس پیش کش سے فائدہ نہیں اٹھایا۔ اور وہی اس کے ذمہ دار ہیں کہ ہندوستان جنگ میں اور رسادہ حصہ نہیں لے سکا، سرسٹیرڈ بے بار بار کہا کہ انہیں اس کا افسوس ہے کہ اب تک بات بگڑتی رہی، لیکن انہیں یقین ہے کہ اگر وہ پیش کش کو وہ برطانوی کابینہ کی طرف سے لائے ہیں قبول کر لی گئی تو آئندہ ایسا کچھ نہ ہوگا۔

اس طرح ہماری پہلی ملاقات ختم ہوئی تو کیفیت امید افراتھی۔ کانگریس ورکنگ کمیٹی کا اجلاس ۲۹ مارچ ۱۹۴۲ء کو طلب کیا گیا اور اس کا سلسلہ ۱۱ اپریل تک جاری رہا۔ شاید اس وقت تک کسی اجلاس نے اتنا طول نہیں کھیچا تھا۔ جیسا کہ سمجھا جا سکتا ہے، تحویروں پر غور کرتے ہوئے کسی عہد کی کچھ کیفیت تھی، کسی کی کچھ، اور ہر ایک کا اپنا نقطہ نظر تھا۔ گاندھی جی پہلے دن سے تجویزوں کو منظور کرے کے

حلاف تھے۔ میں بے محسوس کیا کہ اس کا سبب یہی نہیں تھا کہ وہ تجویروں کو قابل اعتراض سمجھتے تھے بلکہ اس سے زیادہ موثر وجہ حنگ سے نفرت تھی۔ دراصل ایسی ہر بات سے جو ہندوستان کو حگ میں الحھا دیتی انہیں حلقی اور اٹل عداوت تھی، اور (کرپس کی) تحویر کی حوی اور حامی پر انہوں نے جو رائے قائم کی وہ اس عداوت سے متاثر تھی۔ اور یہ کیا، ہر تحویر چاہے وہ ہندوستان کے لئے کتنی ہی مفید ہوتی، ان کی طبیعت کے حلاف پڑتی تھی اگر اس کا نتیجہ یہ ہوتا کہ ہندوستان حگ میں شریک ہو ان کو تحویر کا آخری حصہ بھی پسند نہیں تھا جس کے مطابق حگ کے بعد کانگریس از ر مسلم لیگ کو فرقہ واری مسئلے کو طے کرے کا موقع دیا جاتا۔

اس مش کے دوران میں جب گاندھی جی پہلی مرتبہ کرپس سے ملے تو کرپس نے انہیں اپنی یادداشت کے بارے میں یاد دلایا جس کا ذکر آچکا ہے۔ کرپس نے کہا کہ یادداشت کانگریسی لیڈروں اور حود گاندھی جی سے متورہ کرنے کے بعد مرتب کی گئی تھی۔ اس کا حلاصہ یہ تھا کہ دوران حگ میں ایکزیکیوٹو کاؤسل کے ر سب ہندوستانی ہونگے اور حگ کے بعد ہندوستان کی آرا دی کا اعلان کر دیا جائے گا۔ اس وقت جو تجویریں وہ پیش کر رہے ہیں دراصل وہی ہیں جو یادداشت میں تھیں۔

گاندھی جی نے کہا کہ انہیں یادداشت کے بارے میں کچھ یاد نہیں ہے۔ ان کو صرف اتنا یاد ہے کہ جب پچھلی مرتبہ

کرپس یہاں تھے تو ان سے ترکاری کھانے کے فلسفے پر بحثیں ہوئی تھیں۔ کرپس نے کہا کہ انہیں بہت افسوس ہے کہ غذا کے بارے میں حوالتیں ہوئیں وہ تو گاندھی جی کے ذہن میں محفوظ رہیں اور وہ ان تجویروں کو بھول گئے جو بہت غور کے بعد اور خود ان سے مشورہ کر کے مرتب کی گئی تھیں۔

گفتگو کے دوران میں گاندھی جی اور کرپس ایک دوسرے سے ہنسی مذاق کرتے رہے، مگر اسی کے ساتھ کبھی کبھی چھڑپ بھی ہوا یا کرتی تھی، اگرچہ اس کا انداز درستانہ تھا۔ گاندھی جی نے کہا کہ (کرپس کی) تجویریں قطعی اور آخری شکل میں پیش کی گئی ہیں، اور ان میں گفتگو کر کے تبدیلی کرے کا امکان بہت کم معلوم ہوتا ہے۔ انہوں نے ہنس کر کرپس کو آگاہ کیا کہ میں ان کو بہت ڈھیل دے رہا ہوں، مگر انہیں ہوشیار رہنا چاہیے۔ کرپس نے الٹ کر جواب دیا کہ انہیں مہموم ہے کہ میں انہیں اتنی ڈھیل دے رہا ہوں کہ ان کی ہلاکت کا سامان ہوجائے۔

جواہر لال ان واقعات کی وجہ سے بہت بے چین تھے حو یورپ اور ایشیا میں رومما ہو رہے تھے، اور انہیں ان جمہوری ریاستوں کے انحام کی بہت فکر تھی۔ ان کی طبیعت انہیں ان سے ہمدردی کرے پر آمادہ رکھتی تھی، اور وہ چاہتے تھے کہ جہاں تک ہوسکے ان کی مدد کریں۔ اس لئے ان کا رجحان کرپس کی تجویروں کو منظور کرنے کی طرف تھا۔ مگر ہندوستان میں انگریزوں کی محالعت کا جذبہ اتنا شدید تھا کہ وہ اپنی بات

صاف صاف اور اصرار کے ساتھ نہیں کہہ سکتے تھے۔ لیکن میں ان کے دل کی بات کو جسے وہ زبان پر نہیں لا سکتے تھے اچھی طرح سمجھتا تھا اور مجموعی طور پر میں ان کا ہمدرد اور ہم خیال تھا۔

کانگریس کی ورکنگ کمیٹی کے دوسرے ممبر حگ کے بارے میں کوئی پختہ رائے نہیں رکھتے تھے۔ ان کی نظریں رہمائی کی تلاش میں گاندھی جی کی طرف الٹتی تھیں۔ صرف راج گوپال آچاری ان میں شامل نہیں تھے۔ وہ پوری طرح سے کرپس کی تحویزوں کو منظور کرے کے حامی تھے، مگر ان کی رائے کا کچھ وزن نہیں تھا۔ یہ افسوس کی بات تھی کہ کانگریس کے حلقوں میں سمجھا جاتا تھا کہ ان میں اور کسی موڈریٹ میں تمیز کرنا مشکل ہے۔

ورکنگ کمیٹی نے تحویروں پر دو دن تک بحث کی مگر کسی نتیجہ پر نہ پہنچ سکی۔ تب مجھے محسوس ہوا کہ سر سٹیورڈ سے کئی مسئلوں کی وضاحت کرائے اور ان کے بارے میں تفصیلی معلومات حاصل کرے کی ضرورت ہے۔ بنیادی سوال یہ تھا کہ ایکریکیوٹو کاؤنسل کے اختیارات کیا ہوں گے؟ سر سٹیورڈ نے تجویز کیا تھا کہ کاؤنسل کو قائم رکھا جائے، لیکن اسے اس طرح مرتب کیا جائے کہ ہندوستان کی سیاسی پارٹیوں کے منتخب کئے ہوئے لوگ اس کے ممبر ہوں۔ انہوں نے زبانی مجھے یقین دلایا تھا کہ وائسرائے کی حیثیت ایک دستوری حکمران اعلیٰ کی سی ہوگی۔ ورکنگ کمیٹی نے خواہش ظاہر کی کہ بات کو



واضح طرز پر معاہدے کی شرطوں میں شامل کیا جائے۔ اسی بیت سے میں بے یکم اپریل سنہ ۱۹۴۲ء کو کرپس سے دوبارہ ملاقات کی۔

یہ ملاقات فیصلہ کن تھی۔ ہم کوئی تین گھنٹے تک گفتگو کرتے رہے۔ میں بے دیکھا کہ پہلی ملاقات کے بعد سے اس وقت تک سرسٹیمرڈ کے نقطہ نظر میں بنیادی تبدیلی ہو گئی ہے۔ اب وہ جو جواب دے رہے تھے ان کی کیفیت پہلی ملاقاتوں کے جوابوں سے بالکل مختلف تھی۔ جب میں بے ان سے ایکریکیوٹو کاؤنسل کی حیثیت کے بارے میں سوال کیا تو انہوں نے کہا مجھے امید ہے کہ جگ کے دوراں میں بھی وہ ایک کایہ کے طریقہ پر کام کرے گا۔ میں بے دریافت کیا کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ کاؤنسل تمام مسئلے کثرت رائے کے مطابق طے کرے گی اور اس کے فیصلے آخری فیصلے ہوا کریگے؟ کرپس بے مہم سا جواب دیا۔ وہ بالکل صاف صاف یہ نہیں کہتے تھے کہ وائسرائے آخری فیصلہ کرے گا، لیکن جو کچھ وہ کہتے تھے اس سے یہ مترشح ہوتا تھا کہ کاؤنسل کو فیصلے کرے کی پوری اور غیر محدود آزادی ہوگی۔ انہوں نے اس کا عذر یہ پیش کیا کہ وائسرائے کی اس وقت جو حیثیت ہے وہ قانون میں تبدیلی کئے بغیر نہیں بدلی جاسکتی۔ لیکن انہوں نے بار بار اس بات پر زور دیا کہ قانون کے اعتبار سے صورت حال کچھ بھی ہو وائسرائے کا عمل ایک دستوری حکمران اعلیٰ کا سا ہوگا۔

میں بے سرسٹیمرڈ کو یاد دلایا کہ پہلی ملاقات کے وقت اس

معاملے میں ان کی رائے زیادہ واضح اور قطعی تھی وہ مجھ سے بحث کرتے رہے اور یقین دلاتے رہے کہ انہوں نے بنیادی طور پر اپنا رویہ نہیں بدلا ہے۔ اس وقت وہ جس مفہوم کو بیان کرنا چاہتے تھے وہ وہی تھا جسے وہ اس وقت بیاں کر رہے ہیں میں نے انہیں یاد دلایا کہ میرے سوال کے جواب میں انہوں نے قطعیت کے ساتھ کہا تھا کہ ایکریکیوٹو کاؤنسل کا طریق کار بالکل ویسا ہی ہوگا جیسا کہ کابینہ کا۔ مگر آج وہ مجھ سے کہہ رہے تھے کہ قانونی صورت حال میں تبدیلی پڑے گی۔ اور وہ یہ کہہ کر مجھے مطمئن کرنا چاہتے تھے کہ انہیں امید ہے کہ کاؤنسل ایک کابینہ کی طرح کام کریگی۔ میں نے پہلی ملاقات سے حواثر لیا تھا وہ کچھ اور تھا۔ میں نے انہیں یہ بھی یاد دلایا کہ انڈیا آفس اور وزیر ہند کے بارے میں ہماری کیا گفتگو ہوئی تھی اس وقت انہوں نے کہا تھا کہ وزیر ہند کا طریق کار وہی ہوگا جو کامں ولتھ کے وزیر کا ہوتا ہے لیکن اب وہ کہہ رہے تھے کہ انڈیا آفس یا وزیر ہند کی حیثیت بدلے کے لئے پارلیمنٹ کے ایک نئے قانون کی ضرورت ہوگی۔ کریس نے کہا کہ ان کا خیال یہ ہے کہ عملاً انڈیا آفس کے طریق کار کی بنیاد پڑے گی۔ لیکن ایسا قانون بنانے میں دشواریاں ہیں جو وزیر ہند کی حیثیت کو بدل کر اُسے کامں ولتھ کے وزیر کی سی کر دے۔

اس کے بعد میں نے اختتامِ حگ پر ہندوستان کی آرا دی کو تسلیم کرے کا مسئلہ اٹھایا۔ کریس نے کہا کہ حگ کے بعد ہندوستان کے مسئلے پر ایک نئے راویہ سے عور کیا جائے گا

اور ہندوستان کو اس کا موقع ہوگا کہ اپنے مستقل کے بارے میں خود فیصلہ کرے۔ انہوں نے کہا کہ ایک دوست کی حیثیت سے مجھے وہ مشورہ دیں گے کہ ہم نئے سوالات کر کے نئی دشواریاں پیدا نہ کریں۔ ہندوستانیوں کو چاہئے کہ ان کی تحویزوں کی طاہری قدر کا لحاظ کر کے انہیں قبول کر لیں اور آگے بڑھیں۔ ان کے اپنے دل میں کوئی شبہ نہیں تھا کہ اگر جنگ کے دوران میں ہندوستان بے برطانیہ کے ساتھ پورا تعاون کیا تو جنگ کے بعد اس کی آزادی یقینی ہے۔

ہندوستان میں اور کسی قدر دوسرے ملکوں میں بھی اس بارے میں بہت خیال آرائیاں ہوئی ہیں کہ پہلی اور دوسری ملاقات کے درمیان سرسٹیرڈ کرپس نے اپنی پوریش کیوں بدل دی اس کا ایک سبب یہ ہوسکتا ہے کہ سرسٹیرڈ کو امید تھی کہ اپنی دل نشیں باتوں اور خوشگوار انداز سے کانگریس کو راضی کر لینگے چاہے سیادی صورت حال میں کوئی تبدیلی نہ ہو۔ انہوں نے شروع میں قطعیت کے ساتھ بعض باتوں کا یقین دلایا تھا تاکہ پہلا اثر اچھا پڑے۔ مگر جب ان کی تحویروں کی تفصیلی حاج اور خود ان سے حرج کی گئی تو انہیں ضرورت محسوس ہوئی کہ احتیاط سے کام لیں اور ایسی اُمیدیں نہ دلانیں جنہیں پورا کرنا ان کے بس میں نہ ہو۔ ایک اور سبب یہ بتایا جاتا ہے کہ پہلی اور دوسری ملاقات کے درمیان جو واقعہ ہوا اس میں حکومت ہند کے افسران اعلیٰ ان پر اپنا اثر ڈالنے لگے۔ وائسرائے اور اس سے متعلق لوگ ہر وقت انہیں گھیرے رہتے تھے، اور شاید یہ لازمی بھی تھا

کہ ان کے خیالات کسی نہ کسی حد تک اسی رنگ میں رنگ  
 حائیں۔ تیسرا امکانی سب یہ ہوسکتا ہے کہ اس وقفہ میں دہلی  
 اور لندن کے درمیان تبادلہ خیال ہوا تھا، اور برطانوی وزارت  
 بے ایسی تارہ ہدایات بھیجی تھیں جن سے سر سٹیفورڈ کو محسوس  
 ہوا کہ اگر انہوں نے بہت زیادہ دیے کا وعدہ کر لیا تو ساری  
 کارروائی مسترد کردی جائیگی۔

اصل سب کیا تھا یہ قطعی طور پر نہیں کہا جاسکتا۔ بہت  
 ممکن ہے کہ حو باتیں اوپر بیان کی گئی ہیں ان میں سے ہر ایک  
 کا صورت حال کو بدلنے میں کچھ نہ کچھ دخل ہو۔ کرپس اصل  
 میں وکیل تھے اور ان کا میلان اس طرف تھا کہ واقعات کو ایسی  
 امید افرا شکل میں پیش کریں جو حقیقت حال کو دیکھتے ہوئے  
 مبالغہ آمیز ہو۔ ان کا میلان اس طرف بھی تھا کہ واقعات کو اپنے  
 شخصی نقطہ نظر سے دیکھیں، اور اپنے مدمقابل پر اثر ڈالنے  
 کے لئے صورت حال کے بیاں کو زیادہ سے زیادہ اپنے مفید  
 مطلب بنائیں۔ جب بعد میں ہم نے انہیں ان کے قول کا پابند کرنا  
 چاہا تو وہ محوراً پیچھے ہٹنے لگے۔ مجھے معلوم ہوا کہ ماسکو  
 میں بھی انہوں نے اسی طرح کبھی کبھی ایسی باتیں کیں جن کا انہیں  
 محاذ نہیں کیا گیا تھا۔ لیکن اس کی ایسی توجیہ بھی کی جاسکتی  
 ہے جس سے ان پر اتنا الزام نہ آئے۔ وہ انگریز تھے، اور انگریز  
 تحریری معاہدوں سے زیادہ عمل اور رسم پر زور دیتے ہیں۔  
 غالباً وہ خلوص کے ساتھ سمجھتے تھے کہ جب ایک مرتبہ ان  
 کی تجویزیں مان لی جائیں گی، تو جس دستوری رسموں کی طرف

ابھوں بے پہلی ملاقات میں اشارہ کیا تھا وہ قائم ہوحائیں گی لیکن طاہر ہے وہ اس کی ماصاطہ دمہ داری ہیں لے سکتے تھے اور حہ ہم بے مطالبہ کیا کہ ہمیں اس کا ماصاطہ طور پر یقین دلایا جائے تو ابھیں اس پورشس سے ہٹا پڑا حسے ابھوں بے پہاے اختیار کیا تھا

اس طرح حہ ورکگ کمیٹی کا ۲ اپریل کو دوبارہ حاسہ ہوا کہ سرسٹیفیڈ کرپس سے میری دوسری ملاقات کے نتیجے پر عور کیا جائے تو میں بے حالات کی مالکل ہی شر تصویر پیش کی۔ میں بے مدرحہ دیل طریقے پر مسائل زیر بحث کا حلاصہ بیاں کیا۔

۱۔ مجھے یہ صاف نظر آرہا تھا کہ حگ کے دوراں میں برطانوی حکومت ہندوستان کو اختیارات متقل کرے پر تیار ہیں ہے۔ انگریز محسوس کر رہے تھے کہ اس میں بہت بڑا خطرہ ہے، اور وہ اپنے آپ کو اس خطرے میں ہیں ڈالا چاہتے تھے۔

۲۔ حگ کے حالات اور حاص طور سے امریکہ کے دماؤ بے انگریزوں کے رویہ میں کسی قدر تبدیلی پیدا کر دی تھی۔ اب چرچل کی حکومت بھی محسوس کر رہی تھی کہ ہندوستان کو اپنی مرصی سے حگ میں اشتراک عمل کا موقع مانا چاہئے۔ یہی وحہ تھی کہ وہ حالص ہندوستانی بمروں پر مشتمل ایکریکیوٹو کاؤنسل سارے اور اس کے اختیارات میں کچھ اصافہ کرنے پر آمادہ ہوگئے تھے۔ مگر قابوی اعتبار سے کاؤنسل کی حیثیت ایک کابیہ کی سی نہ ہو جاتی، بلکہ وہ کاؤنسل ہی رہتی۔

۳۔ یہ ممکن تھا کہ عملاً وائسرائے قانون کو برتے ہیں رعایت سے کام لیتا، اور معمولاً کاؤنسل کے فیصلوں کو منظور کر لیتا۔ لیکن کاؤنسل اس کے ماتحت ہی رہتی اور آخری فیصلہ کرے کی ذمہ داری خود اس پر رہتی، کاؤنسل پر یہ رہتی۔

۴۔ اس سے یہ نتیجہ نکلتا تھا کہ ورکنگ کمیٹی بے حوصلہ سیادی سوال کیا تھا کہ آخری فیصلہ کرے کا اختیار کس کو ہوگا، اس کا جواب یہ تھا کہ یہ اختیار وائسرائے کو حاصل ہوگا۔

۵۔ مستقل کے بارے میں کہا جاسکتا تھا کہ برطانوی حکومت، کرپس کے بیاں کے مطابق ہندوستان کے مسئلے پر ایک نئے راویہ سے عور کر سکتی ہے، مگر یہ بات ہرگز یہی نہیں تھی کہ لڑائی مد ہوتے ہی ہندوستان آزاد ہو جائے گا

۶۔ ظاہر ہے اس کا قوی امکان تھا کہ جنگ کے بعد مسٹر چرچل کی کیروویٹو وزارت کی جگہ کوئی نئی وزارت آجائے گی یہ ممکن تھا کہ نئی وزارت ہندوستان کے مسئلے پر زیادہ سمجھ اور ہمدردی کے ساتھ عور کرے، مگر یہ کھلی ہوئی بات تھی کہ اس امکانی صورت کو (کرپس کی) تحویر میں شامل نہیں کیا جاسکتا تھا

۷۔ اس سے یہ نتیجہ نکلتا تھا کہ اگر کانگریس بے کرپس کی پیش کش کو منظور کر لیا تو اس کا مطالبہ یہ ہوگا کہ جنگ کے بعد ہندوستان کے مستقل کے بارے میں کسی بات کا صاف صاف یقین دلایا گیا ہے۔

ہم بے ان مسائل پر اس اعلان کی روشنی میں بحث کی جو کرپس مش کے بھیجنے کے موقع پر بی۔ بی۔ سی۔ نے کیا تھا

اس وقت یہ صراحت کے ساتھ بتایا گیا تھا کہ ہندوستان کو اپنے مستقبل کے بارے میں فیصلہ کرے گا موقع دیا جائے گا پہلی ملاقات کے وقت بھی کرپس نے اس انداز میں گفتگو کی تھی، مگر جیسے جیسے گفت و شنید کا سلسلہ بڑھتا گیا اعتماد اور امید کی کیفیت متی گئی۔

کیفیت اور سما کی تبدیلی کے اور اسباب بھی رہے ہیں میں دکر کر چکا ہوں کہ جب سرسٹیمبرڈ ہندوستان آئے تھے تو انہوں نے وائسرائے سے کئی سیاسی لیڈروں کو گفتگو کے لئے بلائے کو کہا ان میں سے ایک مرحوم مسٹر الہ بخش بھی تھے ہندوستان میں کچھ وقت گزارنے کے بعد معلوم ہوا کہ غالباً وائسریگل لاج کے اثر کی وجہ سے کرپس نے اس نقطہ نظر بدل دیا ہے وائسرائے کے دعوت بھیجے پر الہ بخش دہلی آئے تھے اور اس کا انتظار کر رہے تھے کہ سرسٹیمبرڈ سے ملاقات کے لئے وقت مقرر ہو، مگر وقت مقرر نہیں کیا گیا یہ بات ہے تکی سی معلوم ہوئے لگی، اس لئے میں نے کرپس سے اس کا ذکر کیا اور انہوں نے کہا کہ الہ بخش سے حاد ملاقات کریں گے اس کے وعدہ کے بعد بھی کوئی وقت مقرر نہیں کیا گیا۔ اس پر الہ بخش کو عہہ آگیا اور انہوں نے کہا کہ اب وہ دہلی میں زیادہ نہیں ٹھہریں گے۔ جب میں نے یہ سنا تو میں نے سرسٹیمبرڈ سے صاف صاف بات کی اور کہا کہ ان کے اس رویے سے صرف الہ بخش کی توہین نہیں ہوئی ہے بلکہ مسلمانوں کی اس جماعت کی بھی جس کے وہ نمائندے ہیں۔ اگر حکومت کو اس میں شک تھا کہ انہیں



بلانا مناسب ہوگا یا نہ ہوگا تو انہیں ملاقات کی دعوت ہیں دیا چاہئے تھا۔ لیکن چونکہ ان کے نام دعوت نامہ جا چکا تھا، اس لئے اب ان سے باقاعدہ ملاقات بھی کرنا چاہئے۔ میری مداخلت کا نتیجہ یہ ہوا کہ دوسرے دن سرسٹیرڈ اور الہ محش کی ملاقات ہوگئی۔ مگر گفتگو صرف ایک گھنٹے کے لئے اور عام مسائل پر ہوئی اس واقعے سے مجھے بہت ناگواری ہوئی، مجھے محسوس ہوا کہ مشکل سیاسی مسئلوں کو طے کرے کا یہ طریقہ ہیں ہے، کرپس کا طرر عمل ایک مدتر کا سا ہیں تھا۔

ایک اور واقعہ ہے بھی میری طبیعت کو بدمرہ کر دیا جیسے ہی برطانوی کابینہ کی تحویریں تحریری شکل میں شائع کی گئیں، ہندوستان کے اخباروں نے اعتراضات کی بھرمار کردی، اور ان میں وہ اخبارات پیش پیش تھے جس میں عام طور پر کانگریس کا نقطہ نظر بیان کیا جاتا تھا کرپس نے مجھے اسی زمانے میں جب کہ کانگریس ورکنگ کمیٹی کا جلسہ ہو رہا تھا، ایک خط میں لکھا کہ انہیں امید ہے میں تحویر پر فراحذلی سے عور کرونگا، اگرچہ »ہندو« اخباروں نے اس پیش کش پر حوشی کا اظہار نہیں کیا ہے۔ مجھے ہندو اخباروں کی طرف یہ اشارہ بہت بے تکا لگا۔ کچھ یہ خیال بھی ہوا کہ انہوں نے اخباروں کو »ہندو« اس لئے کہا ہے کہ میں مسلمان ہوں۔ اگر انہیں تصرے پسند نہیں آئے تھے تو وہ اس کا ذکر کرتے ہوئے ہندوستانی اخباروں یا ایک خاص خیال رکھے والے اخباروں کی طرف اشارہ کر سکتے تھے۔ میں نے انہیں جواب دیا کہ مجھے ان کے لفظ »ہندو«

احرار استعمال کرے پر بڑی حیرت ہوئی ہے اور میں سمجھتا ہوں کہ مختلف خیال کے ہندوستانی احراروں میں اس سیاد پر امتیاز کرے کی کوئی معقول وجہ نہیں ہے۔ میں نے ان کو یقین دلایا کہ کانگریس ورکنگ کمیٹی صرف قومی اور ملکی نقطہ نظر سے ان کی تحویروں پر غور کرے گی اور فیصلہ کرتے ہوئے مختلف خیالات رکھے والے گروہوں اور جماعتوں کا احاطہ رکھے گی۔

میں ۲۹ مارچ سے ۱۱ اپریل تک لمبے اجلاس میں تقریباً صبح سے شام تک ورکنگ کمیٹی کے ممبروں کے ساتھ رہتا تھا ۲ اپریل کے بعد سے قریب قریب ہر شام کو میری کرپس سے ملاقات ہوتی تھی، ان ملاقاتوں کے وقت حواہر لال بھی موجود رہتے تھے مجھے جیسے ہی اطلاع ملی کہ کرپس آئے والے ہیں، میں بے ورکنگ کمیٹی کے ارکان کے نام ایک گشتی مراسلہ بھیجا کہ ان سے کسی عمر کو الگ ملاقات نہ کرنا چاہئے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ ایسی معرق ملاقاتوں سے غلط فہمیاں پیدا ہوسکتی ہیں اور ہوتی بھی ہیں اس کے علاوہ میں بے خط میں لکھا کہ اگر ورکنگ کمیٹی کا کوئی عمر کسی خاص مسئلے پر گفتگو کرے کے لئے یا پرانے تعلقات کی خاطر کرپس سے ملا چاہتا ہو تو ملے سے پہلے وہ مجھے اپنے ارادے کی اطلاع کر دے۔

کرپس بے مجھ سے شکایت کی کہ اس سے پہلے جب وہ ہندوستان آئے تھے تو ورکنگ کمیٹی کے بہت سے ممبروں سے ملے تھے، مگر اس مرتبہ انہیں معلوم ہوا کہ میں بے پاسدی لگادی

ہے اور ہر ایک ان سے ملاقات کرے سے گریز کرنا ہے اگر کسی محل میں ان سے مڈ بھیڑ ہو جاتی ہے تب بھی کوئی کسی معاملے میں رائے نہیں دیتا، اس خیال سے کہ کانگریس کے صدر کو اس پر اعراض ہو سکتا ہے۔

میں بے کرپس سے کہا کہ جب کوئی ذمہ دار جماعت حکومت سے گفتگو کرے تو یہ صرف اس کے مامور کردہ سائنڈوں کے ذریعہ ہوں چاہئے۔ ورکنگ کمیٹی بے فیصلہ کیا تھا کہ گفتگو کانگریس کا صدر کرے گا، اس لئے یہ مناسب نہیں تھا کہ ورکنگ کمیٹی کے دوسرے ممبر اپنے طور پر گفتگو کریں لیکن اگر وہ ورکنگ کمیٹی کے کسی ممبر سے کسی وجہ سے بھی ملنا چاہتے ہوں تو میں حوشی سے اس کا انتظام کر دوں گا

کرپس بے کہا کہ انہیں بھولا بھائی دیسائی سے ملے کی ہمت خواہش ہے۔ جب وہ پچھلی دفعہ ہندوستان آئے تھے تو بھولا بھائی کے ہاں ٹھہرے تھے انہوں نے کھادی کے اس سرٹ کی طرف حیرت اس وقت وہ پہلے تھے اشارہ کرتے ہوئے مسکرا کر کہا کہ یہ کپڑے بھی حو میں پہنے ہوں یہ بھی بھولا بھائی دیسائی کا عطیہ ہے

میں نے بھولا بھائی دیسائی سے کہا کہ وہ سرسینہ رڈ سے ماہیں اور انہوں نے ان سے ملاقات کی۔ کرپس کی تحویر پر ورکنگ کمیٹی میں بحث جاری رہی۔ گاندھی جی اسے منظور کر کے خلاف، خواہر لال اس کے موافق تھے۔ مجھے دونوں سے اختلاف تھا۔ گاندھی جی حگ کے مخالف تھے، اس لئے وہ تحویر کے خلاف تھے۔ خواہر لال اسے منظور کرنا چاہتے تھے

ان لئے کہ ابھی جمہوری ریاستوں سے لگاؤ تھا مارشل  
چیانگ کائی شک ہے ہندوستانیوں سے جو اپیل کی تھی اس کا بھی  
ان پر اثر تھا اس لئے وہ سمجھتے تھے کہ تحویروں کو منظور  
کرایا جائے اگر اس سے کسی طرح کانگریس پر ایسے اصولوں  
کی خلاف ورزی کرے گا آرام نہ آئے جہاں تک میرا تعلق تھا،  
مرے پاس تحویروں کو پرکھنے کے لئے س ایک کسوٹی تھی،  
اور وہ یہ کہ برطانوی حکومت کی تحویر ہندوستان کی آزادی کا  
یس حیمہ ہوگی یا نہیں؟ اگر وہ ہوگی تو ہمیں بحر محو طاب  
دہی کے اسے ماں لیا چاہئے، ورنہ اسے قطعاً نامعلوم کر دیا  
جائے۔ مرا واحد معیار ہندوستان کی آزادی تھا

میں گھنگو کے دوراں میں برابر کوشش کرتا رہا کہ کرپس  
کی پیش کس کر ایسی شکل دی جائے جو اسے ہمارے لئے  
قابل قبول بنادے میں ایسی دستور رسم قائم کرانا چاہتا تھا جس  
کے مطابق وائسرائے کی کونسل عملاً ایک کابینہ کی حیثیت سے  
کام کرتی اور وائسرائے دستوری حکمران اعلیٰ ہوجاتا۔ میرا خیال  
تھا کہ اگر اس ایک مسئلے کے بارے میں ہمیں اطمینان ہوجائے  
وہیں پس کش کو منظور کر لیا جائے اور جنگ کے دوراں  
میں قانون کے ذریعے اختیارات منتقل کئے جائے پر اصرار نہ  
کرنا چاہئے۔

جیسا کہ میں اوپر بیاں کر چکا ہوں، اس گفتگو سے دو  
ہفتے تک طول کھیچا۔ دن میں ورکنگ کمیٹی کا اجلاس ہوتا،  
شام کو میں کرپس سے ملتا، اور اپنی گفتگو کے بارے میں

دوسرے دن ورکنگ کمیٹی میں رپورٹ پیش کرنا۔ ورکنگ کمیٹی کے اجلاس کے وقت کرپس وائسرائے سے تبادلہ خیال کرتے ہوئے کو مجھے معلوم ہوا کہ اس مدت میں کرپس بے تین مرتبہ حرجل سے مشورہ کیا ممکن ہے انہوں نے کابینہ کے دوسرے ارکان سے بھی مشورہ کیا ہو۔

کرپس برابر اصرار کرتے رہے کہ حگ کے دوران میں حگ کے انتظامی لوازمات ہی کو مدنظر رکھ کر فیصلہ ہو جانا چاہئے۔ حگ اب ایک سرل پر پہنچ گئی تھی جہاں اور کچھ نہیں تو اس کے جغرافیائی مقام کی بدولت ہندوستان پر بہت بھاری ذمہ داری آجاتی تھی اس لئے یہ ضروری تھا کہ ایکریکیوٹو کاؤنسل کی رائے طلب کی جائے، اور خود برطانوی کابینہ کو ہندوستان کی ایکریکیوٹو کاؤنسل کا سہارا لیا پڑے گا ان کا دعویٰ یہ تھا کہ ایسی حالت میں کاؤنسل کے قانونی اختیارات میں اضافہ کرے یا اس بات کو واضح طور پر تحریر میں لائے کی ضرورت نہیں ہے کہ آخری فیصلہ کرے گا اختیار کاؤنسل کو ہوگا حالات کی رو اُن ہندوستانی لیڈروں پر جو کاؤنسل کے ممبر ہوں گے، رور ماہروں ذمہ داریاں ڈالی رہے گی لارڈ ویول اس زمانے میں ہندوستان کے کمانڈر انچیف تھے۔ کرپس کی اُن سے کئی بار گفتگو ہوئی اور انہوں نے تحویر کیا کہ میں بھی اُن سے ملوں، اس خیال سے کہ اگر میں اُن سے ملا اور انہوں نے مجھے حگ کی صورت حال سمجھائی تو اس کا میرے اوپر اچھا اثر پڑے گا اسی بنا پر انہوں نے مجھے لکھا کہ ویول سے ملاقات کروں، اور جب میں

حوشی سے راضی ہو گیا تو انہوں نے وقت مقرر کرا دیا۔ وہ خود حواہر لال کو اور مجھے ویول کے پاس لے گئے ہمارا رسمی تعارف کرایے کے بعد وہ چلے گئے اور ہم ویول کے ساتھ ایک گھٹے سے زیادہ باتیں کرتے رہے، مگر ان سے کوئی ایسا نتیجہ نہ نکلا جسے ہمارے بنیادی سوال کا جواب کہا جاسکتا۔ اس موقع پر ویول نے سپاہی کے بجائے سیاست دان کے انداز سے گفتگو کی، اور اصرار کرتے رہے کہ جنگ کے زمانے میں فوجی مصاحبتوں کو اور تمام معاملوں پر فوقیت حاصل ہونا چاہئے میں نے اس سے انکار نہیں کیا، مگر ساتھ ہی یہ کہا کہ ہمیں اس مسئلے سے خاص مطلب ہے کہ ہندوستان کی حکومت میں کس کا اختیار کارفرما ہوگا ویول اس مسئلے پر کوئی روسی نہ ڈال سکے

ہمارے اصرار کی وجہ سے یہ تحویر کیا گیا تھا کہ جنگ سے متعلق تمام معاملات ایکریکیوٹو کاؤنسل کے ایک ممبر کے سپرد ہوں گے۔ کرپس نے ہم کو باور کرایا چاہا کہ اس طرح جنگ کی پالیسی اور انتظام میں ہندوستان کی شرکت یقینی ہو جائے گی، پھر بھی وہ ہمیں سمجھا نہ سکے کہ ہندوستانی ممبر اور کمانڈر انچیف کا تعلق کیا ہوگا۔ انہوں نے ویول سے میری ملاقات اسی مسئلے پر بحث کرے کی عرص سے کرائی تھی، لیکن میں نے جب ویول سے پوچھا کہ کاؤنسل کے ہندوستانی ممبر کا منصب وہی ہوگا جو کہ ایک دمہ دار رک کا بیہ کا، تو وہ کوئی صاف جواب نہ دے سکے۔ ان سے گفتگو کر کے میں نے جو نتیجہ نکالا وہ یہ

تھا کہ ہندوستانی عہد پر دمہ داریاں تو ہوں گی مگر اسے احمیات حاصل نہ ہوں گے اس کے سپرد فوجی کیٹیوں، کسیریت اور ٹرمیس پورٹ سے متعلق امور ہوں گے، بری، بحری اور ہوائی فوجوں کے معاملوں میں اسے ہوائے کا حق نہ ہو گا۔

مختصراً صورت حال یہ تھی کرپس کی تحویر میں اس بات پر اصرار کیا گیا تھا کہ جنگ کے بعد ہندوستان کی خود مختاری تسلیم کر لی جائے گی، لیکن جنگ کے دوروں میں صرف اس قدر تبدیلی ہوگی کہ انگریزوں کاؤسل بالکل ہندوستانی ہو جائے گی اور مختلف پارٹیوں کے سیاسی ایڈروں پر متحمل ہوگی فرقہ واری مسئلے کے بارے میں کرپس نے اس کا کہا کہ جنگ کے بعد صوبوں کو نہ طے کرے گا کہ وہ یونین میں شامل ہوں یا نہ ہوں

میں نے کرپس کی اس سیادی تحویر پر اعتراض نہیں کیا تھا کہ ہندوستان کو جنگ کے بعد خود مختار تسلیم کیا جائے گا لیکن میں یہ محسوس کرتا تھا کہ اگر عملاً احمیات اور دمہ داری کو جنگ کے دوران میں مستقل نہ کیا گیا تو جو تبدیلی تحویر کی جا رہی تھی اس کے کچھ معنی نہ ہوں گے پہلی ملاقات میں کرپس نے مجھے یقین دلایا تھا کہ کاؤسل ایک کابینہ کے طریقے پر کام کرے گی، مگر گت و شید کے دوروں میں پتہ چل گیا کہ یہ ایک شاعرانہ مبالغہ تھا۔ اور دراصل ان کی تحویر کچھ اور تھی۔

صوبوں کو یونین میں شامل ہونے یا نہ ہونے کا جو اختیار دیا



گیا ہا وہ اس سے بھی زیادہ بڑی رکاوٹ تھا۔ گاندھی جی اس سے اور اس کے علاوہ فرقہ واری مسئلے کے اس حل سے جو کرپس نے پیش کیا تھا بہت پریشان اور محالمت پر آمادہ ہو گئے تھے۔ کرپس سے یہاں ملاقات کے بعد جب میں ان سے ملا تو مجھے فوراً محسوس ہوا کہ گاندھی جی کرپس کی پیشکش کو بالکلاً قابلِ سزا سمجھتے ہیں، اس بنا پر اس سے ہماری دشواریاں زمرہ حائیں گی اور فرقہ واری مسئلے کا تسعہ ناممکن ہو جائے گا۔ میں نے اس حاصِ نکتہ پر اور ان نتیجوں پر جو اس سے نکلے تھے کرپس کے ساتھ بمصلحت سے گفتگو کی اور ان کی اور برطانوی کابینہ کی نظر میں جو کچھ تھا اسے صاف صاف بیان کر دیا۔ کرپس نے مجھے یقین دلایا چاہا کہ ہندوستان (کی آزادی) کا سیاسی مسئلہ اس وقت تک طے نہ ہو سکے گا جب تک کہ فرقہ واری مسئلے کو حل نہ کر لیا جائے۔ اس کے لئے دو طریقوں میں سے ایک اختیار کیا جاسکتا ہے۔ یا تو اسے فوراً حل کیا جائے، یا اس کے فیصلے کو حگ کے بعد تک کے لئے ملتوی کیا جائے، جب اقتدار ہندوستانیوں کے ہاتھ میں ہوگا۔ کرپس نے کہا کہ ان کی رائے میں اس مسئلے کو اس وقت اٹھانا غلط ہوگا، کیونکہ اس سے ہماری دشواریاں اور زمرہ حائیں گی قابلِ عمل صورت صرف یہ ہے کہ حگ کے خاتمے کا انتظار کیا جائے پھر انہوں نے مجھے یقین دلایا کہ اگر ہندو اور مسلمان کسی سمجھوتے پر متفق ہو جائیں تو یہ معاملہ اب بھی طے ہو سکتا ہے۔

میں بے کرپس سے کہا کہ صوبوں کو وفاق سے الگ رہنے کا حق دیے کا مطالبہ یہ ہوگا کہ ملک کو تقسیم کرے کی راہ نکالی جاری ہے۔ کرپس بے اپنی مدافعت کی کوشش کرتے ہوئے کہا کہ یہ حق کسی خاص مذہبی جماعت کو نہیں بلکہ صوبے کو مجموعی طور پر دیا جائے گا، اور انہیں پوری امید ہے کہ اگر یہ تسلیم کر لیا گیا کہ صوبوں کو وفاق سے الگ رہے کا حق ہے تو کوئی صوبہ اس سے فائدہ نہ اٹھانا چاہیگا، اگر یہ حق نہ دیا گیا تو اس سے بدگمایاں پیدا ہوں گی۔ صوبے اس مسئلے پر ٹھٹھے دل سے اسی وقت غور کریں گے جب انہیں احساس ہوگا کہ انہیں فیصلہ کرے کی پوری آرادی ہو گی۔

ایک مرتبہ جب ہم صبح کو اس مسئلے پر بحث کرچکے تھے کرپس بے مجھے شام کے وقت ٹیلی فون کیا کہ اگلے دن سر سکندر حیات جاں ان سے ملے آرہے ہیں۔ انہیں امید بھی کہ سر سکندر فرقہ واری مسئلے کو حل کرے میں مفید ثابت ہوں گے، اس لئے کہ پنجاب ایسا صوبہ تھا جس میں مسلمانوں کی اکثریت تھی۔ اور اگر پنجاب بے ہندوستان میں شامل رہے گا فیصلہ کر لیا تو مسلم اکثریت رکھنے والے دوسرے صوبے اس کی تقلید کریں گے۔ میں نے ان سے کہا کہ مجھے اس کا یقین نہیں ہے کہ سر سکندر اس مسئلے کو طے کر سکیں گے، مگر چونکہ وہ دہلی آرہے ہیں تو میں ان سے حوشی سے ملوں گا

دوسرے دن سر سکندر دہلی آئے اور کرپس سے ملاقات کرے کے بعد وہ مجھ سے ملے۔ ان کا خیال تھا کہ کرپس کی

تحویر فرقہ واری مسئلے کا بہترین حل ہے ، اور انہیں یقین ہے کہ اگر علیحدگی کے مسئلے پر بحال اسمبلی میں ووٹ لٹے گئے تو فرقہ واری مصالحت کو نہیں بلکہ قومی مصالحت کو مد نظر رکھ کر فیصلہ کرے گی میں بے حواب دیا کہ میں یہ ماں لوں گا کہ اگر اسی وقت ووٹ لیا گیا تو عالساً ان کا اندازہ صحیح ثابت ہوگا، مگر یہ بتانا کہ حگ کے بعد کیا ہوگا ان کے اور میرے س کی بات نہیں ہے ، اور میں یہ بھی تسلیم نہیں کر سکتا کہ حگ کے بعد ان کا اتنا ہی اثر ہوگا جتنا کہ اس وقت ہے ۔

ہندوستانی ریاستوں کے متعلق کرپس کی تحویر یہ تھی کہ ان کے نمائندوں کو اپنی اپنی ریاستوں کے مستقل کے بارے میں فیصلہ کرے کی پوری آزادی ہوگی اس میں صوبوں کی طرح وفاق سے الگ رہے کا اختیار شامل تھا اصاف کی خاطر مجھے اس کا اعتراف کرنا چاہیے کہ ریاستوں کے نمائندوں سے گفتگو کرتے وقت کرپس بے صاف اور سیدھی بات کہی ۔ مہاراجہ کشمیر سے انہوں نے کہا کہ ریاستوں کا مستقل ہندوستان سے وابستہ ہے ۔ کسی ریاست کے حکمران کو اس مغالطہ میں نہ پڑنا چاہیے کہ اگر اس بے وفاق سے الگ رہے کا فیصلہ کیا تو برطانیہ کا بادشاہ اس کی مدد کو پہنچ جائے گا ۔ ان حکمرانوں کو مستقل کے بارے میں یکسوئی حاصل کرے کے لئے برطانیہ کے بادشاہ کی طرف نہیں بلکہ حکومت ہند کی طرف رجوع کرنا چاہیے ۔ مجھے یاد ہے کہ کرپس سے ملاقات کے بعد ریاستوں کے بیشتر نمائندے شکست خوردہ اور شرمندہ معارم ہو رہے تھے ۔

ورکنگ کمیٹی کرپس کی پیش کردہ تحویروں کے بارے میں ایک درء ایوشن کا مسودہ منظور کر چکی تھی یہ ان کے پاس ۲ اپریل کو بھیج دیا گیا تھا، لیکن اب تک کہ گفتگو کا سلسلہ منقطع نہیں ہوا یہ احمادوں کو اشاعت کے لئے نہیں بھیجا گیا۔ ہندوستان کو اختیارات منتقل کر دے کے مسئلے کے علاوہ ایک بڑا اختلاف کمانڈر اچیب اور انگریزیوٹو کاؤنسل کے اس ہندوستان میں کے دائرہ عمل کے بارے میں پیدا ہو گیا تھا، جو دفاع کا ذمہ دار ہوتا۔ کرپس کی تحویر تھی ہندوستانی میں کے سپرد خاص طور پر پبلک سے تعلقات، فوجی خدمت سے سبکدوشی، جنگ کے بعد تعمیر نو کے کام اور فوجیوں کی آسائش اور تفریح کا انتظام ہو کانگریس کے نزدیک یہ اختیارات بالکل نا کافی تھے اور اس کے جواب میں اس نے یہ تحویر پیش کی کہ دفاع کے ذمہ دار میں کو تمام اختیارات حاصل ہوں سوائے اس کے کہ کمانڈر اچیب کو جنگ کی تدابیر و انتظامات کے لئے تفویض کئے گئے ہوں۔ کرپس نے اس جواب میں چند تحویروں اور پیش کیں، لیکن چونکہ وہ تمام اہم فرائض کمانڈر اچیب کے سپرد کرنا چاہتے تھے اس لئے یہ بھی ناقابل قبول ثابت ہوئیں۔

میری کرپس سے ایک اور ملاقات ۹ اپریل کو شام کے قریب ہوئی اور میں نے ۱۰ اپریل کی صبح کو گفتگو کا نتیجہ ورکنگ کمیٹی کے سامنے بیان کیا ہم نے افسوس کے ساتھ یہ طے کیا کہ ہم برطانوی حکومت کی تحویروں کو ان کی موجودہ شکل میں منظور نہیں کر سکتے۔

چنانچہ ۱۰ اپریل ۱۹۴۲ء کو میں نے کرپس کو لکھا کہ مسودہ اعلان میں ہندوستان کے مسائل کے بارے میں جو نقطہ نظر احیاء کیا گیا ہے وہ نہ صرف خود غلط ہے بلکہ اس سے مستقبل میں اور بڑی پیچیدگیاں پیدا ہوں گی۔ انہوں نے ۱۱ اپریل کو اس کے جواب میں ثابت کرنا چاہا کہ ان کی تحویروں سے بہتر ہندوستان کے مسئلے کا اور کوئی حل ممکن نہیں ہے، اور اصرار کے ساتھ کہا کہ انہوں نے گفتگو کی کسی سرل پر اپنی رائے میں بدلی ہے انہوں نے (گفتگو کی ناکامیابی کا) الرام کانگریس پر لگائے کی کوشش کی، اور کہا کہ وہ خط کو شائع کرنا چاہتے ہیں میں نے اسی دن جواب دیا اور ان کے دعووں کو رد کرتے ہوئے لکھا کہ ہمارے خطوط کو پڑھ کر ہر غیر جانب دار ساہد کو یقین ہو جائے گا کہ ان کے مش کی ناکامیابی میں قصور ان کا ہے، کانگریس کا نہیں ہے میرے دونوں خطوں میں جو اہم باتیں تھیں وہ میں بیچے درج کر رہا ہوں، لیکن جس پڑھنے والوں کو اس سے دلچسپی ہو وہ پوری خط و کتابت کو صمیمہ میں دیکھ سکتے ہیں

میں نے ایسے ۱۰ اور ۱۱ اپریل ۱۹۴۲ء کے خطوں میں سرسٹھرد کو جو کچھ لکھا وہ مختصراً یہ ہے مسودہ اعلان میں موحیدہ حالات کی بہت سی مستقل پر زیادہ زور دیا گیا تھا، حالانکہ ہندوستان موحودہ نظام میں تبدیلی کا مطالبہ کر رہا تھا مستقبل کے بارے میں جو تحویریں تھیں ان میں سے بعض پر اعتراض ہونے کے باوجود قومی تحفظ کی خاطر کانگریس حکومت کے سمجھوتا کرنے پر تیار تھی، لیکن جس اور حوالہ آور کا

مقابلہ کرے کے لئے حدبانی فضا پیدا کرے کے واسطے ضروری تھا کہ حکومت قومی ہو۔ لوگوں کو احساس دلایے کی ضرورت تھی کہ وہ آزاد ہیں، تاکہ وہ اپنی اس آزادی اور اپنے ملک کا تحفظ کریں۔

میں بے اپنے حطوں میں یہ بھی کہا کہ کانگریس جنگ کے فنی معاملات اور فوجی کارروائیوں میں دخل دیے کا بالکل ارادہ نہیں رکھتی وہ اس کے لئے بھی تیار ہے کہ جنگ کے دوران میں ہندوستانی وزیر دفاع کے اختیارات کسی قدر محدود کر دئے جائیں، لیکن ہم اس بات کو بطور انداز نہیں کر سکتے تھے کہ ملک کی حفاظت وقت کا اہم ترین تقاضا ہے۔ یہ لارمی تھا کہ جنگ کے دوران میں نظام حکومت جنگ کی مصاحبتوں کا پابند رہے، اور دفاع کے اختیارات کو وائسرائے یا کمانڈر انچیف کے لئے مخصوص کر دیے کا مطلب یہ تھا کہ ہندوستان ان اختیارات سے بھی محروم رہے گا جس میں طاہر متقل کیا جا رہا تھا۔

ایک اور بات جس پر میں بے بہت زور دیا یہ تھی کہ کانگریس فرقہ واری مسئلے کو حل کرے کی اہمیت سے پوری طرح آگاہ ہے۔ ہمیں یہ تسلیم ہے کہ ہندوستانی سیاست کی گتھیوں کو سلجھاتے وقت کسی نہ کسی مرحل پر فرقہ واری جھگڑے اٹھ کھڑے ہوں گے اور انہیں پٹانا ہوگا۔ میں بے سرسٹھرڈ کو یقین دلایا کہ جیسے ہی ہندوستانی سیاست کے اصل مسئلے میں یکسوئی ہو جائے گی، ہم فرقہ واری اور دوسرے معاملوں کو قابل اطمینان طریقے پر طے کرے کی ذمہ داری اپنے اوپر لے لیں گے۔ مجھے

پورا اعتماد ہے کہ جیسے ہی قومی آرادی کا مسئلہ طے ہوجائے گا فرقہ واری احتلاہات کو ماسب صورت سے دور کیا جاسکے گا۔ پھر میں بے لکھا کہ مجھے افسوس ہے کہ جیسے جیسے ہم بے اہم معاموں پر گفتگو اور بحث کی، وہ تصویر حو انتدائی ملاقاتوں میں میرے دہں پر نقش ہوگئی تھی دھدلی پڑتی گئی، اور حب میں آخری بار ۹ اپریل کی رات کو ان سے ملا تو صورت حال کچھ اور تھی، اور معاہمت کی کوئی امید باقی نہیں رہی تھی چونکہ سر سٹیفرڈ بے لکھا تھا کہ وہ اپنے خط کو شائع کرے کا ارادہ رکھتے ہیں اس لئے میں بے اپنے جواب میں کہا کہ عالماً ابیں اس پر اعتراض نہ ہوگا اگر میں پوری خط و کتابت اور اس کے ساتھ ورکنگ کمیٹی کا ررولیش شائع کردوں۔ ابوں بے حواب دیا کہ ابیں کوئی اعتراض نہیں ہے، چنانچہ یہ سب ۱۱ اپریل کو احباروں کو بھیج دئے گئے۔

ررولیش کی عبارت یہ تھی۔

» ورکنگ کمیٹی بے پوری طرح سے اور حلوص کے ساتھ ان تحویروں پر عور کیا ہے حو برطانوی کابینہ بے ہندوستان کے بارے میں مرتب کی ہیں اور ان کی اس وضاحت پر حو سر سٹیفرڈ کرپس بے ابیں پیش کرتے ہوئے کی ہے، یہ تحویریں آخری گھڑی میں اور واقعات اور حالات سے محور ہوکر پیش کی گئی ہیں، اور ان پر عور کرتے وقت صرف اس کا لحاظ نہ رکھا چاہئے کہ ان کا ہندوستان کی آرادی کے مطالبے سے تعلق ہے، بلکہ اس بارک صورت حال کو دیکھتے ہوئے حو حگ نے پیدا کی



ہے ، ہمیں سوچنا چاہئے کہ ان کا تعلق ان خطروں کا مقابلہ کرے کی کارگر تدبیروں سے بھی ہے جن میں دیا اس وقت گہری ہے اور جو ایک بلا کی طرح ہندوستان کے سامنے کھڑے ہیں » ستمبر ۱۹۳۹ء سے ، جب کہ لڑائی شروع ہوئی تھی ، کانگریس نے بار بار بیان کیا ہے کہ ہندوستانی قوم دیا کی ترقی پسند قوموں کی صف میں کھڑی ہو کر ، جو نئے مسائل پیدا ہوئے ہیں انہیں حل کرے کی پوری ذمہ داری لے گی اور اپنے حصہ کا بوجھ اٹھائے گی ، اور اس سے خواہش کی ہے کہ اس کے لئے مناسب ماحول پیدا کیا جائے لیکن ہندوستان کی آرادی ایک لازمی شرط ہوگی ، کیونکہ صرف یہ احساس کہ آرادی مل گئی ہے ، لاکھوں دلوں کو روش کرے والے چراغ حلا سکتا ہے اور لوگوں کو عمل کے لئے تیار کر سکتا ہے ۔ بحر الکابل میں جنگ چھڑے کے بعد آل انڈیا کانگریس کمیٹی کا جو پچھلا اجلاس ہوا ، اس میں کانگریس کی طرف سے بیان کیا گیا کہ ، صرف آزاد اور خود مختار ہندوستان ملک کی حماطت کا قومی بنیاد پر انتظام کر سکتا ہے ، اور جنگ کے طوواہوں میں جو نئے اور بڑے مقاصد طر آئے لگے ہیں انہیں حاصل کرنے میں مدد کر سکتا ہے ۔

» برطانوی کابینہ کی تحویریں دراصل اس دور کے متعلق ہیں جو جنگ ختم ہونے کے بعد شروع ہوگا ۔ کمیٹی یہ مانتی ہے کہ اصولی طور پر یہ تسلیم کر لیا گیا ہے کہ اس غیر متعین مستقل میں ہندوستانی قوم خود مختار ہو جائے گی ، مگر اسے اسوس ہے کہ یہ خود مختاری محدود کر دی گئی ہے اور اسے بند شوں

میں حکم دیا گیا ہے ، اور تحویر میں ایسی دفعات شامل کردی گئی ہیں جس سے ہندوستان میں ایک آزاد اور متحد قوم کی تشکیل اور ترقی اور ایک جمہوری ریاست کا قیام سخت خطرے میں پڑ جائے گا۔ دستور سار جماعت کی بھی جو ترکیب رکھی گئی ہے اس سے قوم کا حقِ خود مختاری بے اثر ہو جاتا ہے کیونکہ اس جماعت میں ایسے عناصر داخل کئے گئے ہیں جن کی کوئی نمائندہ حیثیت نہیں ہے ہندوستانی قوم بے مجموعی حیثیت سے صاف الحاط میں کامل خود مختاری کا مطالبہ کیا ہے۔ اور کانگریس بے بارہا اعلان کیا ہے کہ سوائے پورے ملک کی خود مختاری کے کوئی اور حیثیت اس کے لئے قابل قبول نہ ہوگی ، اور اس کے بغیر موجودہ صورت حال کے لحاظ سے جو ضرورتیں ہیں وہ انہیں پورا نہ کر سکے گی۔ کانگریس یہ مانتی ہے کہ مستقل میں ہندوستان کی آزادی اور خود مختاری برطانوی کابینہ کی تحویروں سے نتیجے کے طور پر نکلتی ہوگی ، لیکن ان کے ساتھ ایسی شرطیں اور پابندیاں لگا دی گئی ہیں جن کی وجہ سے حقیقی آزادی ایک سراب بن کر رہ جائے تو تعجب نہ ہوگا۔ ہندوستانی ریاستوں کی نو کروڑ آبادی کو قطعاً بطرانداز کرنا ، اسے اس کے حکمرانوں کی ملکیت سمجھنا ، جمہوریت اور خود مختاری دونوں کی تردید کرنا ہے۔ ایک طرف سار جماعت میں ہر ریاست کی نمائندگی آبادی کے لحاظ سے مقرر کی گئی ہے ، دوسری طرف اس آبادی کو اپنے نمائندے منتخب کرے میں کوئی دخل نہیں ہے ، اور جب ایسے فیصلے کئے جا رہے ہوں گے

جن کا اس کی زندگی پر ربر دست اثر پڑے گا تو بھی اس سے کسر موقع اور منزل پر مشورہ نہ کیا جائے گا۔ ایسی ریاستیں کو طریقوں سے ہندوستانی آزادی کی نشو و نما میں رکاوٹیں بن سکتی ہیں۔ وہ ایسے نند علاقے ہو سکتی ہیں جس میں عیروں کا حکم چلے، حہاں، بیاں کے مطابق، غیر ملکی فوجوں کے قدم حمائے رہے کا خاصا امکان ہو، جو ریاست کے سنے والوں اور ہندوستانی قوم دوہوں کی آزادی کے لئے ایک مستقل خطرہ بنی رہیں۔

صوبوں کو وفاق سے الگ رہنے کا اختیار دیا ایک اوکھا اصول ہے جس کو پہلے ہی سے تسلیم کر لیے سے ہندوستان کی وحدت کے تصور کو سخت صدمہ پہنچا ہے یہ فتنہ کا بیج ہے جس سے صوبوں میں فساد پیدا ہوگا اور بڑھے گا، اور ممکن ہے اس کی وجہ سے ریاستوں کے ہندوستانی وفاق میں شامل ہونے میں اور رکاوٹیں اور دشواریاں رونما ہوں۔ ہندوستان کی آزادی اور وحدت کانگریس کا تاح اور طوق ہے۔ اس وحدت میں شکست کے آثار نمودار ہوں تو یہ سب کے لئے مضر ہوگا، اور اس کا خیال کر کے بیحد تکلیف ہوتی ہے، خاص طور پر اس لئے کہ موجودہ رمایے میں لوگوں کا دہن (حالات کی وجہ سے) لازمی طور پر بڑے سے بڑے وفاقوں کی طرف جارہا ہے۔ پھر بھی کمیٹی یہ تصور نہیں کرتی کہ کسی علاقے کی آمادی کو ہندوستانی وفاق میں شامل رہے پر محور کیا جا سکتا ہے، جب کہ اس آبادی نے علاقہ اور استقلال کے ساتھ الگ رہے کا ارادہ کر لیا ہو لیکن اس اصول کو مانتے ہوئے بھی کمیٹی کا خیال ہے کہ ایسے

احالات پیدا کرے کی ہر ممکن کوشش کرنا چاہئے جس سے ملک کے مختلف واحدوں کو ایک مشترک اور باہمی امداد پر مبنی ریدگی کی تشکیل میں مدد ملے ، اس اصول کو ماننے کا ایک لازمی نتیجہ یہ بھی نکلتا ہے کہ ایسی تبدیلیاں نہ کی جائیں جس سے بی دستواریاں پیدا ہوں اور علاقے کی آبادی کے دوسرے بڑے حصوں پر حاوی کیا جائے . یونین کے اندر ہر علاقائی واحد کو زیادہ سے زیادہ خود مختاری جو ایک مضبوط قومی ریاست کے قیام کے ساتھ ممکن ہے حاصل ہونا چاہئے . جو تحویر برطانوی کابینہ نے اس وقت کی ہے اس سے یونین کی بنیاد رکھتے وقت ہی علحدگی اختیار کرے کے خیال کو تقویت پہنچے گی اور ممکن ہے علحدگی کی کوششیں بھی شروع ہو جائیں ، اگرچہ یہی وہ موقع ہوگا جس پر کہ باہمی امداد اور رعیت و حیر خواہی کی انتہائی ضرورت ہوگی .

عالمی یہ تحویر کسی فرقہ واری مطالبے کو پورا کرے کے لئے پیش کی گئی ہے ، مگر اس سے اور نتیجے بھی نکلیں گے اور محتاج جماعتوں میں ، جو سیاسی اعتبار سے قدامت پسند اور اصلاح و برقی کے مخالف عناصر ہیں ، انہیں فساد کرنے اور حقیقی اہمیت رکھنے والے ملکی مسائل سے ہٹانے کی توجہ ہٹانے کا موقع مل جائے گا .

» ہندوستان کے مستقل کے بارے میں جو تحویر بھی پیش کی جائے وہ توجہ اور تحقیق کی مستحق ہے ، مگر آج کل کے تاریک حالات میں اصل اہمیت حال کی ہے ، اور مستقل کے بارے میں جو تحویریں ہوں ان کی حاجت یہ دیکھ کر کی جائے گی کہ ان کا حال پر کیا اثر پڑتا ہے . کمیٹی نے لازمی طور پر معاملہ

کے اس پہلو کو سب سے زیادہ اہم مانا ہے ، اور رہنمائی چاہیے والوں کو وہ جو مشورہ دیگی اس کا انحصار بھی اسی پہلو پر ہوگا۔ زمانہ حال کے مطابق برطانوی کابینہ کی تجویزیں مہم اور بالکل نامکمل ہیں۔ اور معلوم یہ ہوتا ہے کہ اس وقت حکومت کی جو ساحت ہے اس میں کسی قسم کی تبدیلی مد نظر نہیں ہے۔ یہ بات صاف کردی گئی ہے کہ ہندوستان کا تحفظ بہر حال انگریزوں کے دماغ اور ان کے اختیار میں رہے گا۔ تحفظ کا مسئلہ ہر زمانے میں بہت اہم ہوتا ہے ، جنگ کے موقع پر اس کی اہمیت اور بھی بڑھ جاتی ہے اور وہ زندگی اور حکومت کے تقریباً ہر شعبے پر حاوی ہو جاتا ہے۔ اس وقت تحفظ کو ہندوستانیوں کے دائرہ اختیار سے خارج کر دیے کے معنی یہ ہیں کہ ہندوستانیوں کا اختیار ایک مصحکہ حیز اور بے حقیقت چیز بن کر رہ جائے گا۔ اس سے یہ مطلب بھی صاف ظاہر ہوتا ہے کہ جنگ کے دوروں میں ہندوستان کسی اعتبار سے آزاد نہ ہوگا اور اس کی حکومت آزادی اور خود مختاری کے ساتھ کام نہ کر سکے گی۔ کمیٹی یہاں اس بات پر پھر رور دیا چاہتی ہے کہ ہندوستانیوں کے زمانہ حال میں اختیارات قبول کرے کی لارمی اور سیاسی شرط یہ ہے کہ انہیں پورا احساس ہو کہ وہ آزاد ہیں اور اپنی آزادی کو قائم اور محفوظ رکھنے کے ذمہ دار ہیں۔ سب سے زیادہ ضرورت اس کی ہے کہ لوگوں میں حوش اور تعاون کا جذبہ پیدا ہو، اور یہ پیدا نہیں ہو سکتا جب تک کہ ان پر پورا اعتبار نہ کیا جائے اور تحفظ اور دفاع کے معاملے میں ان پر ذمہ داری نہ ڈالی جائے۔

یہی طریقہ ہے جس سے اس نازک وقت میں بھی ہندوستانیوں میں مستعدی اور حاساری کی ایسی لہر دوڑائی جاسکتی ہے جو انہیں موقع کے مناسب عمل کرے پر تیار کر دے۔ یہ تجربہ سے ثابت ہے کہ موجودہ حکومت ہند اور اس کی صوبہاتی شاخیں کافی استعداد نہیں رکھتی ہیں، اور ہندوستان کے تحفظ کی ذمہ داری کو پورا کرنا ان کے بس کی بات نہیں ہے۔ اس ذمہ داری کا حق صرف ہندوستانی قوم اپنے مستح اور نا اثر نمائندوں کے ذریعہ ادا کرسکتی ہے، جس کی شرط یہ ہے کہ اُسے آج اور ابھی آزادی ملے اور ذمہ داری کا پورا بوجھ اس پر ڈالا جائے

اس وجہ سے کمیٹی ان تحویروں کو منظور نہیں کرسکتی جو برطانوی کابینہ کی طرف سے پیش کی گئی ہیں۔»

۱۱ اپریل ۱۹۴۲ء کو میں نے ایک پریس کانفرنس بھی بلائی جس میں، میں نے بہت سے نامہ نگاروں سے ملاقات کی اور انہیں کرپس کی پیش کش کو نامطور کرے کے اسباب سمجھائے۔ انہیں یہاں تفصیل کے ساتھ دہرائے کی ضرورت نہیں ہے، اس لئے کہ یہ مدرجہ بالا ررولوش اور کرپس کی اور میری خط و کتابت میں بیان کر دئے گئے ہیں۔ میں نے اس بات پر خاص طور سے زور دیا کہ جیسے جیسے گفتگو کا سلسلہ بڑھا حالات کی حر رنگین اور خوش آئند تصویر سرسٹیفرڈ نے پہلے کھینچی تھی دھدلی پڑتی گئی۔ مضا کی اس تبدیلی کا عکس لارڈ ویول سے میری ملاقات میں بھی نظر آیا۔ گفتگو کے دوران میں سرسٹیفرڈ کرپس نے بار بار ان انتظامی اور فنی دشواریوں پر زور دیا تھا

حو کاؤسل کے ہندوستانی عہد کو دفاع کا دمہ دار بنانے کی وجہ سے پیدا ہوئی۔ انہیں کی تحویر تھی کہ ہم لارڈ ویول سے ملاقات کریں، اس لئے کہ وہ اس مسئلے کے انتظامی اور فنی نکتوں کو بہت بہتر سمجھا سکتے تھے۔ تعجب کی بات ہے کہ اس ملاقات کے دوران میں، جب کہ کمانڈر ایچیف کے علاوہ اور فوجی افسر بھی موجود تھے، کسی انتظامی اور فنی دشواری کے بارے میں ایک لفظ نہیں کہا گیا۔ ساری گفتگو کا رنگ سیاسی تھا، اور مجھے ایک لمحہ بھر بھی یہ محسوس نہ ہوا کہ میں جنگ کے ماہر سے ملاقات کر رہا ہوں، اس لئے کہ لارڈ ویول ایک تجربہ کار سیاست دان کی طرح بات کر رہے تھے۔

گفتگو میں گاندھی جی نے حوصہ لیا تھا اس کے بارے میں بعض احساساتوں کے خیال آرائیاں کی تھیں اور میں نے ضروری سمجھا کہ پریس کانفرنس میں اس معاملے کو بھی صاف کر دوں۔ کسی طرح کی جنگ میں بھی شرکت کے بارے میں گاندھی جی کے حوصلے بہت بڑے تھے وہ عام طور پر معاموم تھے اور یہ کہا بالکل غلط تھا کہ ورکنگ کمیٹی کے فیصلوں پر ان کا کسی طرح سے اثر پڑا

گاندھی جی نے ورکنگ کمیٹی سے صاف صاف کہہ دیا تھا کہ وہ تجویروں کی حویوں اور حامیوں کو دیکھ کر بالکل آزادی کے سانہ حوصلے چاہے کر سکتی ہے۔ وہ ورکنگ کمیٹی کے ابتدائی جلسوں میں بھی شریک نہیں ہونا چاہتے تھے اور صرف میرے اصرار کی وجہ سے چند دن ٹھہرے پر راضی ہو گئے۔ آخر میں انہوں



بے محسوس کیا کہ وہ اور زیادہ نہیں ٹھہر سکتے ہیں، اور میری تمام دلیلیں انہیں رائے بدلنے پر آمادہ نہ کر سکیں۔  
میں بے پریس کے نمائندوں سے یہ بھی کہا کہ ہر منزل پر ہمارے فیصلے کامل اتفاق رائے سے ہونے

آخر میں، میں بے کہا کہ ہم اس مقصود کو حاصل نہ کر سکے جس کی ہم سب کو شدید آرزو تھی، لیکن یہ بیاں کرنا اور یاد رکھنا ضروری ہے کہ گفتگو کا امداد دوستانہ رہا۔ ایسے انتہائی اختلافات کے باوجود، جو کبھی کبھی بحث میں گرمی پیدا کر دیتے تھے، ہمارے درمیان صمیمیت اور بے تکلفی قائم رہی اور ہم دوستوں کی طرح سرسٹیفرد سے رحمت ہوئے

کرپس متس کے متعلق کانگریس کی گفت و شنید اس طرح ختم ہوئی۔ خواہر لال اور راج گوپال آپجری کا معاملہ کچھ اور بھا، اور ہندوستانی آزادی کی جدوجہد کے اگلے دور کا ذکر کرے سے پہلے میں اس کیفیت کو خاص طور پر بیاں کرنا چاہتا ہوں جو مذکورہ بالا واقعات سے ان دنوں میں پیدا کی۔

کرپس کے حلقے کے تھوڑے ہی دن بعد خواہر لال بے "بیور کراییکل" کے نمائندے کو ایٹروپو دیا اس میں ان کا انداز اور رویہ ایسا تھا جس سے معلوم ہوتا تھا کہ کانگریس اور برطانوی قوم کے اختلافات کم سے کم کر کے دکھائے جارہے ہیں، اور اس خیال کی نمائندگی کی جا رہی ہے کہ ہندوستان انگریزوں کی مدد کرے کو تیار ہے، اگرچہ کانگریس بے کرپس کی پیش کش کو نامناسب قرار دیا ہے۔

مجھے ایک تحویر کی بھی اطلاع ملی کہ خواہر لال آل انڈیا ریڈیو سے براڈ کاسٹ کریں۔ ان کے نقطہ نظر سے مجھے حو واقفیت تھی اس کی سہ پر مجھے اندیشہ ہوا کہ اس سے عام لوگوں میں پریشانی پیدا ہوگی۔ خواہر لال الہ آباد جاچکے تھے اور میں بھی کلکتہ حابے کا انتظام کرچکا تھا، میں بے طے کیا کہ حاتے ہوئے ان سے ایک اور گفتگو کرلوں، اور میں بے ان سے صاف صاف کہا کہ اب حو ورکنگ کمیٹی ایک ررولیوشن منظور کرچکی ہے تو انہیں اپنی رائے بہت سوچ سمجھ کر ظاہر کرنا چاہئے۔ اگر ان کے بیان سے لوگوں بے یہ اثر لیا کہ کانگریس جنگ کی سرگرمیوں کی محالمت نہ کریگی تو ورکنگ کمیٹی کے ررولیوشن کا مقصد فوت ہو جائے گا۔ کانگریس کا کہنا یہ ہے کہ ہندوستان برطانیہ کی مدد کرے کو تیار ہے، مگر صرف ایک آزاد ملک کی حیثیت سے مدد کر سکتا ہے۔ مجھے یقین تھا کہ ان کی بھی یہی رائے ہے، لیکن اگر ان کی کسی بات سے یہ نتیجہ نکالا حاسکا کہ برطانیہ کا رویہ کچھ بھی ہو، ہندوستان جنگ کی سرگرمیوں میں مدد کرے گا، تو اس سے کانگریس کا ررولیوشن بے معنی معلوم ہوگا اس لئے میں بے ان سے درخواست کی کہ کوئی بیان نہ دیں۔ پہلے انہوں نے کچھ ححت کی، پھر میری بات سمجھ گئے۔ مجھے بہت خوشی ہوئی جب انہوں نے کہ دیا کہ وہ کوئی بیان نہ دیں گے اور ریڈیو پر حو تقریر کرے گا وعدہ کیا تھا اسے نہ کرینگے۔

میں قطعی طور پر یقین دلانا چاہتا ہوں کہ خواہر لال کے رویے

پر ہندوستان کی آزادی کے بارہ میں کسی قسم کے شک و شبہ کا اثر نہیں تھا، بلکہ وہ بین الاقوامی حالات کے مطالعے کا نتیجہ تھا جو اہر لال شروع سے فاشرم کے کٹر مخالف تھے، اور چین کا سفر اور چیانگ کائی شک سے متادلہ خیال کرے کے سب سے ان کو فاشرم سے اور بھی بھرت ہو گئی تھی۔ جاپان کے خلاف چین کی جدوجہد ہے ان کو ایسا مرعوب کیا تھا کہ وہ ہر قیمت پر جمہوری ریاستوں کی مدد کرنا ضروری سمجھتے تھے انہیں اس کا دلی رنج تھا کہ ہندوستان میدان جنگ میں جمہوری ریاستوں کی طرف سے نہیں لڑ رہا ہے۔

میں یہاں پر یہ بھی تا دوں کہ بیشتر ہندوستانیوں کے مقابلے میں حواہر لال بین الاقوامی مصاحبتوں سے زیادہ متاثر ہوتے رہے ہیں، اور ہر مسئلے کو وہ حس نقطہ نظر سے دیکھتے ہیں وہ قومی سے زیادہ بین الاقوامی ہوتا ہے۔ بین الاقوامی مسائل سے تعلق رکھنے میں اُن کے ساتھ شریک تھا، ایکی میرے لئے ہندوستانی آزادی کی اہمیت سب پر حاوی تھی میں جمہوری ریاستوں کو فاشست طاقتوں پر ترجیح دیتا تھا، مگر میں اس بات کو بطر انداز نہیں کر سکتا تھا کہ جمہوریت کے اصول پر ہندوستان میں عمل نہ کیا گیا تو جمہوریت کے دعوے سب بے سیاد اور باوٹی ہونگے۔ پہلی عالم گیر جنگ کے بعد جو کچھ پیش آیا وہ بھی مجھے یاد تھا۔ اُس وقت برطانیہ بے اعلان کیا تھا کہ وہ چھوٹی کمزور قوموں کو بچانے کے لئے حرمی کی امپیرلزم سے لڑ رہا ہے۔ جب متحدہ ریاستیں جنگ میں شریک ہوئیں تو پریریڈٹ ولسن بے اپنے مشہور چودہ

ہکات مرتب کئے اور تمام قوموں کو خود مختاری کی وکالت کی۔ پھر بھی ہندوستان کے حقوق کا لحاظ نہیں کیا گیا، اور ہندوستان کے معاملے میں چودہ ہکات کا اطلاق نہیں کیا گیا۔ اس وجہ سے میں سمجھتا تھا کہ جمہوری ریاستوں کی جتھاسدی کا چرچا بے معنی ہے اگر ہندوستان کے معاملے پر سمجیدگی سے عور نہ کا جائے۔ یہ سب باتیں میں بے ایک انٹرویو میں بیاں کر دیں جو میں بے قریب ایک ہفتہ بعد کلکتہ میں «نیورکرایکل» کے نمائندے کو دیا

اس ساری مدت میں خواہر لال کی طبیعت پر بہت زبردست بوجھ رہا وہ حال میں چین سے واپس آئے تھے، جہاں ان پر سپہ سالار اعظم اور میڈم چیانگ کائی شک کا بہت اثر پڑا تھا ان کو یقین تھا کہ جاپان کا کامیابی کے ساتھ مقابلہ کرے کے واسطے چین کے لئے ہندوستان کی مدد ناگزیر ہے۔ ورکنگ کمیٹی کے اجلاس کے دوران میں ایک مرتبہ شام کو خواہر لال میرے پاس آئے اور اُن سے گفتگو کرے کے بعد مجھے یقین ہو گیا کہ وہ کرپس کی پیش کش کو منظور کرے کے موافق ہیں، چاہے برطانیہ کے رویے میں کوئی تبدیلی نہ ہو۔ وہ یہ کہہ رہے تھے کہ کرپس بے جو مفید مطلب وعدے کئے ہیں انہیں دیکھتے ہوئے ہمیں پس و پیش نہ کرنا چاہئے۔ انہوں نے یہ بات صاف الفاظ میں نہیں کہی، لیکن ان کی دلیلوں کا رح اسی طرف تھا۔

اس گفتگو سے میری طبیعت بہت پریشان ہو گئی اور مجھے دو بجے صبح تک نیند نہیں آئی۔ جیسے ہی میری آنکھ کھلی، میں

شریمتی رامیشوری نہرو کے مکان پر گیا، جہاں جواہر لال ٹھہرے تھے۔ ہم نے ایک گھنٹے سے زیادہ مختلف مسائل پر بحث کی۔ میں نے اُن سے کہا کہ ان کے خیالات کا میلان ہمارے اصل مفاد کے خلاف ہے۔ اگر ہندوستان کو حقیقی اختیار مستقل نہ کیا گیا اور صرف ایک تہی ایگریکیٹو کاؤنسل بادی گئی تو ہمیں اس کرپس کا وعدہ حاصل ہوگا جس کا ایسا حگ کے بعد ہوسکے گا۔ موجودہ حالات میں ایسے وعدے کی کوئی خاص وقعت نہیں ہے۔ یہ کسے معلوم تھا کہ حگ کا احام کیا ہوگا؟ ہم ایک آزاد ملک کی حیثیت سے حگ میں شریک ہونے کو تیار ہیں۔ اس نکتے کا کرپس کی پیشکش میں ذکر ہی نہیں ہے۔ حگ میں شرکت کرے گا فیصلہ ہمارا نہیں تھا، وائسرائے کا تھا، اور اب کرپس ہم کو اپنے طور پر طے کرے گا موقع دئے بغیر ہم سے وائسرائے کے فیصلے کو تسلیم کرانا چاہتے ہیں اگر اس کے باوجود ہم پیشکش کو منظور کر لیں تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ اب تک ہم بے حق فیصلے کئے ہیں وہ سب غلط تھے

اس کے علاوہ میں نے کہا کہ حگ کے بعد دیا کا رنگ بدلا لارمی ہے، اور کوئی بھی حق بین الاقوامی حالات سے واقف ہے، اس میں شک نہیں کرسکتا کہ حگ کے بعد ہندوستان آزاد ہوجائے گا۔ اس طرح ظاہر ہوجاتا ہے کہ دراصل کرپس ہمیں کچھ دے ہی نہیں رہے ہیں اور اگر ہم نے ان کی پیشکش کو منظور کر لیا تو ممکن ہے کہ وہ کو پچھتائیں اگر انگریزوں نے وعدہ خلافی کی تو ہمارے پاس آزادی کی حدود کو بے سرے سے

شروع کرنے کی معقول وجہ نہ ہوگی۔ حگ نے ہندوستان کو  
آرا دی حاصل کرے کا ایک موقع دیا ہے، اور ہمیں حالی ایک  
وعدے پر بھروسا کر کے اسے ہاتھ سے نہ دے دیا چاہئے۔

دنیا اور ہندوستان میں جو کچھ ہو رہا تھا اس سے حواہر لال  
بہت افسردہ خاطر تھے، اور یہ صاف معلوم ہو رہا تھا کہ وہ کوئی  
پختہ رائے قائم نہیں کر سکے ہیں۔ اندورنی کشمکش کی وجہ سے وہ  
اپنے آپ کو بے بس محسوس کرتے تھے (میری باتیں سکر) وہ کچھ  
دیر خاموش رہے، پھر اُہوں نے کہا، » میں یہ ہرگز نہیں چاہتا کہ  
اپنے ذاتی رجحانات کے مطابق فیصلہ کروں۔ اس کے بارے میں  
آپ کے دل میں کوئی شبہ نہ ہونا چاہئے۔ میرا فیصلہ وہی ہوگا  
جو میرے ساتھیوں کا ہو۔«

حواہر لال کی طبیعت ایسی ہے کہ جب وہ کسی دہی کشمکش میں  
مستلا ہوتے ہیں تو سوتے میں اتراتے ہیں، اور جس فکروں میں  
اُن کا دس گذرتا ہے وہ رات کو حواہر بن جاتی ہیں۔ جب میں  
باہر نکلا تو شریمتی رامیشوری ہرو نے مجھے بتایا کہ پچھلی دو  
راتوں کو حواہر لال اتراتے رہے ہیں۔ کبھی وہ بحث کرتے،  
کبھی مہ مہ میں بولتے اور کبھی رور رور سے اہوں نے کرپس  
کا نام لیا تھا، کبھی کبھی گاندھی جی کا ذکر آیا، کبھی میرا نام۔  
حواہر لال کے ذہن پر جو بوجھ تھا اس کا ایک اور ثبوت یہ  
بھی تھا

شری راج گوپال آچاری دوسرے شخص تھے جس پر کرپس سے  
گفت و شنید کا بہت گہرا اثر پڑا۔ ملک میں فرقہ واری تعلقات

حس طرح بگڑتے جا رہے تھے اس سے انہیں شدید بے چینی ہو رہی تھی۔ ان کی رائے تھی کہ کانگریس اور مسام لیگ کے اختلافات کی وجہ سے ہندوستان کے آزاد ہونے کی نوبت نہیں آ پاتی تھی۔ میں حالات دیکھ کر اس نتیجے پر پہنچا تھا کہ انگریز حکم کے رمانے میں حوکھوں میں نہیں پڑنا چاہتے تھے، اور فرقہ وارانہ اختلافات سے ان کو حکومت کا اختیار اپنے ہاتھ میں رکھنے کا بہانا مل گیا۔ راج گوپال آچاری کو اس رائے سے اتفاق نہیں تھا، اور کرپس کی پیشکش کے نامطور کئے جانے کے تھوڑے دن بعد وہ غلابیہ کہے لگے کہ اگر کانگریس لیگ کے مطالبوں کو مان لے تو ہندوستان کی آزادی کے حصول میں حوکھوں میں ہیں وہ دور ہو جائیگی۔ انہوں نے اس خیال کو طاہر کرنے پر اکتفا نہیں کیا بلکہ مدراس کی کانگریس ایچس لیچر پارٹی میں حسب دیل ررولیش پیش کرایا۔

» مدراس اسمبلی کی کانگریس پارٹی کو بہت افسوس کے ساتھ کہا پڑتا ہے کہ ہندوستان میں قومی حکومت قائم کرے کی کوششیں ناکامیاب ہوئی ہیں۔ قومی حکومت ملک کو اس قابل بنا دیتی کہ وہ ان مسائل کو حل کر سکے حوکھوں موجودہ نازک صورت حال سے پیدا کر دئے ہیں، اور اس ناکامیابی سے قوم پرست ہندوستانیوں کو دونوں طرح سے مشکل میں ڈال دیا ہے یہ ناممکن ہے کہ ملک پر کوئی دشمن حملہ کرے تو لوگ سوچیں کہ غیر حاسدار یا تحمل پسند کیسے بنا جائے، اور یہ تدبیر بھی قابل عمل اور موثر نہ ہوگی کہ اپنے طور پر مدافعت کا انتظام کیا جائے جس



کا حکومت کے مدافعاہ انتظامات سے ربط اور تعلق نہ ہو اس خطرے کے وقت میں قومی مہماد کا قطعی تقاضا ہے کہ کانگریس جلد سے جلد ان تمام رکاوٹوں کو دور کرنے کے لئے سب کچھ کرے جو قومی حکومت کے قیام میں حائل ہیں، اس لئے کہ قومی حکومت ہی موحودہ صورت حال پر قابو پا سکتی ہے۔ مسلم لیگ کو اصرار ہے کہ ملک کے بعض حصوں کا، ان کی آبادی کی رائے معلوم کرے کہ بعد یہ حق تسلیم کر لیا جائے کہ وہ متحد ہندوستان سے الگ رہیں، اور لیگ بے اسے متحد قومی اقدام کے شرط اولیں ٹھہرایا ہے اس پارٹی کی رائے ہے اور وہ آل انڈیا کانگریس کمیٹی سے اس کی مطوری کی سفارش کرتی ہے کہ اس بزرگ موقع پر یہ بات داسمندی کے خلاف ہوگی کہ متحد ہندوستان کی بحث کو جاری رکھنے کے غیر یقینی فائدے کی خاطر ایک قومی حکومت کے قیام کے امکانات کو قربان کیا جائے۔ اب اس کی ضرورت ہے کہ حراہی کی صورتوں میں سے وہ اختیار کی جائے جو کم حراہی کی ہو اور عاجدگی کا جو مطالبہ مسلم لیگ کر رہی ہے اسے منظور کر لیا جائے، اس شرط پر کہ مسلم لیگ کو اس وقت بھی عاجدگی پر اصرار ہو جب دستور مرتب کرے کا وقت آئے اس طرح لیگ کو اس بارے میں جو شکوک اور اندیشے ہیں وہ دور ہو جائیں گے اسی کے ساتھ لیگ کو مشورہ کرے کی دعوت دیا چاہئے تاکہ آپس میں معاملات طے ہو سکیں اور اس وقت کے خطروں کا مقابلہ کرے کے لئے ایک قومی حکومت قائم کی جا سکے۔»

ررولوشن پیش کراے سے پہلے راح گوپال آچاری بے ہ عھے سے مشورہ کیا تھا، ہ حہاں تک عھے معلوم ہے، ورکگ کمیٹی کے کسی اور ساتھی سے۔ احباروں میں ررولوشن پڑھ کر میں بہت پریشان ہوا۔ میں بے سوچا کہ اگر ورکگ کمیٹی کے ہر کانگریس کے فیصلے کے خلاف تقریریں کرتے پھریں گے تو اس سے صرف پارٹی کی ڈسپان کمزور ہ ہوگی بلکہ عوام کے دہں میں انتشار پیدا ہوگا اور ایمپریلسٹ طاقت کو ایک اور گرفت مل جائے گی۔ اس لئے عھے خیال ہوا کہ اس معاملے کو ورکگ کمیٹی کے سامنے عور کرے کے لئے پیش کرنا چاہئے

میں بے راح گوپال آچاری سے کہا کہ مدراس کی کانگریس لیجسلیچر پارٹی نے حو رروایوشن مطور کئے ہیں وہ کانگریس کی معلوم اور معروف پالیسی کے خلاف ہیں۔ چونکہ وہ ورکگ کمیٹی کے ایک دمہ دار رکی ہیں، انہیں ایسی تحویروں اور تحریکوں سے کوئی تعلق نہیں رکھنا چاہئے تھا۔ اگر وہ اس معاملے میں کوئی قطعی رائے رکھتے تھے، تو اسے ظاہر کرے سے پہلے انہیں ورکگ کمیٹی کے ساتھیوں سے اس کے بارے میں گفتگو کرنا چاہئے تھا۔ اگر ورکگ کمیٹی ان سے اتفاق نہ کرتی تو انہیں اختیار ہوتا کہ اس سے استعفے دیکر اپنے خیالات کا پرچار کریں۔

راح گوپال آچاری بے تسلیم کیا کہ مدراس لیجسلیچر کی کانگریس پارٹی کے سامنے ررولوشن پیش کرے سے پہلے انہیں ورکگ کمیٹی میں ان پر گفتگو کرلینی چاہئے تھی۔ لیکن چونکہ ررولوشن ان کی پختہ رائے کو ظاہر کرتے تھے اس لئے وہ انہیں

واپس لینے پر تیار نہیں تھے۔ انہوں نے مجھے ایک خط لکھا جس میں انہوں نے پریریڈنٹ سے مشورہ کئے بغیر ایک ہتھی اختلاقی مسئلے پر اپنی رائے پبلک میں بیان کرنے کی معافی چاہی تھی۔ ان کا خط یہ تھا۔

۱۹ ایڈمنسٹرون روڈ،

الہ آباد۔ ۳۰ اپریل ۱۹۴۲ء

مکرمی مولانا صاحب

مدد راس کانگریس لیجنس ایچر پارٹی میں میری تحریک پر جو رزولوشن منظور ہوئے ہیں ان کے بارے میں آپ کی رائے معلوم ہوئی۔ میں یہ تسلیم کرتا ہوں کہ مجھے رزولوشن پیش کرے سے پہلے آپ سے اور ورکنگ کمیٹی کے دوسرے ساتھیوں سے ان کے بارے میں گفتگو کر لینا چاہئے تھی، اس لئے کہ میں جانتا ہوں کہ وہ ان سے اختلاف کرتے ہیں۔ اس خط کے ذریعہ میں اس پر افسوس ظاہر کرنا چاہتا ہوں۔

میں آپ کو نا چکا ہوں کہ اس معاملے میں میری رائے کتنی پختہ ہو چکی ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ میرے لئے ایسے فرض سے چشم پوشی ہوگی اگر میں اس کی کوشش نہ کروں کہ لوگ میرے ہم خیال ہو کر اس مقصد کی طرف عملاً رجوع ہوں جدھر میرا عقیدہ مجھے ائے جارہا ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ عام معاد کی

حاطر مجھے وہ رزولیوشن پیش کرے چاہئیں جس کا بوٹس مسٹرستانم  
بے دیا ہے۔ اس لئے میں چاہتا ہوں کہ آپ مجھے احازت دیں کہ  
میں ورکنگ کمیٹی کی رکیت سے استعفے دیدوں۔  
آخر میں احازت دیجئے کہ اُس حالص اعتماد اور محنت کا  
شکریہ ادا کروں جس سے آپے اور ورکنگ کمیٹی کے دوسرے  
ساتھیوں بے اس تمام مدت میں، حب کہ میں کمیٹی کا عمر رہا ہوں  
مجھے بوارا ہے۔

آپ کا محلص،

سی۔ راح گوپال آچاری

—

## بے چینی کا دور

پس مش کی ناکامی بے عام مایوسی اور غصہ کی فضا پیدا کر دی۔ بہت سے ہندوستانیوں کو شہ ہوا کہ چرچل کی وزارت بے صرف امریکی اور چینی دباؤ کی وجہ سے سرسینٹھرڈ کو بھیجا تھا، مسٹر چرچل کا اپنا ارادہ تھا ہی ہیں کہ ہندوستان کی آزادی کو تسلیم کرس مختلف پارٹیوں سے حوالی جوڑی گفتگوئیں ہوئیں ان کا مشا ہر کی دیا کو دکھانا تھا کہ کانگریس صحیح معنوں میں ہندوستان کی نمائندگی نہیں کرتی ہے اور یہ کہ ہندوستانیوں کے باہمی اختلافات ہی اس کا سبب ہیں کہ انگریز انہیں اختیارات سوپ نہیں دیتے۔ چونکہ کانگریسیوں میں بھی غلط فہمیاں تھیں اور وہ بھی پریشان تھے، میں بے آل اڈیا کانگریس کمیٹی کا جلسہ کراے کا فیصلہ کیا یہ جلسہ الہ آباد میں ۲۹ اپریل سے ۲ مئی تک ہوا، اور اس سے پہلے، ۲۷ اپریل سے پہلی مئی تک ورکنگ کمیٹی کا اجلاس ہوا۔

آل اڈیا کانگریس کمیٹی کی کارروائی کو شروع کرتے ہوئے میں بے کہا کہ اس سے ڈیڑھ مہینے پہلے ہم وردھا میں ملے تھے۔ اُس وقت یہ معلوم تھا کہ برطانوی حکومت بے ہندوستان کے مسئلے کو حل کرے کی خاطر ایک یا رویہ اختیار کرے گا فیصلہ

کیا ہے۔ اس کا اعلان کیا گیا تھا کہ برطانوی کابینہ کے ایک رکن سر سیٹھرڈ کرپس ہندوستان کے مسئلے کو طے کرنے کے لئے تین تحویریں لیکر جائیں گے۔ وردھا میں ورکنگ کمیٹی بے فیصلہ کیا کہ کانگریس کے صدر کی حیثیت سے مجھے سر سیٹھرڈ کرپس سے گفتگو کرنا چاہئے میری سر سیٹھرڈ سے مسلسل ملاقاتیں ہونیں، اور میں بے اس سے کہا کہ وہ جو مسودہ اعلان لائے تھے وہ اطمینان بخش نہیں تھا اس میں خاص اس وقت کے لئے کچھ پیش نہیں کیا گیا تھا اور ہر بات ایک غیر متعین مستقبل پر ڈال دی گئی تھی زمانہ حال سے متعلق جو تحویریں تھیں وہ صرف مہم ہی نہیں تھیں بلکہ ان کے ذریعے عوام کو کسی قسم کا اختیار ملتا ہی نہیں تھا دفاع کلی طور پر برطانوی حکومت کے ہاتھ میں رکھا گیا تھا اس تحفظ کی وجہ سے برطانیہ سے ہندوستان کو اختیارات کی معروضہ مستقلی بالکل بے حقیقت ہوجاتی تھی۔ کیونکہ جنگ کے زمانے میں تحفظ اور دفاع کا انتظام پورے انتظام حکومت پر حاوی ہو جاتا ہے

میں بے اپنے ساتھیوں کی حب الوطنی اور صداقت کو علانیہ سراہا اور کمیٹی کو مطلع کیا کہ ہمارے تمام فیصلے اتفاق رائے سے ہونے لگے۔ میں بے یہ بھی کہا کہ ہمارے دہس میں یہ بات بالکل صاف ہے کہ فرقہ واری مسئلے اور دوسرے مسائل کو کس طرح حل کرنا چاہئے، مگر کرپس کی پیش کش کے بارے میں ہمارا جو رویہ تھا اس پر ہم بے اس خیالات کو اثر انداز نہیں ہوئے دیا۔ پیش کش کو جانچنے کے لئے ہم بے صرف ایک معیار

رکھا تھا کہ اس کی بدولت اختیار انگریزوں سے بددوستانیوں کے ہاتھوں میں مستقل ہو جائے گا یا نہیں۔ مجھے اس میں شک نہیں تھا کہ ہم فرقہ واری مسئلے کا ایک قابل اطمینان حل پیش کر سکیں گے اگر سیاسی اختیارات کی مستقل اطمینان بخش طریقے پر ہو جائے۔ اس کے بعد میں نے بعض لوگوں کی اس رائے کا ذکر کیا کہ کرپس مشن کو لوگوں کا رویہ بدلے میں کامیابی ہوئی اگرچہ اس کی وجہ سے برطانیہ اور بددوستان کا معاملہ طے نہ ہو سکا۔ میں نے کہا کہ میرے نزدیک یہ خیال بالکل غلط ہے اور اس سے بڑی غلط فہمی پیدا ہو سکتی ہے۔ مشن کا کچھ نتیجہ نکلا تو یہ کہ برطانیہ اور بددوستان کے درمیان معاہدہ کے امکانات بہت کم ہو گئے، اور یہ ایک ناقابل تلافی نقصان ہے۔ مشن نے امیدیں دلائیں اور پھر ان پر پانی پھیر دیا۔ اس نے اس یقین کو پختہ کر دیا ہے کہ علام بددوستان کو جنگ سے کوئی مطلب اور تعلق نہ ہوگا اور بددوستان آزاد ہو تب ہی اپنی حفاظت کر سکے گا۔ سرسٹیورڈ کرپس اب یہ کہہ رہے تھے کہ اس کے بعد سے بددوستان کو اپنا معاملہ طے کرے کے لئے فوراً اقدام کرنا ہوگا، برطانوی حکومت اپنی طرف سے پہل نہ کرے گی۔ لیکن میں یہ کہتا ہوں کہ کانگریس معاہدہ کی خاطر جو کچھ کر سکتی بھی کر چکی ہے اور اب اسکی جانب سے کوئی اقدام نہ ہوگا۔

اس کے بعد میں نے جاپان کے حملے کی طرف اشارہ کیا جو ایک مصیبت کی طرح سر پر آن کھڑا ہوا تھا۔ میں نے ان



لوگوں کی تسبیہ کی جو سمجھتے تھے یا کہتے تھے کہ جاپان ہندوستان کو آزاد کرے گا۔ میں بے کہا کہ ہماری قومی خودداری کا تقاضا ہے کہ ہم ایک قوم کے بجائے کسی دوسری قوم کی غلامی کرے کے خیال کو اپنے دل سے نکال دیں۔ برطانیہ سے ہمارے جو اختلافات ہیں ان کے باوجود ہم جاپانی حملے کا مقابلہ کریں گے۔ جاپان کا خیر مقدم ہرگز نہ کیا جائے گا، نہ ایک قدم اسکی طرف بڑھ کر نہ ساکت رہ کر۔ اگر ہم آزاد ہوتے تو ہر حملہ آور کا ہتھیاروں سے مقابلہ کرتے۔ اس طرح کا مقابلہ کرنا ہمارے لئے ممکن نہیں ہے، لیکن عدم تشدد کا ہتھیار ہر حال ہمارے پاس ہے۔ ہم اس ہتھیار کو اکیس برس سے استعمال کر رہے ہیں اور کوئی اسے ہمارے ہاتھ سے چھین نہیں سکتا۔

آل انڈیا کانگریس کمیٹی بے ورکنگ کمیٹی کے رویے اور فیصلے کی، اور کرپس مشن کے متعلق اس سے جو ررولوشن منظور کیا تھا اس کی تصدیق کی اس سے یہ فیصلہ بھی کیا کہ ورکنگ کمیٹی کو آزادی کی حد و حد جاری رکھے کے لئے مرید کارروائی کرے کا محاذ کیا جائے۔

میں الہ آباد سے کلکتہ واپس گیا اور مجھے ہر طرف حالات کو اتڑ ہوتے ہوئے دیکھ کر بہت پریشانی ہوئی۔ بیشتر لوگوں کو یقین تھا انگریز شکست کھا جائیں گے، اور بعض، معلوم ہوتا تھا جاپانیوں کی فتح پر حوش ہوں گے۔ انگریزوں سے ان کی شکایت اور نفرت اس درجہ کو پہنچ گئی تھی کہ وہ یہ بھی نہیں سوچتے تھے کہ جاپان کے ہندوستان فتح کر لے کا نتیجہ کیا ہوگا۔

کرپس کے حابے کے بعد مجھے گاندھی جی کے رویے میں بھی نمایاں تبدیلی محسوس ہوئی۔ میں بیاں کر چکا ہوں کہ وہ جنگ کے دوران میں کسی تحریک کو شروع کرے کے کس قدر خلاف تھے، اور کہتے تھے کہ ہندوستان کو عدم تشدد کے اصول کی حمایت کرنا اور کسی حالت میں اس سے انحراف نہ کرنا چاہیے۔ وہ سمجھتے تھے کہ تحریک شروع ہوئی تو اس میں تشدد پیدا ہو جائے گا، اور اسی وجہ سے وہ میرے اصرار کے باوجود عام تحریک کے آغار پر راضی نہ ہوئے۔ دراصل میں انہیں انفرادی ستیہ گرہ یا سول باہرمانی پر بڑی مشکل سے رضامند کر سکا تھا۔ رضامند ہونے پر بھی انہوں نے اتنی شرطیں لگائیں کہ تحریک ایک سیاسی وسیعہ بن کر رہ گئی

گاندھی جی کا دہن اب کامل سکوت کی انتہا سے مطمئن عوامی تحریک کی طرف جارہا تھا۔ انہوں نے شاید اس طرح سوچنا پہلے ہی سے شروع کر دیا تھا، مگر اس کے نتائج کرپس کے حابے کے بعد نظر آئے۔ میں جوں سے ۱۹۴۲ء میں ان سے ملنے کے لئے وردھا گیا اور کوئی پانچ دن ان کے ساتھ رہا، اور ان سے حوٹیاں ہوئیں ان سے میں نے اندازہ کیا کہ جنگ چھڑے کے وقت انہوں نے جو پوریش اختیار کی تھی اس سے وہ بہت دور ہٹ گئے ہیں۔

میں اب بھاپ سکتا تھا کہ حکومت کو حাপانی حملے کا اندیشہ ہے، اور وہ سمجھتی ہے کہ اگر حاپائیوں نے پورے ملک کو نہ گھیرا تب بھی وہ سگال پر قبضہ کرے کی کوشش کریں گے، ان

کا حملہ سمندر کی طرف سے ہوگا اور وہ ڈائمنڈ ہاربر سے کلکتہ کی طرف بڑھیں گے حکومت بے فیصلہ کیا تھا کہ ایسی صورت میں کلکتہ کو اس کے حال پر چھوڑ دیا جائے گا، اور متعہ عہدہ داروں کو حصہ ہدایتیں دے دی گئی تھیں کہ وہ کلکتہ، ہوڑا اور چوبیس پر گئے کو کس طرح حالی کریں اور کس راستوں سے جائیں۔ کچھ احمیاطی کارروائیاں بھی کر لی گئی تھیں، محتاج مقاموں پر معاملہ کرے کا پلان بن گیا تھا اور عارضی طور پر اس کے متعلق بھی احکامات تیار کر لئے گئے تھے کہ پیچھے ہٹنے کی صورت ہوئی تو پسپائی کس راستوں سے ہوگی۔ پلان کے مطابق دریائے پدما مقابلے کا پہلا محاذ ہوتا، دوسرا محاذ آس سول اور راجی کے درمیان، اور آخری الہ آباد کے پاس۔ حکومت بے یہ بھی طے کیا تھا کہ جاپانی حملہ ہوا تو سب کچھ حلا کر برہاد کر دیے کی سی پالیسی پر عمل ہوگا، اور اہم پلوں کو گرا دیے اور کارخانوں اور صنعتی اداروں کو اڑا دیے گا انتظام کیا گیا تھا، تا کہ جاپانی اس سے فائدہ نہ اٹھا سکیں۔ حمشید پور کے مشہور کارخانے کو برہاد کرے کا جو پلان بنا تھا اس کی لوگوں کو کسی طرح خبر ہو گئی اور اس پورے علاقے کی آبادی پریشاں اور بے چین ہو گئی۔

میں بے گاندھی جی کو یہ سب بتایا، اور یہ بھی کہا کہ اگر جاپانیوں نے ہندوستان کی سرزمین پر قدم رکھا تو میرے نزدیک ہم میں سے ہر ایک کا اخلاقی فرض ہو جائے گا کہ ان کے خلاف ہر ہتھیار کو استعمال کریں۔ میں سمجھتا تھا کہ ایک آقا کے

بجائے دوسرے کا مسلط ہوجانا قابل برداشت ہوگا ، اور حقیقت یہ ہے کہ اگر کسی شے اور حادثہ واضح ہے ہماری پرانی حکومت کی جگہ لے لی جو رفتہ رفتہ مضمحل ہوگئی تھی اور جس کی گرفت کمزور پڑگئی تھی تو ہمارے قومی مفاد کو بہت زیادہ نقصان پہونچے گا مجھے یقین تھا کہ جاپانیوں کی جیسی ہی امپریلزم کو بے دخل کرنا ہمارے لئے بہت زیادہ مشکل ہوگا۔

میں نے جاپانیوں کے امکانی حملے کی پیش بندی کے طور پر کچھ تدبیریں اختیار کی ہیں۔ کانگریس کے لوگوں سے کہا تھا کہ پروپگنڈے کے ذریعے ہلک میں جاپانیوں کی مخالفت کا جذبہ پیدا کریں ، اور کلکتہ کو محتلف وارڈوں میں تقسیم کر دیا تھا جہاں ایسے رصاکاروں کے حقے بھرتی اور مظہم کئے گئے تھے جنہوں نے جاپانیوں کا مقابلہ کرے کا عہد کیا تھا۔ ان رصاکاروں کو ہدایت دی گئی تھی کہ جاپانی پیش قدمی کریں تو ان کے راستے میں ہر طرح کی رکاوٹ ڈالی جائے میں نے سوچا یہ تھا کہ جیسے ہی جاپانی فوج سگال پہنچے گی اور برطانوی فوج ہار کی طرف پیچھے ہٹ جائے گی ویسے ہی کانگریس بیچ میں آکر سارے علاقے پر قبضہ کرلے گی ، اور قبل اس کے کہ جاپانی اپنے قدم حماسکیں ہم اپنے رصاکاروں کے ذریعے درمیانی مدت میں اپنی حکومت قائم کرایں گے تھے دشمن کا مقابلہ کرے اور اپنی آزادی حاصل کرے کی یہی ایک صورت تھی ، مئی اور جون سنہ ۱۹۴۲ء میں میرا بیشتر وقت اس ہی پالیسی پر غور کرے اور اس کو عملی شکل دیے میں صرف ہوا۔

مجھے یہ دیکھ کر بڑا تعجب ہوا کہ گاندھی جی کو مجھ سے انصاف نہیں ہے۔ مجھ سے انہوں نے صاف صاف کہا کہ اگر کہہ چاہیے فوجیں ہندوستان میں آئیں تو وہ ہماری نہیں انگریزوں کی دستانہ ہونگی انہیں یقین تھا کہ اگر انگریز اس وقت چلے گئے تو چاہاویوں کے ہندوستان پر حملہ کرے کی کوئی وجہ نہ رہے گی۔ میرا خیال تھا کہ انہوں نے غلط رائے قائم کی ہے۔ لیکن لمبی بحثوں کے بعد بھی ہم متفق نہ ہو سکے۔ مجھے معلوم ہوا کہ سردار پٹیل کی بھی وہی رائے تھی جو کہ گاندھی جی کی۔ اور ممکن ہے انہوں نے گاندھی جی پر اثر ڈالا ہو اس طرح ہم اپنے اختلافات کو دور کئے بغیر جدا ہوئے۔

حولائی کے پہلے ہفتے میں ورکنگ کمیٹی کا جلسہ وردھا میں ہوئے والا تھا۔ میں ۵ حولائی کو وردھا پہنچا اور گاندھی جی سے مجھ سے »ہندوستان چھوڑ دو« کی تحریک کے بارے میں پہلی مرتبہ گفتگو کی۔ میں اس نئے خیال کو اپنے تصورات میں آسانی سے کہہ نہ سکا میں نے محسوس کیا کہ ہم ایک عجیب سی مشکل میں پھنس گئے ہیں۔ ہم کو ہمدردی اتحادیوں سے تھی، مگر برطانوی حکومت نے ایسا رویہ اختیار کیا کہ اس کے ساتھ ہمارا اتحاد عمل ناممکن ہو گیا۔ ہم انگریزوں کی طرفدار صرف ایک آزاد قوم کی حیثیت سے کر سکتے تھے اور انگریز ہمیں اپنی لشکرگاہ کے ملازموں کا درجہ دینا چاہتے تھے۔ دوسری طرف، چاہاویوں نے برہما پر قصہ کر لیا تھا اور آسام کی طرف بڑھ رہے تھے۔ میں سمجھتا تھا کہ ہمیں ہر ایسے قول اور فعل سے پرہیز

کرنا چاہئے جس سے جاپانیوں کا حوصلہ بڑھے۔ ہمیں دیکھا چاہئے کہ کیا واقعات رونما ہوتے ہیں اور لڑائی کیا رنگ اختیار کرتی ہے۔ گاندھی جی بے اس سے اتفاق نہیں کیا وہ مصر تھے کہ اب وہ وقت آگیا ہے جب کانگریس کو مطالبہ کرنا چاہئے کہ انگریز ہندوستان سے چلے جائیں اگر وہ راضی ہو گئے تو ہم جاپانیوں سے کہہ سکیں گے کہ اور آگے نہ بڑھیں، اور اگر اس کے باوجود جاپانی آگے بڑھے تو ان کا حملہ ہندوستان پر ہوگا، انگریزوں پر نہ ہوگا ایسی صورت میں ہم اپنی پوری طاقت سے ان کا مقابلہ کریں گے۔

میں یہ سنا چکا ہوں کہ جب جنگ شروع ہوئی تو میں انگریزوں کی مدد میں محالفت کر رہے تھے، مگر اس وقت گاندھی جی بے مجھ سے اتفاق نہیں کیا تھا اب جو انہوں نے اپنی رائے بدل دی تھی تو میری یوزیش عجیب سی ہو گئی۔ مجھے یقین تھا کہ ایسے وقت میں جب دشمن ہندوستان کی سرحد پر تھا، انگریز مدد کی کسی تحریک کو ہرگز پسے نہ دیں گے۔ گاندھی جی کو یہ معلوم کیوں یقین تھا کہ وہ اس کے خلاف کوئی اقدام نہ کریں گے، اور انہیں اپنی تحریک کو اپنے خاص ڈھنگ سے آگے بڑھانے کی اجازت دیدیں گے۔ جب میں بے اصرار کیا کہ وہ وضاحت کے ساتھ بتائیں کہ انگریزوں کی محالفت کس طریقے پر کی جائے گی تو پتہ چلا کہ ان کے ذہن میں کوئی خاص پروگرام نہیں ہے۔ گفتگو کے دوران میں انہوں نے صرف یہ ایک بات بتائی کہ پچھلے موقعوں کی طرح اس مرتبہ لوگ اپنی مرضی سے قید خانوں میں

بہ جائیگی، ملکہ گرفتار کرے والوں کا مقابلہ کریں گے اور حکم اسی حالت میں مایگی کے حب میں رہیں مجبور کر دیا جائے۔  
مجھے چاہیوں کے رویے پر بھروسہ نہیں تھا، اور مری رائے تھی کہ ہم اُن کے قوا پر اعتبار نہیں کر سکتے مجھے یہ بہت عیدار قیاس معلوم ہوتا تھا کہ وہ انگریزوں کو ملک چھوڑ کر جانے ہوئے دیکھ کر اپنی ہمتیہ پیش قدمی کو روک دیں گے۔ مجھے ڈر تھا کہ انگریزوں کا چلا جانا چاہیوں کو روکنے کے بجائے ان کو اور حوصلہ دلائے گا کیا وہ برطانیہ کی دست کشی کو ہندوستان پر قبضہ کرنے کا بہترین موقع نہ سمجھیں گے؟ میں ان سوالوں کا قطعی جواب نہیں دے سکتا تھا، اس لئے مجھے گاندھی جی کا نقطہ نظر اختیار کرنے میں تامل تھا۔

گاندھی جی کا خیال تھا کہ اگر انہوں نے ایک مطمئن عوامی تحریک کا سلسلہ شروع کیا تو انگریز اسے ایک طرح کی تسبیہ سمجھیں گے اور اندھا دھند کارروائی نہ کریں گے۔ اس لئے انہیں تحریک کی تفصیلات طے کرنے اور اپنے ارادے کے مطابق اس کی رفتار کو بڑھانے کا موقع ملے گا مجھے یقین تھا کہ ایسا نہ ہوگا۔ حکومت انتظار کرنے کے بجائے گاندھی جی اور دوسرے کانگریسی لیڈروں کو عوامی تحریک شروع کرنے کا ررویش منظور ہوتے ہی گرفتار کر لے گی۔ لیڈروں کی عدم موجودگی لوگوں کو بے بس کر دے گی، اور وہ اس قدر مایوس ہوں گے کہ چاہیوں بے ملک پر حملہ کیا تو ان کے خلاف کچھ نہ کر پائیں گے۔ اس وقت وہ اس عقیدت کی وجہ سے جو انہیں گاندھی جی سے تھی



کانگریس کی دعوت کو قبول کرے پر آمادہ تھے ، لیکن حب گاندھی جی اور ان کے ساتھی حیل میں ہونگے تو ان کی سمجھ میں نہ آئے گا کہ کیا کریں . بہت عور کرے کے بعد میں اس نتیجے پر پہنچا کہ لوگوں کی ہمتوں کو قائم رکھے کی کوئی تدبیر کرنا چاہیے . گاندھی جی کو موقع دیا گیا کہ تحریک کو اپنے طریقے پر آگے بڑھائیں تو طاہر ہے کہ وہ عدم تشدد کی راہ اختیار کر گئی . مگر ایسا نہ ہونا چاہیے کہ ہم سب گرفتار ہو جائیں تو لوگوں میں حمود پیدا ہو جائے ، بلکہ انہیں اس کا حوصلہ دلانا چاہیے کہ وہ تشدد اور عدم تشدد کی بہت پروا کٹے بغیر تحریک کو جاری رکھیں .

حب ورکنگ کمیٹی میں بحث شروع ہوئی تو میں بے اس مسائل کو وضاحت سے بیاں کیا کمیٹی کے عمروں میں سے صرف خواہر لال بے میری تائید کی ، اور وہ بھی صرف ایک حد تک . دوسرے عمر چاہے پوری طرح مطمئن نہ ہوتے مگر گاندھی جی کے خلاف رائے دیے پر تیار نہیں تھے میرے لئے یہ کوئی نئی بات نہ تھی خواہر لال اکثر مجھ سے اتفاق کرتے تھے . انہیں چھوڑ کر باقی عمر گاندھی جی کے کہے کے مطابق کرنا کافی سمجھتے تھے . سردار پٹیل ، ڈاکٹر راجندر پرشاد اور آچاریہ کرپلاسی کو ٹھیک معلوم بھی نہ تھا کہ لڑائی کیا ہے اور کس لئے ہے ؟ وہ شاذ و نادر ہی معاملوں کو اپنے طور پر سمجھنے کی کوشش کرتے تھے ، اور بہر حال ان کی یہ عادت تھی کہ اپنی رائے کو گاندھی جی کے تابع کر دیں . ان لوگوں کے ساتھ بحث کرنا فضول

تھا، اس لئے کہ سب کچھ کہے سے کے بعد وہ سب یہ جواب دیتے تھے کہ ہمیں گاندھی جی پر پورا بھروسہ کرنا چاہئے ان کا عقیدہ تھا کہ گاندھی جی پر سب کچھ ڈال دیا گیا تو وہ کوئی نہ کوئی راہ نکال لیں گے۔ اس کے ثبوت میں وہ ۱۹۳۰ء کی بمک سیہ گرہ کی مثال پیش کرتے تھے جب وہ شروع کی گئی تو کسی کو معلوم نہیں تھا کہ کیا ہوگا۔ خود حکومت ہند اسے حقارت کی بطروں سے دیکھتی تھی اور اس کا علاوہ مضحکہ اڑاتا تھا لیکن آخر میں یہ تحریک بہت کامیاب ہوئی اور انگریز ہماری شرطیں ماسے پر مجبور ہو گئے۔ سردار پٹیل اور ان کے ساتھی کہتے تھے کہ اس مرتبہ بھی گاندھی جی کو ویسی ہی کامیابی ہوگی، مگر مجھے کہا پڑتا ہے کہ میں ایسے استدلال سے مطمئن نہیں ہوتا تھا

عالمی گاندھی جی کو خیال تھا کہ جیسے ہی تحریک شروع ہوگی، انگریز کانگریس سے سمجھوتا کر لیں گے، یہ دیکھ کر کہ دشمن ہندوستان کی سرحد تک پہنچ گیا ہے۔ اگر ایسا نہ ہوا تب بھی انگریز ایسی حالت میں جب کہ جاپانی ہندوستان کے دروازے کھٹکھٹا رہے تھے کوئی سہت اقدام نہ کریں گے، اور اس طرح کانگریس ایک موثر تحریک کی تشکیل کر سکے گی۔ میں نے حالات کو دیکھ کر بالکل اُلٹا نتیجہ نکالا تھا مجھے یقین تھا کہ جنگ کی اس مارک حالت میں انگریز کسی عوامی تحریک کو چلے نہ دینگے۔ ان کے لئے یہ ردگی اور موت کا معاملہ تھا، ان کا جواب فوری اور کارگر ہوگا۔ میرے ردیک یہ صاف ظاہر

تھا کہ جس وقت ہم تحریک شروع کرے گا فیصلہ کریں گے، حکومت تمام کانگریسی لیڈروں کو گرفتار کر لیگی، اور کوئی نہیں کہہ سکتا تھا کہ پھر کیا ہوگا

مجھے اس کا پورا یقین تھا کہ موحودہ حالات میں کوئی عدم تشدد پر مبنی تحریک نہ شروع کی جا سکتی نہ جاری رہ سکتی ہے۔ کوئی تحریک تشدد سے اسی صورت میں پاک رہ سکتی تھی جب کہ اس کے قائد موحود ہوں اور قدم قدم پر اس کی رہنمائی کریں، اور میں جانتا تھا کہ تحریک شروع ہونے کا گمان بھی ہوا تو لیڈر سب گرفتار کر لئے جائیں گے ہاں اگر کانگریس عدم تشدد سے انحراف کر ایسے کا فیصلہ کر لیتی تو تحریک کے لئے گنجائش تھی، کیونکہ ایسے لوگ بھی جہیں تدبیریں سامنے والا نہ ہو آمدورفت اور ڈاک اور تار کے سلسلے کو توڑ سکتے ہیں، سامان کے دھروں اور گوداموں میں آگ لگا سکتے ہیں اور ہزار طریقوں سے جنگ کے انتظامات میں گڑبڑ کر سکتے ہیں۔ میں یہ بھی مانتا تھا کہ اس طرح کی ایک عام سورش سب کاموں کو روک دیگی اور انگریز ہم سے معاملہ کرنے پر مجبور ہو جائیں گے۔ مگر اس میں بڑے خطرے تھے، اور میری رائے تھی کہ اگر ہم اس رستے کو اختیار کریں تو سب سمجھ کر فیصلہ کریں۔ دوسری طرف مجھے اس کا ذرا بھی امکان نظر نہیں آتا تھا کہ جس قسم کی عدم تشدد کی تحریک گاندھی جی کے ذہن میں تھی وہ جنگ کے زمانے میں شروع کی جا سکے گی یا جاری رہ سکے گی۔

ہماری بحثیں ۵ جولائی کو شروع ہوئیں اور کئی دن تک جاری رہیں میں بے پناہی بھی بعض موقعوں پر گاندھی جی سے اختلاف کیا تھا، مگر ایسا کامل اختلاف پہلے کبھی نہیں ہوا تھا معاملہ انتہا کو پہنچا جب انہوں نے مجھے ایک خط لکھا کہ ہم خیالات میں ایک دوسرے سے اتنی دور ہو گئے ہیں کہ ہمارا تعاون نہیں ہو سکتا۔ اگر کانگریس چاہتی ہے کہ وہ تحریک کی رہمائی کرے تو مجھے صدارت سے استعفیٰ دیدیا اور ورکنگ کمیٹی سے بھی الگ ہوجانا چاہئے۔ خواہر لال کو بھی یہی کرا چاہئے میں نے فوراً خواہر لال کو بلایا اور انہیں گاندھی جی کا خط دکھایا سردار پٹیل بھی اتفاق سے آگئے تھے اور انہیں خط پڑھ کر بہت صدمہ ہوا وہ اسی وقت گاندھی جی کے پاس گئے اور ان کے اس فعل پر سخت احتجاج کیا انہوں نے کہا کہ اگر میں نے صدارت سے استعفیٰ دیا اور خواہر لال نے اور میں نے ورکنگ کمیٹی کو چھوڑ دیا تو اس کا رد عمل ملک کے لئے ایک مصیبت ہو جائے گا۔ اس سے لوگوں میں صرف بیچاں ہی نہیں پیدا ہوگا بلکہ کانگریس کی سیادیں ہل جائیں گی

گاندھی جی نے مجھے خط ۷ جولائی کو صبح سویرے بھیجا تھا۔ بارہ بجے کے قریب انہوں نے مجھے بلایا اور ایک لمبی تقریر کی جس کا خلاصہ یہ تھا کہ انہوں نے خط حلدی میں لکھ دیا تھا۔ اب معاملے پر مرید عور کرے کہ بعد وہ چاہتے ہیں کہ اپنا خط واپس لے لیں۔ مجھے ان کی بات مانتی ہی پڑی۔ تین بجے وہ پھر کو جب ورکنگ کمیٹی کا جلسہ ہوا تو پہلی بات جو

گاندھی جی بے کہی وہ یہ تھی کہ گہکار مادم ہو کر مولانا کے پاس واپس آگیا ہے !

ہم محوزہ تحریک کے مختلف پہلوؤں پر تفصیل سے بحث کرے لگے . گاندھی جی بے یہ بات صاف کر دی کہ پچھلی تحریکوں کی طرح یہ بھی عدم تشدد پر مبنی ہوگی . لیکن تشدد کے سوا ہر طریق کار جائز ہوگا . گفتگو کے دوران میں خواہر لال نے کہا کہ شاید گاندھی جی کے دہن میں جو چیز ہے وہ کھلی بغاوت ہے ، چاہے اس بغاوت میں تشدد نہ ہو گاندھی جی کو یہ تعریف پسند آئی اور انہوں نے کئی مرتبہ کھلی ہوئی بے تشدد بغاوت کا ذکر کیا ۱۴ جولائی کو ورکنگ کمیٹی نے قومی مطالبے کے متعلق حسب ذیل رولیشن منظور کیا .

» آئے دن کے واقعات اور ہندوستان کے لوگ جو کچھ چھیل رہے ہیں ، اس سے کانگریسیوں کی اس رائے کی تصدیق ہوتی ہے کہ ہندوستان پر انگریزوں کا راج فوراً ختم ہو جانا چاہیے . غیروں کی حکومت اپنی بہترین شکل میں بھی بدلت خود ایک بری چیز ہے جس سے محکوم قوم کو مسلسل ایذا پہنچتی رہتی ہے . اس کے علاوہ یہ بات ہے کہ جب تک ہندوستان ایک غلام ملک ہے وہ اپنی حماطت کے لئے کوئی کارگر تدبیر نہ کر سکے گا ، اور نہ اس جنگ کے انجام پر حواسایت کو برآمد کر رہی ہے کوئی اثر ڈال سکے گا . اس طرح ثابت ہوتا ہے کہ ہندوستان کی آزادی صرف ہندوستان کے فائدے کے لئے نہیں بلکہ دنیا کی سلامتی اور ناسرم ، فاشرم ، فوج گردی اور ایمپیرلزم کی دوسری شکلوں

کے خاتمے اور ایک قوم کے دوسری پر حملہ آور ہونے کے سلسلے کو سد کرے کے لئے ضروری ہے۔

»حب سے عالمگیر جنگ شروع ہوئی ہے کانگریس بے بہت سوچ سمجھ کر ایسی پالیسی اختیار کی ہے جس سے حکومت کے لئے کوئی مشکل نہ پیدا ہو اگرچہ اس میں خطرہ تھا کہ اسکی ستیہ گرہ بے اثر رہیگی، اس بے عمل اسے صرف ایک علامت کی شکل دی، اس لئے کہ اسے امید تھی کہ مشکل سے بچاے۔ کی یہ پالیسی اس طرح اپنی منطقی انتہا کو پہنچائی گئی تو اس کی مناسب قدر کی جائے گی۔ اسے امید تھی کہ قومی نمائندوں کے ہاتھ میں حقیقی اختیار مستقل کر دیا جائے گا، تا کہ ہماری قوم ساری دنیا کے انسانوں کے لئے آزادی حاصل کرنے میں، جس کے پامال ہوجائے کا خطرہ ہے، پوری طرح سے شرکت کر سکے۔ اسے امید تھی کہ کم از کم ایسی کوئی کارروائی نہیں کی جائے گی جس کا اثر برعکس ہو اور برطانیہ کا پختہ عصب اور مضبوط ہوجائے۔

» مگر یہ سب امیدیں پاش پاش ہو گئیں۔ کرپس کی لاجواب تحویروں بے بہت صاف صاف یہ ظاہر کر دیا کہ برطانیہ کے رویے میں کوئی تبدیلی نہیں ہوئی ہے اور وہ ہندوستان کو حسب سابق اپنے پیچھے میں پکڑے رہا چاہتا ہے۔ سرسٹیرڈ کرپس سے گفت و شنید کرتے وقت کانگریس کے نمائندوں بے انتہائی کوشش کی کہ کم سے کم حقوق کو قومی مطالبے سے ہم آہنگ ہوں، حاصل ہو جائیں، لیکن بے سود۔ اس مایوسی کا نتیجہ یہ ہوا ہے کہ برطانیہ سے مخالفت تیری کے ساتھ بڑھ

رہی ہے اور ہر طرف پھیل رہی ہے اور حাপانی فوجوں کی کامیابی پر خوشی ہو رہی ہے۔ ورکس کمیٹی اس صورت حال کو بہت خطرناک سمجھتی ہے، کیونکہ اس کا تدارک نہ کیا گیا تو لازمی ہے کہ لوگ حملہ آور کو حو کچھ وہ کرنا چاہے، بغیر روک ٹوک کے کرنے دیں گے۔ کمیٹی کی رائے ہے کہ ہر حارحانہ اقدام کا مقابلہ کرنا چاہئے، کیونکہ اسکے سامنے سر تسلیم خم کرے میں ہندوستانی قوم کی بے عرتی ہوگی اور اس کی محکومیت جاری رہے گی کانگریس چاہتی ہے کہ حو کچھ ملایا، سگاپور اور برہما میں ہوا ہے وہ ہندوستان میں نہ ہو، اور حاپانیوں یا کسی اور قوم کے حارحانہ اقدام یا حملہ کا مقابلہ کرے کی طاقت پیدا کی جائے۔

» کانگریس کی خواہش ہے کہ برطانیہ سے اس وقت حو بعض اور عداوت ہے وہ حیرحواہی میں تبدیل ہو جائے، اور ہندوستان اپنی حوشی سے دیا کی قوموں کو آزاد کرے کے اجتماعی منصوبے میں شریک ہو جائے، اور ان تمام آزمائشوں اور مصیبتوں سے گرے حو ایسے منصوبے پورے کرے میں پیش آتی ہیں۔ لیکن یہ اسی وقت ہو سکتا ہے حب ہندوستان اپنے دل میں آزادی کی گرمی محسوس کرے

» کانگریس کے نمائندوں نے انتہائی کوشش کی ہے کہ فرقہ واری معاملوں کا اُلھاؤ سلحہ جائے۔ مگر ایک غیر قوم کی موجودگی سے جس کا زمانے سے یہ اٹل طریقہ رہا ہے کہ فرقہ ڈال کر حکومت کرے۔ اسے ناممکن کر دیا ہے، آج کل کی فرسی دشواریاں



صرف اس وقت سامے سے ہٹیں گی، حقیقت اسی وقت روسرو آئے گی، اور ہندوستانی قوم، جس میں ہر گروپ اور پارٹی کے لوگ شامل ہوں گے، اسی وقت ہندوستان کے مسائل کو باہمی رصامدی سے حل کر سکے گی، جس عیروں کی حکومت اور مداخلت ختم ہو جائے آج کل کی پارٹیاں، جس کو قائم کرے کا مقصد برطانوی حکومت کو اپنی طرف متوجہ کرنا اور اس پر اثر ڈالنا ہے، اس وقت اپنی دوکان بڑھا چکی ہوگی۔ اور ہندوستان کی تاریخ میں پہلی مرتبہ لوگ دل سے محسوس کریں گے کہ راجہ، مہاراجہ، جاگیردار، رمیدار، سب کے سب دولت اور حائدادیں کھیتوں، کارخانوں اور دوسری جگہوں پر کام کرے والے آدمیوں سے حاصل کرتے ہیں، اس لئے اختیار اور اقتدار ابی کام کرے والوں کے ہاتھوں میں ہونا چاہئے۔ جس ہندوستان سے برطانوی حکومت ہٹ جائے گی تو ملک کے دمہ دار مرد عورتیں جمع ہو کر ایک عارضی حکومت قائم کریں گی، جو ہندوستان کی آبادی کے تمام اہم حصوں کی نمائندگی کرے گی، اور پھر یہ عارضی حکومت ایک اسکیم مرتب کرے گی جس کے مطابق ایک دستور ساز اسمبلی ترکیب پائے گی، تاکہ وہ ہندوستان کی حکومت کے لئے ایسا دستور بنائے جو ہر طبقے اور ہر گروہ کے لئے قابل قبول ہو۔ آزاد ہندوستان اور برطانیہ کے نمائندے باہمی مشورے سے طے کریں گے کہ مستقل میں ان کے تعلقات کی شکل کیا ہو، اور دونوں ملک اتحادیوں کی حیثیت سے جارحانہ اقدام کا مقابلہ کرے کے فرص کو کس طرح انجام دیں۔ کانگریس کی

دلی خواہش ہے کہ ہندوستان اپنی آبادی کے متفقہ ارادے اور متحدہ قوت کے بل پر خارجہ اقدامات کا مقابلہ کرے کے قابل بن جائے «کانگریس یہ تحویر کرتے ہوئے کہ برطانوی حکومت ہندوستان سے ہٹالی جائے، بالکل اس کی خواہشمند نہیں ہے کہ برطانیہ یا اتحادی طاقتوں کو ایسی مشکل میں پھنسا دے جو جنگ کو جاری رکھے میں خارج ہو، اور وہ یہ بھی نہیں چاہتی کہ ہندوستان پر خارجہ اقدام ہو یا چین پر جاپانیوں یا ایس کی ریاست کا جو محوری گروپ میں شامل ہے، زیادہ دباؤ پڑے۔ کانگریس کی یہ بھی نیت نہیں ہے کہ اتحادی ریاستوں کی قوت مدافعت کو کسی طرح سے خطرے میں ڈالے۔ اس لئے کانگریس کو یہ منظور ہے کہ اگر اتحادی ریاستیں ایسا چاہتی ہوں تو اپنی فوجوں کو ہندوستان میں رکھیں، تاکہ جاپانی حملہ یا اور کسی خارجہ اقدام کو روکا جاسکے یا اس کا مقابلہ کیا جاسکے اور چین کی حفاظت اور امداد کی جاسکے۔

«اس مطالبے کا کہ برطانوی اقتدار ہندوستان سے ہٹا لیا جائے کبھی یہ مشا میں تھا کہ تمام انگریز ہندوستان سے چلے جائیں، اور یہ تو ہرگز مقصود نہیں تھا کہ وہ انگریز بھی چلے جائیں جو ہندوستان کو اپنا وطن بنا چاہتے ہوں اور یہاں شہریوں کی طرح اور ہندوستانیوں کو اپنے برابر سمجھتے ہوئے رہا چاہیں۔ ورکنگ کمیٹی ان کے معاملے کو آخری فیصلے کے لئے آل انڈیا کانگریس کمیٹی کے پاس بھیج رہی ہے اس مقصد کے لئے آل انڈیا کانگریس کمیٹی کا ۷ اگست ۱۹۴۲ء کو بمبئی میں اجلاس ہوگا۔»

## «ہندوستان چھوڑ دو»

ورکگ کمیٹی کا ررولیوش شائع ہوا، تو پورے ملک میں بھلی کی ایک لہر دوڑ گئی۔ لوگوں نے اس پر غور نہیں کیا کہ اس ررولیوش کے کیا نتیجے نکل سکتے ہیں۔ ان کو تو س یہ نظر آرہا تھا کہ بالآخر کانگریس، برطانیہ کو ہندوستان سے نکالنے کے لئے عوامی تحریک شروع کر رہی ہے۔ چنانچہ عوام اور حکومت دونوں ہی بہت جلد اس ررولیوش کو «ہندوستان چھوڑ دو» کے نام سے موسوم کرے لگے ورکگ کمیٹی کے بعض ممبروں کی طرح عوام بھی گاندھی جی سے کامل عقیدت رکھتے تھے اور ان کو یقین تھا کہ انہوں نے کوئی ایسی تدبیر سوچی ہے، جو حکومت کے نظام کو درہم برہم کر دے گی اور اس طرح وہ مصالحت پر مجبور ہو جائے گی۔ میں یہاں اس کا اعتراف کرنا چاہتا ہوں کہ کچھ لوگ ایسے بھی تھے جو سوچتے تھے کہ گاندھی جی ہندوستان کو حادو کے ذریعہ یا ایسے طریقوں سے آزادی دلوا دیں گے، جو انسانی ہم و طاقت سے ماورا ہیں۔ اس لئے وہ ضروری نہیں سمجھتے تھے کہ فوراً اس کے لئے کوئی خاص کوشش کریں۔ ررولیولش مطور کرنے کے بعد، ورکگ کمیٹی نے فیصلہ کیا کہ وہ یہ دیکھے گی کہ حکومت پر اس کا کیا اثر ہوتا ہے۔ اگر

حکومت نے مطالبے کو تسلیم کر لیا، یا کم سے کم صلح حوئی کا رویہ اختیار کیا، تو مرید گفتگو کے لئے گھانٹ رہے گی اور اگر اس کے برعکس حکومت نے مطالبے کو رد کر دیا، تو گاندھی جی کی رہنمائی میں اس کے خلاف ایک تحریک شروع کی جائے گی۔ مجھے اس میں درا بھی شبہ نہیں تھا کہ حکومت گوارا نہ کرے گی کہ اسے ڈرا دھمکا کر گفتگو کی جائے۔ جو واقعات پیش آئے انہوں نے میرے اس قیاس کی تصدیق کر دی

وردھا میں بیرونی احکارات کے نمائندوں کا ہجوم ہو گیا تھا انہیں ورکنگ کمیٹی کا فیصلہ معلوم کرے کی بہت فکر تھی ۱۵ جولائی کو گاندھی جی نے ایک پریس کانفرنس بلائی ایک سوال کے جواب میں انہوں نے کہا کہ اگر تحریک شروع کی گئی، تو وہ برطانوی حکومت کے خلاف ایک بے تشدد انقلاب ہوگا

رولوش کے منظور ہونے کے بعد گاندھی جی کے سکرٹری مہادیو دیسائی نے مس سلیڈ سے کہا کہ انہیں وائسرائے سے مل کر رولوش کے مشا کی وضاحت کرنا چاہئے مس سلیڈ ایک برطانوی امیر بحر کی لڑکی تھیں، مگر انہوں نے گاندھی جی کی شخصیت سے متاثر ہو کر ہندوستانی طریقہ زندگی اختیار کر لیا تھا وہ عرف عام میں میرا بن کہلاتی تھیں گاندھی جی کے انتہائی عقیدت مندوں میں سے تھیں اور ان کے آشرم میں کئی سال رہ چکی تھیں۔ ان سے یہ بھی کہا گیا کہ وہ وائسرائے کو مجبورہ تحریک کی نوعیت اور اس کے طریق کار کو سمجھانے کی کوشش کریں۔ مس سلیڈ وائسرائے سے ملنے کے لئے وردھا روانہ ہوئیں اور

ملاقات کی درخواست کی۔ وائسرائے کے پرائیوٹ سکرٹری نے جواب دیا کہ چونکہ گاندھی جی معاوت کی باتیں کرتے ہیں، اس لئے وائسرائے ان سے ملاقات کرنا منظور نہیں کر سکتے۔ انہوں نے یہ بھی واضح کر دیا کہ حکومت جنگ کے زمانے میں کسی قسم کی معاوت کو برداشت نہیں کر سکتی، چاہے وہ تشدد پر مبنی ہو یا عدم تشدد پر۔ ہر حکومت کسی ایسی جماعت کے نمائندے سے ملے اور گفتگو کرے کے لئے آمادہ نہیں ہے، جو اس قسم کی باتیں کرتی ہے۔ اس انکار کے بعد، میرا بہن وائسرائے کے پرائیوٹ سکرٹری سے ملیں اور ان سے طویل گفتگو کی۔ اس وقت میں دہلی میں تھا۔ انہوں نے اس گفتگو کی تفصیلات سے مجھے آگاہ کیا، پھر وردھا واپس گئیں اور گاندھی جی سے اس ملاقات کا حال بیاں کیا۔

اس کے فوراً بعد مہادیو دیسائی نے ایک بیاں جاری کیا کہ معلوم ہوتا ہے گاندھی جی کے بارے میں کچھ غلط فہمیاں پیدا ہو گئی ہیں۔ یہ صحیح نہیں ہے کہ گاندھی جی نے برطانیہ کے خلاف کھلی بے تشدد معاوت کا فیصلہ کیا ہے۔ مجھے کہا پڑتا ہے کہ مہادیو دیسائی کے اس بیاں پر مجھے کسی قدر حیرت ہوئی۔ واقعہ یہ ہے کہ »بے تشدد انقلاب« کی اصطلاح خواہر لال نے ایجاد کی تھی اور پھر گاندھی جی نے بے تشدد انقلاب کی باتیں کرے لگے تھے۔ ممکن ہے ان کے دہن میں اس کا کوئی مخصوص مفہوم رہا ہو، مگر عام پبلک نے ان کے اس بیاں کا مطلب یہ سمجھا تھا کہ کانگریس نے اب فیصلہ کر لیا ہے کہ وہ بحر تشدد کے (ہندوستان کی)

برطانوی حکومت کو محور کرنے کے تمام ذریعے استعمال کرے گی کہ وہ اقتدار سے دست بردار ہو جائے۔ میں کہ چکا ہوں کہ میں بے پہلے سے اندازہ کر لیا تھا کہ انگریز پر (ہمارے فیصلے کا) کیا اثر پڑے گا اور مجھے کوئی تعجب نہیں ہوا جب وائسرائے بے گاندھی جی یا ان کے نمائندے سے ملنے سے انکار کر دیا۔ جب کہ ورکنگ کمیٹی طے کر چکی تھی ۱۷ اگست ۱۹۴۲ء کو بمبئی میں آل انڈیا کانگریس کمیٹی کا جلسہ صورت حال پر غور کرے کے لئے بلایا گیا۔

۱۴ جولائی سے ۵ اگست تک میرا تمام تر وقت ملک کے مختلف حصوں کے کانگریسی لیڈروں سے ملاقات کرے میں صرف ہوا۔ میں ان کے دہن نشین کرنا چاہتا تھا کہ اگر حکومت بے ہمارا مطالبہ مان لیا یا کم سے کم ہمیں کام کرنے کا موقع دیا تو تحریک کے چلائے میں گاندھی جی کی ہدایتوں کی سختی سے پابندی کی جائے گی، اگر حکومت بے گاندھی جی کو گرفتار کر لیا، تو عوام کو اختیار ہوگا کہ وہ حکومت کے تشدد کا مقابلہ کرے کے لئے جو طریقہ بھی مناسب سمجھیں، خواہ تشدد یا عدم تشدد کا، اسے اختیار کریں جب تک لیڈر آزاد ہیں اور اپنے فرائض انجام دے سکتے ہیں، ملک میں جو کچھ ہوگا، وہ اس کے ذمہ دار ہوں گے، لیکن اگر حکومت ان کو گرفتار کر لے گی، تو اس کے نتائج کی ذمہ داری اسی پر ہوگی۔ ظاہر ہے کہ ان ہدایتوں کو حفیہ رکھا گیا تھا اور ان کی اشاعت کبھی نہیں کی گئی۔ اس وقت کی صورت حال کا جو نقشہ میرے سامنے تھا، وہ یہ تھا کہ سگال، بہار، یوپی،

سی ہے، بمبئی اور دہلی پوری طرح تیار ہیں اور وہاں تحریک میں بہت زور اور طاقت ہوگی۔ آسام اُس وقت برطانیہ کی جگہ سرگرمیوں کا مرکز تھا اور فوجی افسروں اور سپاہیوں سے بھرا پڑا تھا، اس لئے وہاں کسی قسم کا عملی اقدام ممکن ہی نہیں تھا۔ لیکن آسام حابے کے تمام راستے سکال اور بہار سے گذرتے تھے، اس لئے ان دونوں صوبوں میں پروگرام کی اہمیت دو چند ہوگی، باقی صوبوں میں مناسب فضا پیدا کرنے کی میں بے انتہائی کوشش کر رہا ہوں، مگر مجھے اس کا اعتراف ہے کہ صحیح صورت حال میرے سامنے واضح شکل میں نہیں تھی۔

وائسرائے نے میرا ہنس سے ملاقات کر کے سے انکار کر دیا تو گاندھی جی نے محسوس کیا کہ حکومت آسامی سے جھکے والی ہیں ہے، اس سے ان کے اعتماد کو دھکا لگا، مگر اب بھی ان کو یقین تھا کہ حکومت کوئی سخت قدم نہیں اٹھائے گی۔ ان کا خیال تھا کہ آل انڈیا کانگریس کمیٹی کے جلسے کے بعد پروگرام تیار کر کے لئے کافی وقت مل جائے گا اور وہ تدریج تحریک کی رفتار کو تیز کر سکیں گے۔ میں ان کی اس خوش فہمی کو صحیح نہیں سمجھتا تھا۔ ۲۸ جولائی کو میں نے ان کو ایک مفصل خط میں لکھا کہ حکومت پوری طرح تیار ہے اور بمبئی میں آل انڈیا کانگریس کمیٹی کے جلسے کے فوراً بعد کوئی قدم اٹھائے گی۔ گاندھی جی نے جواب دیا کہ نتیجہ نکالنے میں مجھے حلد بازی سے کام لینا نہیں چاہیے۔ وہ بھی صورت حال کا مطالعہ کر رہے ہیں اور انہیں اب بھی یقین ہے کہ کوئی نہ کوئی راہ نکل آئے گی۔



۳ اگست کو میں کلکتہ سے بمبئی کے لئے روانہ ہوا مجھے پورا یقین تو نہ تھا، مگر دل یہ کہتا تھا کہ میں کلکتہ سے ایک طویل عرصے کے لئے جدا ہو رہا ہوں مجھے اس کی بھی اطلاعیں ملی تھیں کہ حکومت نے تمام انتظامات مکمل کر لئے ہیں اور اس کا ارادہ ہے کہ ررولوشن منظور ہوتے ہی تمام لیڈر گرفتار کر لئے جائیں۔

ورکنگ کمیٹی کا جلسہ ۵ اگست کو منعقد ہوا، جس میں ۷ اگست کو آل انڈیا کانگریس کمیٹی کے سامنے پیش کرے کے لئے ررولوشن کا ایک مسودہ تیار کیا گیا میں نے اپنی افتتاحی تقریر میں، کمیٹی کی پچھلی میٹنگ سے اس وقت تک صورت حال میں جو تبدیلی ہوئی تھی، اس کا مختصر حاکہ پیش کیا اور کسی قدر تفصیل کے ساتھ اس اسباب کی وضاحت کی، جنہوں نے ورکنگ کمیٹی کو اپنا رویہ بدلے اور ہندوستان کو آزاد کرے کے لئے تحریک شروع کرے پر آمادہ کیا تھا میں نے کہا کہ اس وقت اس کی قسمت کا فیصلہ ہو رہا ہے، ہماری قوم ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بیٹھ نہیں سکتی ہندوستان نے جمہوری ممالک کے ساتھ تعاون کرنا چاہا تھا، مگر برطانوی حکومت نے با عرت تعاون کی راہیں بند کر دیں۔ اب صورت یہ ہے کہ چارپائی حملہ آور درواریے تک آگیا ہے، اس لئے قوم اپنے اندر حملہ آور کا مقابلہ کرے کی طاقت پیدا کرنا چاہتی ہے برطانیہ اگر مناسب سمجھے تو ہندوستان کو حالی کر سکتا ہے، جیسے اس نے سگاپور، ملایا اور برما کو خالی کر دیا ہے، ہندوستانی ملک کو چھوڑ نہیں سکتے، کیونکہ

یہ ان کا وطن ہے، اس وحہ سے وہ اپنے میں اتنی طاقت پیدا کرنا چاہتے ہیں کہ برطانوی زنجیروں کو توڑ سکیں اور نئے حملہ آور کو مسہ توڑ حواب دے سکیں۔

سوائے چند کمیونسٹوں کے، جھوں نے اس تحریک کی مخالفت کی تھی، آل انڈیا کانگریس کمیٹی کے تمام عہدوں نے ورکنگ کمیٹی کے بیار کئے ہوئے رزولیوشن کا حیر مقدم کیا گاندھی جی نے بھی جلسے کو خطاب کیا اور دو روز کی بحث و گفتگو کے بعد، ۸ اگست کو رات گئے یہ رزولیوشن ہماری کثرت رائے سے منظور ہو گیا۔ رزولیوشن کا مکمل متن صمیمہ میں درج ہے

میں ہمنی جاتا تو عام طور پر مرحوم بھولا بھائی دیسانی کے ہاں ٹھہرا کرتا تھا اس موقع پر بھی میں وہیں ٹھہرا تھا اس وقت وہ علیل تھے اور ان کی طبیعت کچھ عرصے سے ناسار تھی، اس لئے جب میں آل انڈیا کانگریس کمیٹی کے جلسے سے واپس آیا اور معلوم ہوا کہ وہ میرا انتظار کر رہے ہیں تو کچھ تعجب ہوا۔ رات کافی گرر چکی تھی، میں تھکا ہوا تھا اور میرا خیال تھا کہ وہ سو گئے ہوں گے۔ میں نے ان کو اس قدر دیر تک جاگے پر ہلکی سی ہمائش کی، مگر انہوں نے بتلایا کہ میرے ایک عزیز محمد طاہر، جس کا ہمنی میں کاروبار تھا، مجھ سے ملے آئے تھے اور بہت دیر تک میرا انتظار کیا جس میں واپس نہیں آیا تو وہ میرے نام ایک پیغام چھوڑ کر چلے گئے ہیں محمد طاہر کے ہمنی پولیس میں ایک دوست تھے، ان سے انہیں معلوم ہوا تھا کہ صبح سویرے تمام کانگریسی لیڈر گرفتار کر لئے جائیں گے۔ طاہر کے دوست نے

یہ بھی بتلایا تھا کہ اسے یقین کے ساتھ تو نہیں معلوم ہے، مگر اطلاع یہ ہے کہ ہم سب کو ہندوستان کے باہر — عالتاً جنوبی افریقا بھیج دیا جائیگا۔

اس قسم کی افواہیں کلکتہ میں روانگی سے قبل سے میں آئی تھیں، بعد میں معلوم ہوا کہ یہ افواہیں بالکل بے بنیاد نہیں تھیں۔ جب حکومت نے ہم سب کو گرفتار کرے کا فیصلہ کیا تھا تو یہ بھی خیال آیا ہوگا کہ ہم کو ہندوستان میں رکھا مصلحت کے خلاف ہے۔ چنانچہ یہ حقیقت ہے کہ اس سلسلے میں جنوبی افریقا کی حکومت سے گفتگو شروع کی گئی تھی، مگر معلوم ہوتا ہے کہ عین وقت پر کوئی رکاوٹ پیش آگئی، جس کی وجہ سے بعد میں فیصلہ بدلنا پڑا۔ حلد ہی ہمیں معلوم ہو گیا کہ حکومت نے طے کیا ہے کہ گاندھی جی کو پونا میں نظر بند کیا جائیگا اور ہم لوگوں کو احمد نگر قلعہ میں قید کیا جائیگا۔

بھولا بھائی اس خبر سے سخت پریشان تھے اور اسی وجہ سے اب تک میرا انتظار کر رہے تھے میں بہت ہی تھکا ہوا تھا، اس لئے اس قسم کی افواہیں بیٹھ کر سے کوئی نہیں چاہتا تھا۔ میں نے بھولا بھائی سے کہا کہ اگر یہ خبر صحیح ہے تو میرے پاس آزادی کے صرف چند گھنٹے باقی ہیں، اس لئے بہتر ہے کہ میں حلد کھانا کھا کر سو رہوں تا کہ صبح کو کو کچھ ہونے والا ہے، اس کے لئے تیار ہو جاؤں۔ سوائے اس کے کہ آزادی کے ان چند گھنٹوں کو افواہوں کے بارے میں قیاس آرائی میں صرف کروں، بہتر ہے کہ سو رہوں۔ بھولا بھائی نے اس سے اتفاق کیا

اور میں حلد ہی ستر پر لیٹ گیا۔

میں ہمیشہ سے صبح سویرے اٹھے کا عادی ہوں۔ اگلی صبح کو بھی میں حسب معمول چار بجے اٹھا۔ مگر میری تھکاوٹ اب بھی باقی تھی اور سر بھاری بھاری سا تھا۔ میں بے اسپرین کی دو گولیاں کھائیں، چائے کی ایک پیالی لی اور کام کرے بیٹھ گیا۔ یہ فیصلہ کیا گیا کہ مطور شدہ رزولیوشن کی ایک نقل خط کے ساتھ پریریڈٹ روزولٹ کو بھیجی جائیگی ہم نے سوچا کہ پریریڈٹ روزولٹ ہندوستان کی آزادی کے مسئلے میں جس قدر دلچسپی لے رہے ہیں، اس کے پیش نظر کم سے کم اتنا تو ہونا ہی چاہئے۔ میں بے پریریڈٹ روزولٹ کے نام خط لکھا شروع کیا، مگر اسے ختم نہ کر سکا۔ شاید تھکاوٹ کی وجہ سے یا شاید اسپرین کی وجہ سے بید آئے لگی اور میں سونے کے لئے لیٹ گیا

میں زیادہ سے زیادہ پندرہ منٹ سویا ہوں گا کہ کسی نے چپکے سے میرا پاؤں دایا میں بے آنکھیں کھولیں تو بھولا بھائی دیسائی کے صاحبزادے دھیرو بھائی دیسائی ایک کاعد لئے کھڑے تھے۔ میں سمجھ گیا کہ وہ کیا ہے، قل اس کے کہ دھیرو بھائی مجھے تلاتیں کہ بمبئی کا ڈپٹی کمشنر میری گرفتاری کا وارنٹ لایا ہے۔ انہوں نے یہ بھی کہا کہ ڈپٹی کمشنر برآمدے میں انتظار کر رہا ہے۔ میں نے دھیرو بھائی سے کہا کہ ڈپٹی کمشنر سے کہدیں کہ مجھے تیار ہونے میں تھوڑا سا وقت لگے گا۔

میں بے غسل کیا اور کپڑے پہنے۔ میں نے اپنے پرائیوٹ سکریٹری

محمد احمل حال کو ، حو اس وقت تک اٹھ کر میرے پاس آچکے تھے ، ضروری ہدایات بھی دیدیں . اس کے بعد میں برآمدے میں آیا ، بھولا بھائی اور ان کی بو ڈپٹی کمشر سے باتیں کر رہی تھیں میں بے مسکرا کر بھولا بھائی سے کہا کہ ان کے دوست پچھلی شام کو حو حو لائے تھے صحیح نکلی پھر میں بے ڈپٹی کمشر سے مخاطب ہو کر کہا « میں تیار ہوں » اس وقت پانچ بجے تھے . میں ڈپٹی کمشر کی کار میں بیٹھا ایک دوسری کار میں مرا سامان رکھا گیا اور وہ ہمارے پیچھے پیچھے چلی ہم سیدھے وکٹوریا ٹرمس آئے یہ لوکل گاڑیوں کا وقت تھا مگر اسٹیشن بالکل حالی تھا ، شاید تمام گاڑیاں اور مسافر تھوڑی دیر کے لئے روک دئے گئے تھے حو بھی میں کار سے اترا ، اشوک مہتا بھر پڑے وہ بھی گرفتار کر لئے گئے تھے اور وکٹوریا ٹرمس لائے گئے تھے . اس سے میں سمجھ گیا کہ حکومت بے صرف ورکنگ کمیٹی کے عمروں کو نہیں ، بلکہ بمبی کے مقامی کانگریسی لیڈروں کو بھی گرفتار کر لیا ہے ، اور سارے ملک میں یہی کیا جا رہا ہوگا . پلیٹ فارم پر ایک گاڑی ہمارے انتظار میں کھڑی تھی . مجھے اس کے پاس لائے . اس وقت ایک اجس ، گاڑی میں ڈائنگ کار لگا رہا تھا . یہ کوریڈر ( Corridor ) والی گاڑی تھی ، جیسی کہ عام طور پر بمبی اور پونا کے درمیان چلتی ہیں . میں ایک ڈبے میں پہنچا دیا گیا ، جہاں میں کھڑکی کے پاس کی سٹ پر بیٹھ گیا . اس کے بعد فوراً ہی حواہر لال ، آصف علی اور ڈاکٹر محمود بھر آئے . حواہر لال بے مجھے بتلایا کہ گاندھی جی کو بھی اسٹیشن

لائے ہیں اور وہ دوسرے ڈبے میں بیٹھائے گئے ہیں۔ ایک یورپین فوجی افسر بے آکر ہم سے پوچھا کہ چائے تو نہ پئیں گے؟ میں چائے ہی چکا تھا، مگر اور مسکوالی۔

تھوڑی ہی دیر میں ایک دوسرا فوجی افسر آیا اور اس سے ہم لوگوں کو گسا شروع کیا۔ وہ کسی وجہ سے چکرایا ہوا سا تھا۔ کیونکہ اس سے ہم لوگوں کو متعدد بار گسا حب وہ ہمارے ڈبے میں آیا تو اس سے ذرا بلند آواز سے کہا »تیس«۔ حب اس سے دو تین مرتبہ یہی کیا، تو میں سے اتنی ہی بلند آواز میں کہا »۳۲« اس سے وہ اور پریشاں ہو گیا، اور اس سے پور گسا شروع کیا۔ اس کے بعد ہی گارڈ بے سیٹی بحائی اور گاڑی چل پڑی۔ میں سے مسر آصف علی کو پلیٹ فارم پر کھڑے دیکھا وہ اپنے شوہر کو رحمت کرے آئی تھیں حب گاڑی چلے لگی تو انہوں سے میری طرف دیکھا اور کہا »میری فکر یہ کیجئے گا، میں اپنے لئے کوئی نہ کوئی کام نکال لوں گی۔ بے کار یہ بیٹھوں گی«۔ بعد کے واقعات سے ثابت کر دیا کہ انہوں سے حو کہا تھا، وہ کر دکھلایا۔

میں ابھی تنہا چکا ہوں کہ ہماری گاڑی میں کوری ڈر تھا۔ مسر بائیڈو ہمارے ڈبے میں آئیں اور کہا کہ گاندھی جی ہم سے ملا چاہتے ہیں۔ ہم کوری ڈر سے ہوتے ہوئے ان کے ڈبے میں گئے، حو دراز، فاصلے پر تھا۔ گاندھی جی بہت ہی افسردہ نظر آرہے تھے۔ میں سے کبھی ان کو اس قدر اُداس اور رنجیدہ نہیں دیکھا تھا۔ میں سمجھ گیا کہ ان کو اس اچانک گرفتاری کا اندیشہ نہیں تھا۔ ان کا

اندازہ یہ تھا کہ حکومت کوئی سحت کارروائی نہیں کرے گی۔ اگرچہ میں نے ان کو بار بار آگاہ کیا تھا کہ وہ بہت زیادہ خوش فہمی سے کام لے رہے ہیں، مگر طاہر ہے ان کو اپنی رائے پر زیادہ اعتماد تھا۔ اب چونکہ ان کے امدارے غلط ثابت ہو گئے تھے، وہ طے نہیں کر پاتے تھے کہ ان کو کیا کرنا چاہیے۔

ہم بے ابھی بات شروع ہی کی تھی کہ گاندھی جی بے کہا »تم اپنے ٹھکانے پر پہنچتے ہی حکومت کو اطلاع کرنا کہ تم بحیثیت صدر کانگریس اپنے فرائض کو جاری رکھنا چاہتے ہو۔ اس مقصد کے لئے تم کو اپنے پرائیوٹ سکرپٹری اور دوسری سہولتوں کا مطالبہ کرنا چاہیے۔ جب تم پچھلی مرتبہ گرفتار ہوئے تھے اور بی بی حیل میں نظر بند تھے، تو حکومت بے تم کو یہ سہولتیں مہیا کی تھیں۔ اسی قسم کی سہولتوں کا تم کو پھر مطالبہ کرنا چاہیے اور اگر ضرورت پڑے تو اس کو ایک مسئلہ بنا لیا جائیے۔ میں گاندھی جی سے اتفاق نہ کر سکا۔ میں بے کہا کہ موجودہ صورت حال بالکل مختلف ہے۔ ہم بے اپنا راستہ جان بوجھ کر اختیار کیا ہے۔ اس لئے اس کے نتائج کو بھی برداشت کرنا چاہیے۔ یہ بات تو میری سمجھ میں آسکتی تھی کہ وہ کسی ایسے مسئلے کے بلوے میں لڑے کو کہیں، جو کانگریس بے اٹھایا ہو، مگر یہ کیسے ہو سکتا تھا کہ میں اتنے معمولی مسئلے پر کہ مجھے خاص سہولتیں دی جائیں لڑے کے لئے آمادہ ہو جاتا۔ میں اس مطالبہ کو مستحق سمجھتا ہوں کہ کانگریس کے کاموں کو انجام دیے کے لئے پرائیوٹ سکرپٹری رکھے کی اجازت ملے۔ موجودہ حالات میں



یہ معاملہ اس قابل نہیں تھا کہ اس پر لڑائی کی جائے۔ ہم یہ باتیں کر ہی رہے تھے کہ بمبئی کا پولیس کمشنر، جو ہمارے ساتھ ہی سفر کر رہا تھا، اندر آیا۔ اس نے ہم سے اپنے ڈبے میں جانے کے لئے کہا۔ اس نے مجھ سے کہا کہ صرف مسر بائیڈو، گاندھی جی کے ساتھ رہ سکتی ہیں۔ خواہر لال اور میں اپنے ڈبے میں آگئے۔ ہماری گاڑی اس وقت تیزی کے ساتھ کلیاں کی طرف جارہی تھی، لیکن وہ کلیاں میں نہیں ٹھہری اور یونا کا راستہ اختیار کر لیا۔ میں نے سوچا کہ غالباً ہم لوگ یونا میں ٹرپد کئے جائیں گے اور حب وہاں گاڑی رکھی تو مجھے یقین ہو گیا کہ میرا خیال صحیح ہے۔

معلوم ہوتا ہے کہ ہماری گرفتاری کی خبر کسی طرح یونا پہنچ گئی تھی۔ پلیٹ فارم پر ہر طرف پولیس تھی اور پبلک میں سے کسی کو آنے کی اجازت نہیں تھی، البتہ پل کے اوپر بڑا اژدہام تھا۔ جوہی گاڑی اسٹیشن پر پہنچی، لوگوں نے »مہاتما گاندھی کی جے« پکارنا شروع کر دیا۔ خونہی لوگوں نے نعرے لگائے، کمشنر نے پولیس کو لالھی چارج کرنے کو حکم دیدیا۔ اسے حکم ملا تھا کہ کسی قسم کے مظاہرے یا نعرے کی اجازت نہ دی جائے۔

خواہر لال کھڑکی کے قریب بیٹھے تھے۔ جوہی انہوں نے دیکھا کہ پولیس لالھی چارج کر رہی ہے تو ڈبے سے باہر کود پڑے اور چلاتے ہوئے آگے بڑھے کہ »تمہیں لالھی چارج کرنے کا کوئی حق نہیں ہے« پولیس کمشنر ان کے پیچھے لپکا اور انہیں ان کے ڈبے میں واپس لانے کی کوشش کی۔ خواہر لال نے اس کا

کہنا نہیں سا اور غصے میں باتیں کرے لگے اس اثناء میں ورکنگ کمیٹی کے ایک اور عہد، شکر راؤ دیو، بھی پلیٹ فارم پر اتر پڑے چار سپاہیوں نے ان کو گھیر لیا اور گاڑی میں واپس حابے کے لئے کہا حب اُنہوں نے حابے سے انکار کیا تو پولیس والوں نے ان کو زبردستی اٹھا کر ڈبے میں لائے۔ میں نے حواہر لال سے پکار کر کہا کہ اندر آجائیں۔ حواہر لال غصے سے بھرے ہوئے معلوم ہوتے تھے، مگر میری درخواست کو قبول کر لیا۔ پولیس کمشنر میرے پاس آیا اور دو تین مرتبہ اس نے معذرت کی «حاب والا، مجھے سخت افسوس ہے، مگر مجھے ان باتوں کا حکم دیا گیا ہے اور میں ان کو بحال لایے پر مجبور ہوں»

میں نے اپنی کھڑکی سے دیکھا کہ مسر نائیڈو اور گاندھی جی گاڑی سے اُتار لئے گئے ہیں بعد میں ہمیں معلوم ہوا کہ آغا خاں کے مکاں میں، حواہر لال محل کے نام سے مشہور ہے، نظر بند کیا گیا ہے۔ ایک اور شخص بھی حواہر لال میں گرفتار کیا گیا تھا، گاڑی سے اُترا اور پلیٹ فارم پر حابا چاہتا تھا۔ مگر پولیس نے اس کو روک دیا، پھر بھی وہ اس وقت تک مار نہیں آیا حب تک کہ پولیس نے اس کو پکڑ کر زبردستی نہیں روکا۔ میرا خیال ہے وہ گاندھی جی کی ہدایتوں پر عمل کرے کی کوشش کر رہا تھا۔ آپ کو یاد ہوگا کہ گاندھی جی نے کہا تھا کہ موجودہ تحریک میں لوگوں کو چاہئے کہ وہ اپنے کو رصا کارانہ طور پر گرفتار نہ کرائیں، بلکہ حب سختی اور زبردستی کی جائے، تب وہ حیل میں جانے پر راضی ہوں۔

حب گاندھی جی اُتار لئے گئے، تو پھر گاڑی روانہ ہوئی۔ اب  
میں سمجھا کہ ہمیں احمد مگر لے جایا جارہا ہے ہم دن کے  
ڈیڑھ بجے اسٹیشن پر پہنچے سوائے چند پولیس افسروں اور ایک  
فوجی افسر کے پائٹ فارم پر کوئی نہیں تھا ہم سے اترے کے لئے  
کہا گیا اور کاروں پر سوار کر دیا گیا، جو ہمارا انتظار کر رہی  
تھیں۔ کاریں فوراً روانہ ہو گئیں اور سیدھی جاکر قلعہ کے اندر  
کے پھانک پر رکیں وہاں ایک فوجی افسر منتظر کھڑا تھا پولیس  
کمشنر بے ایک فہرست نکال کر اسے دیدی۔ وہ ایک ایک نام  
پکارنا گیا اور ہمیں قلعہ میں داخل کرتا گیا دراصل اس طرح  
پولیس کمشنر ہم کو فوجی محکمے کے حوالے کر رہا تھا۔ اب سے  
ہم فوجی حراست میں آگئے

## قلعہ احمد نگر جیل

ورکنگ کمیٹی کے نو اور ممبر میرے ساتھ احمد نگر لائے گئے تھے، یعنی خواہر لال، سردار پٹیل، آصف علی، شکر راؤ دیو، گووند بلہ پت، ڈاکٹر پٹاھی سیتارمیا، ڈاکٹر سید محمود، آچاریہ کرپلانی اور ڈاکٹر پروفلا گھوش۔ راجن بابو ورکنگ کمیٹی کے ممبر تھے مگر چونکہ بمبئی کے جلسے میں شرکت کے لئے ہیر اسکے تھے، اس لئے ان کو پٹہ میں گرفتار کر کے وہیں بطرہ کر دیا گیا۔

ہم کو قلعہ کے اندر لے گئے، ایک ایسی عمارت میں جو فوجی بیرک معلوم ہوتی تھی۔ اس کا کوئی دو سو فٹ لمبا صحن تھا، جس کے چاروں طرف کمرے تھے۔ بعد میں معلوم ہوا کہ پہلی جنگ عظیم کے زمانے میں عیر ملکی قیدی یہاں رکھے جاتے تھے۔ پونا سے ایک جیلر یہاں منتقل کر دیا گیا تھا۔ ہمارا سامان حب اتارا جائے لگا، تو اس بے اس کی چیکنگ کی۔ میرے پاس ایک چھوٹا سا ریڈیو تھا، جسے میں ہمیشہ اپنے ساتھ رکھتا تھا میرا اور سامان اندر بھیج دیا گیا، مگر ریڈیو روک لیا گیا اور رہا ہوئے کے وقت تک میں بے اسکی شکل نہیں دیکھی۔ ہمارے پہنچنے کے تھوڑی دیر کے بعد، لوہے کی طشتیوں میں کھانا چنا گیا۔ ہمیں

یہ بات پسند نہیں آئی اور میں نے حیلر سے کہا کہ ہم چینی کی پلٹیوں میں کھانے کے عادی ہیں۔ جیلر نے معذرت کرتے ہوئے کہا کہ آج تو ڈنرسٹ کا انتظام نہیں ہو سکے گا، مگر کل ضرور ہو جائے گا۔ پوچھا کہ حو قیدی کھانا پکائے کے لئے لایا گیا تھا، وہ ہماری پسند کے مطابق پکا نہیں سکتا تھا۔ وہ جلد ہی بدل دیا گیا۔ مگر بیا آدمی بھی اس سے کچھ بہتر نہیں تھا۔

ہماری نظر بدی کا مقام رار میں رکھا گیا تھا۔ مجھے یہ بات حماقت امیر معلوم ہوئی، کیونکہ ایسی کوئی بات زیادہ عرصے تک چھپائی نہیں جاسکتی تھی۔ بہر حال حکومت کے اس طرز عمل پر زیادہ تعجب نہیں ہوا۔ عموماً ایسے موقعوں پر سب حکومتیں حماقت کی باتیں کرتی ہیں۔

دو تین دن بعد بمبئی کے حیلر جانوں کا اسپیکٹر حیلر ہم کو دیکھے آیا، اس نے ہمیں بتلایا کہ سرکاری حکم یہ ہے کہ ہمیں اپنے عریروں کو بھی خط لکھے کی اجازت نہ دی جائے، کسی کا خط ہم کو نہ دیا جائے اور ہم کو کوئی احبار بھی پڑھے کو نہ ملے۔ اس نے بہت معذرت کی، مگر ساتھ ہی کہا کہ یہ احکامات بہت تاکیدی ہیں اور اسے ان پر عمل کرنا ہوگا۔ پھر بھی اس نے کہا کہ ہماری اور ضروریات کو وہ حوشی سے پورا کرے گا۔

۳ اگست کو حب میں کلکتہ سے بمبئی کے لئے روانہ ہوا تھا، تو طبیعت ٹھیک نہیں تھی۔ مجھے اعلوئرا تھا اور آل انڈیا کانگریس کمیٹی کے جلسے کے ایام میں بھی بحار رہا۔ حکومت کو بخوبی

اس کا علم تھا۔ اسپیکٹر حزل ڈاکٹر تھا اور میرا معائنہ کرنا چاہتا تھا، مگر میں اس پر راضی نہیں ہوا۔

ہمارا دنیا سے کسی قسم کا تعلق نہیں رہا تھا اور بالکل نہیں معلوم تھا کہ قلعے کے باہر کیا ہو رہا ہے۔ ہم بے محسوس کیا کہ اپنی صحت اور ہمت کو قائم رکھنے کے لئے ہمیں کچھ نہ کچھ کرے گا پروگرام با لیا چاہئے میں لکھ چکا ہوں ہمارے کمرے ایک صحن کے چاروں طرف تھے میں ایک طرف کے پہلے کمرے میں تھا۔ اس کے محل کے کمرے میں حواہر لال تھے اور تیسرے میں آصف علی ار ڈاکٹر سید محمود اس طرف کا آخری کمرہ ڈاننگ روم تھا۔ ہم صبح کو آٹھ بجے ناشتے کے لئے ملتے، پھر گیارہ بجے دوپہر کے کھانے کے لئے، اس کے بعد سب لوگ میرے کمرے میں جمع ہوتے اور ایک دو گھنٹے مختلف موضوعوں پر بحث کیا کرتے پھر کچھ دیر آرام کرتے اور چار بجے چائے کے وقت پھر ملتے۔ چائے کے بعد صحن میں کچھ ورزش کرتے۔ رات کا کھانا آٹھ بجے ملتا تھا اور عام طور پر ہماری بحث و گفتگو دس بجے تک جاری رہتی اس کے بعد ہم لوگ اپنے اپنے کمرے میں چلے جاتے۔

ہم صحن کے دو صحن میں پھول پتی کا نام نہیں تھا حواہر لال بے تحویر پیش کی کہ اس میں پھول لگائے چاہئیں۔ اس طرح ہم مشغول رہ سکیں گے اور حگہ حوصورت ہو جائیگی۔ یہ خیال ہم سب کو پسند آیا اور ہم بے سپریشنٹ سے کہا کہ پونا سے بیج مسکوادے۔ اس کے بعد ہم لوگ کیاریاں تیار کرنے میں

لگ گئے۔ اس میں حواہر لال سب سے آگے آگے تھے۔ ہم بے کوئی تیس یا چالیس قسم کے بیج بوئے، ان میں پانی دیا کرتے اور کیاریوں کی برائی کیا کرتے۔ ہم نے بڑے ذوق اور محویت سے پودوں میں کلی نکلتے دیکھا، حب پھول کھائے لگے، تو صحن حس اور لطیف کا مقام بن گیا۔

ہم کو قید خانے میں آئے کوئی پانچ دن ہوئے تھے، ایک افسر آیا، حس کے متعلق، ہمیں معلوم ہوا کہ، ہماری دیکو، بھال کے لئے حیل کا سپرنٹنڈنٹ مقرر ہوا ہے وہ شہر میں رہتا تھا اور رورائنہ آٹھ بجے صبح کو آتا اور شام کو جلا حاتا تھا ہمیں اس کا نام معلوم نہیں تھا، اس لئے ہم لوگوں سے سوچا کہ اس کا کوئی نام رکھا چاہئے مجھے یاد پڑا کہ حب چاندنی بی اسی حیل میں نظر بند تھیں تو ایک حشی اُن کا حیلر تھا، حس کا نام چیتا خاں تھا۔ میں نے تحویر کیا کہ ہمیں اپنے سپرنٹنڈنٹ کا بھی یہی نام رکھا چاہئے۔ میرے ساتھی حوشی سے مان گئے، اور یہ نام اس قدر مقبول ہوا کہ ہر شخص اس کو چیتا خاں کہنے لگا۔ مجھے تعجب ہوا، حب تین چار روز کے بعد حیلر نے آکر بتایا کہ آج سویرے چیتا خاں چلا گیا ہے۔

حسے ہم چیتا خاں کہتے تھے، وہ اُس وقت پورٹ بلیر میں تھا، حب حاکم پانیوں سے حملہ کر کے انڈمان کے حریروں پر قصہ کر لیا۔

۲۵ اگست کو میں نے وائسرائے کو ایک خط لکھا کہ مجھے اس کی شکایت نہیں ہے کہ حکومت نے مجھے اور میرے رفقاء کو



گرفتار کرنا مناسب سمجھا اللہ ہمارے ساتھ ہو سلوک کیا جا رہا ہے، اس کی شکایت ضرور ہے۔ سزا یافتہ مجرموں تک کو اپنے قریبی عریروں سے خط و کتابت کرے کی اجازت ہوتی ہے، مگر ہم کو اس سے بھی محروم رکھا گیا ہے۔ میں بے یہ بھی لکھا کہ میں دو ہفتے انتظار کروں گا۔ اگر حکومت کی طرف سے اطمینان بخش جواب موصول نہ ہوا تو میں اور میرے رفقاء سوچیں گے کہ اس کے بعد کیا کارروائی کریں۔

۱۰ ستمبر کو چیتا حان بے آکر اطلاع دی کہ حکومت بے ہمیں اپنے عریروں کو ہفتہ میں ایک مرتبہ خط لکھے کی اجازت دیدی ہے اور ہمیں روزانہ ایک اخبار بھی مل جایا کرے گا۔ چنانچہ ٹائمر آف انڈیا میری میر پر رکھ دیا گیا اور اس کے بعد وہ برابر آتا رہا۔ اس رات کو میں دیر تک اخبار پڑھتا رہا ایک ماہ سے زیادہ ہو گیا تھا کہ ہم لوگوں کو کوئی خبر نہیں ملی تھی۔ اب ہمیں اپنی گرفتاری کے بعد کے واقعات اور جنگ کے حالات معلوم ہوئے۔

دوسرے روز میں بے چیتا حان سے پچھلی تاریخوں کے اخبار مانگے۔ چونکہ حکومت بے اب اخبارات کی اجازت دیدی تھی اس لئے میرے مطالبے پر کوئی اعتراض نہیں کیا جاسکتا تھا۔ چیتا حان بے اس بات سے اتفاق کیا اور دو تین دن میں اس بے میری گرفتاری سے اس وقت تک کا ٹائمر آف انڈیا کا مکمل فائل مہیا کر دیا۔

خبروں کے پڑھنے سے میرے اس قیاس کی تصدیق ہو گئی کہ

ہماری گرفتاری کے بعد ملک میں لڑ گھڑ اور شورش پھیل جائیگی۔  
بنگال، بہار، یو۔ پی۔ اور بمبئی کے صوبے حکومت کے خلاف  
حد و حد میں پیش پیش تھے، رسل و رسائل کا سلسلہ درہم برہم  
ہو گیا تھا اور کارخانے بند کر دیے گئے تھے۔ تھانوں پر حملے ہوئے  
تھے اور وہ جلادئے گئے تھے۔ ریلوے اسٹیشنوں پر حملے کئے  
گئے اور بعض بعض مقامات پر وہ برباد کر دیے گئے تھے۔  
فوجی لاریاں بھی بڑی تعداد میں جلادی گئی تھیں۔ کارخانے بند  
ہوئے کی وجہ سے جنگی سامان کی پیداوار یا تو ختم ہو گئی تھی  
یا بہت کم ہو گئی تھی۔ مختصراً حکومت کے ہمسایہ ظالم و تعدی  
کے خلاف پورا ملک اٹھ کھڑا ہوا تھا اور تحریک عدم تشدد  
کی پابندی نہیں رہی تھی۔ یہ سب کچھ میرے امدارے اور قیاس کے  
مطابق ہوا تھا اور ایک حد تک یہ وہی کام تھے، جس کے بارے  
میں کارکنوں سے گفتگو ہوئی تھی اور جنہیں کرے کا مشورہ  
دیا گیا تھا۔

سہ ۱۹۴۲ء کے باقی مہینوں میں کوئی اہم واقعہ پیش نہیں آیا۔  
سہ ۱۹۴۳ء کے شروع میں فضا پور بدلی۔ فروری میں ہم نے  
احساروں میں پڑھا کہ گاندھی جی نے وائسرائے کو لکھا ہے کہ وہ  
اکیس دن کا رت رکھیں گے۔ ان کے بیان کے مطابق یہ رت  
ترکیہ نفس کے لئے تھا۔ مجھے یقین تھا کہ گاندھی جی کے اس  
اقدام کے دو بڑے سبب ہیں۔ میں اوپر بتا چکا ہوں کہ گاندھی جی  
کو اس کا اندیشہ نہیں تھا کہ حکومت کانگریسی رہنماؤں کو اس  
طرح گرفتار کر لے گی، بلکہ انہیں اتنی مہلت مل جانے کی امید

تھی کہ عدم تشدد کے طریقوں پر، اپنے مخصوص خیالات کے مطابق تحریک کو آگے بڑھائیں۔ ان کی یہ دونوں توقعات غلط ثابت ہوئیں۔ ملک میں جو کچھ ہوا تھا اس کی ذمہ داری انہوں نے خود اپنے اوپر لے لی تھی اور اب اپنے معمول کے مطابق کفارے کے لئے رت رکھے کا منصوبہ بنا رہے تھے۔ میں اور کسی مہروصے کی بنا پر اس رت کو ایک نامعنی فعل قرار نہیں دے سکتا تھا۔ حکومت نے ان کے اس اقدام کو بالکل ہی دوسری نظر سے دیکھا۔ اس کا خیال تھا کہ اسی عمر میں اور صحت کی موجودہ حالت میں وہ اکیس دن کا رت برداشت نہ کر سکیں گے۔ اس کے نزدیک اس طرح رت رکھے کے معنی موت کو دعوت دینا تھا۔ اس کا خیال تھا کہ گاندھی جی کا مقصد یہی ہے اور وہ حکومت کو اپنی موت کا دمدار بنانا چاہتے ہیں۔ بعد میں ہمیں معلوم ہوا کہ حکومت نے اس مہروصے پر تمام ضروری انتظامات کئے تھے۔ ان کے حاصر نہ ہوئے گا اس درجہ یتیم تھا کہ اس نے لاش کو حملانے کے لئے صندل کی لکڑی کا بھی انتظام کر لیا تھا اگر گاندھی جی اپنی موت کی ذمہ داری حکومت پر ڈالی چاہتے تھے، تو حکومت کا جواب یہ تھا کہ وہ اس وحہ سے اپنی پالیسی میں کوئی تبدیلی نہیں کرے گی۔ ان کی آخری رسم آغا خان محل میں، جہاں وہ بطور مد تھے، ادا کی جائے گی اور ان کی راکھ ان کے لڑکوں کو بھیج دی جائے گی۔

ڈاکٹر۔ بی۔ سی۔ رائے نے حکومت کو لکھا کہ وہ گاندھی جی کے رت کے زمانے میں ان کے مشیرطی کی حیثیت سے کام کرنا چاہتے

ہیں۔ حکومت بے اس پر کوئی اعتراض نہیں کیا۔ رت کے دوران میں ایک وقت ایسا بھی آیا، جب معلوم ہوتا تھا کہ حکومت کے امدارے صحیح ثابت ہوں گے۔ گاندھی جی کے معالج بھی مایوس ہو گئے مگر گاندھی جی بے حکومت اور اپنے ڈاکٹروں کے تمام قیاسات کو عاطف ثابت کر دیا۔ انہوں نے قوت برداشت کی جو غیر معمولی صلاحیت دوسرے مرقعوں پر دکھلائی تھی، اس بے اس مرتبہ ایک کرشمہ کر دکھایا۔ ان میں ایسی حاکم تھی کہ وہ موت پر غالب آگئے، اور اکیس دن کے بعد انہوں نے رت کھولا۔

گاندھی جی کے رت سے جو کھلی چلی تھی اس کے بعد ہم دوبارہ اپنے رورمرہ کے کاموں میں لگ گئے۔ ان کے رت کے زمانے میں اسیری کی بے بسی ہم کو بہت گراں گزری۔ بیکسی کا یہ احساس دوسرے سال مجھے کچھ اور زیادہ شدت کے ساتھ ہوا۔ میری بیوی کئی سال سے بیمار تھیں۔ ۱۹۴۱ء میں جب میں بی حیل میں تھا، تو ان کی حالت بہت باریک ہو گئی تھی رہا ہوئے کے بعد جب میں بے ڈاکٹروں سے مشورہ کیا، تو انہوں نے اب وہاں کی تبدیلی تحویر کی۔ وہ راسچی چلی گئیں اور حوالائی ۱۹۴۲ء تک واپس نہیں آئیں۔ اس وقت ان کی صحت کچھ بہتر تھی، مگر اگست کے پہلے ہفتہ میں جب میں بمبئی کے لئے روانہ ہو رہا تھا تو ان کی صحت پھر تشویش ناک ہو گئی تھی۔ ۱۰ اگست کو میری گرفتاری کی خبر سے یقیناً ان کو بہت سخت صدمہ پہنچا ہوگا اور ان کی صحت بے، جو پہلے سے نازک تھی، ایک اور پلٹا کھایا۔ فید کے زمانے میں ان کی گرتی ہوئی صحت کی خبروں

بے محھے بہت ہی پریشان رکھا۔ سہ ۱۹۴۴ء کے شروع میں گھر سے اطلاع ملی کہ وہ پھر بہت بیمار ہیں۔ اس کے بعد اور بھی وحشتاک حر ملی۔ ان کے ڈاکٹر مایوس ہو گئے تھے چاہچہ انہوں بے حود ہی حکومت کو لکھا کہ مجھے یوی سے ملے کا موقع دیا جائے، اس لئے کہ ان کے چھے کی بہت کم امید ہے۔ ڈاکٹروں کے اس خط کو حکومت بے بالکل نظر انداز کیا میں نے بھی وائسرائے کو لکھا، مگر ہماری خط و کتابت بے نتیجہ رہی۔

اپریل میں ایک دن دوپہر کے وقت چیتا خاں میرے پاس آیا۔ یہ بہت ہی غیر معمولی بات تھی۔ اس بے معیر کچھ کہے محھے ایک تار دیا۔ یہ محھی تحریر میں تھا، مگر انگریزی میں اس کی نقل بھی ساتھ تھی۔ تار کلکتہ سے بھیجا گیا تھا، اور اس میں لکھا تھا کہ میری اہلیہ کا انتقال ہو گیا ہے۔ میں نے وائسرائے کو لکھا کہ حکومت ہند بڑی آسانی سے مجھے عارضی طور پر کلکتہ منتقل کر سکتی تھی تاکہ میں اپنی یوی کو وفات سے قل دیکھ لوں۔ اس خط کا محھے کوئی حواب نہیں ملا۔

تین مہیے کے بعد قسمت بے ایک اور صدمہ پہنچایا۔ میری ہن آبرویگم، حو ہوپال میں رہتی تھیں، بیمار ہوگئیں اور تقریباً دو ہفتے کے بعد معلوم ہوا کہ وہ بھی دیا سے رخصت ہو گئی ہیں

اسی زمانے میں ہم بے احاروں میں یکایک یہ خبر پڑھی کہ گاندھی جی رہا کر دئے گئے ہیں۔ میرا گمان ہے کہ خود گاندھی جی

اپنی رہائی کے اسباب بہ سمجھ سکے۔ غالباً ان کا خیال تھا کہ ان کی رہائی برطانوی پالیسی میں تبدیلی کا نتیجہ ہے۔ بعد کے واقعات بے ثبات کر دیا کہ اس مرتبہ بھی وہ عاطفی پر تھے۔ برت کی وحہ سے ان کی صحت بالکل تباہ ہو گئی۔ تب سے انہیں برابر کوئی نہ کوئی شکایت رہی۔ پوہا کے سول سرحس بے ان کا معائنہ کرنے کے بعد رپورٹ دی کہ غالباً وہ زیادہ دنوں تک زندہ نہ رہ سکیں گے۔ برت کو برداشت کرے کی قوت ان میں نہیں تھی، اس وحہ سے سول سرحس کا خیال تھا کہ وہ چند دن کے مہمان ہیں، حب وائسرائے کو یہ رپورٹ ملی، تو اس بے گاندھی حی کو رہا کر دیا، تاکہ حکومت ان کی موت کی ذمہ دار قرار نہ دی جائے، اس کے علاوہ سیاسی حالات اسے بدل گئے تھے کہ برطانوی حکومت کو اب ان سے کوئی اندیشہ نہیں رہا تھا۔ جنگ خطرناک مرل سے گرر چکی تھی، اور اتحادی طاقتوں کو کامیابی کے لئے صرف وقت درکار تھا۔ حکومت بے یہ بھی سوچا کہ ایسی حالت میں حکمہ کانگریس کے تمام لیڈر جیل میں ہیں، گاندھی حی تھا شاید ہی کچھ کر سکیں۔ دوسری طرف یہ ممکن تھا کہ ان کی موحودگی اسے لوگوں کے لئے ایک رکاوٹ بن جائے، حو تشدد کے طریقے اختیار کر رہے تھے۔

رہائی کے بعد کچھ عرصے تک گاندھی حی اتے، بیمار رہے کہ کوئی موثر قدم نہیں اٹھا سکتے تھے۔ چند مہینے علاج ہوتا رہا، حوں ہی وہ کچھ اچھے ہوئے، انہوں بے کئی سیاسی کارروائیاں شروع کر دیں، ان میں سے دو خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

گاندھی جی نے مسلم لیگ سے ار سرو گھٹ و شید کی کوشش کی اور مسٹر حاح سے ملاقات کا انتظام کیا، ان کی دوسری تحریک یہ تھی کہ حکومت سے نئے سرے سے بات چیت کا اہتمام کیا جائے۔ اپنے پچھلے بیابوں کے بالکل برعکس انہوں نے لندن کے اخبار یوز کراییکل کو یہ بیان دیا کہ اگر ہندوستان کی آزادی کا اعلان کر دیا جائے تو وہ اپنی رصا و رعت سے برطانیہ کا ساتھ دیگا اور جنگ کی سرگرمیوں میں حصہ جان سے مدد کرے گا۔ حب میں ہے ان کے بیانات کو پڑھا تو حیراں رہ گیا، مگر عجب یقین تھا کہ ان دونوں اقدامات کا انجام ناکامی ہوگا۔

میرا خیال ہے کہ اس موقع پر مسٹر حاح سے گاندھی جی کا ملا فاش سیاسی غلطی تھی اس کی وجہ سے مسٹر حاح کو نئی اور پہلے سے زیادہ اہمیت حاصل ہوگئی، جس سے انہوں نے بعد میں پورا پورا فائدہ اٹھایا۔ دراصل گاندھی جی نے شروع ہی سے مسٹر حاح کے ساتھ عجیب و غریب طرز عمل اختیار کر لیا تھا۔ سہ ۱۹۲۰ء کے بعد کانگریس سے علاحدہ ہونے پر مسٹر حاح کی سیاسی حیثیت بہت کم ہوگئی تھی، اور ان کے، سیاسی زندگی میں، دوبارہ اثر پیدا کر لیے کا بڑا سبب گاندھی جی کی غلطیاں اور فروگداشتیں تھیں۔ یہ حقیقت ہے کہ مسٹر حاح شاید ہی کسی اعلیٰ سیاسی مرتبے پر پہنچ پاتے، اگر گاندھی جی کا طرز عمل وہ نہ ہوتا، جو انہوں نے اختیار کیا۔ ہندوستانی مسلمانوں کی بڑی تعداد کو مسٹر حاح اور ان کی پالیسی پر اعتبار نہیں تھا، لیکن حب انہوں نے دیکھا کہ گاندھی جی مسلسل ان کے پیچھے لگے



ہوئے ہیں، اور ان کی منت سماحت کرتے ہیں، تو ان میں سے بہت سے مسٹر جناح کی عرت کرے لگے۔ انہوں نے یہ بھی سمجھا کہ غالباً یہی فرقہ وارانہ سمجھوتے میں مفید شرائط حاصل کرے کے لئے سب سے زیادہ بہتر آدمی ہیں۔

یہ کہا نا مناسب نہ ہوگا کہ گاندھی جی پہلے شخص تھے، جنہوں نے مسٹر جناح کے لقب «قائد اعظم» کو رواج دیا۔ گاندھی جی کے آشرم میں ایک سادہ لوح مگر بیک حاتوں تھیں، جس کا نام اُمت السلام تھا، انہوں نے کچھ اردو احکارات میں مسٹر جناح کے نام کے ساتھ «قائد اعظم» لکھا ہوا دیکھا تھا۔ جب گاندھی جی مسٹر جناح کو ملاقات کے لئے خط لکھ رہے تھے، تو انہوں نے گاندھی جی سے کہا کہ اردو احکارات مسٹر جناح کو قائد اعظم کہتے ہیں، اس لئے آپ بھی اسی نام سے خطاب کیجئے ایک مٹ سوچے بغیر کہ اس کے اثرات کیا ہوں گے، گاندھی جی نے مسٹر جناح کو قائد اعظم کہہ کر خطاب کیا۔ یہ خط جلد ہی احکارات میں شائع ہو گیا۔ جب ہندوستانی مسلمانوں نے دیکھا کہ گاندھی جی بھی مسٹر جناح کو قائد اعظم کہتے ہیں، تو انہوں نے سوچا کہ وہ حقیقت میں یہی مرتبہ رکھتے ہوں گے۔ جولائی ۱۹۴۴ء میں جب میں نے یہ خبر پڑھی کہ گاندھی جی مسٹر جناح سے خط و کتابت کر رہے ہیں اور ان سے ملنے کے لئے بمبئی جا رہے ہیں تو میں نے اپنے ساتھیوں سے کہا کہ گاندھی جی بہت بڑی غلطی کر رہے ہیں۔ ان کا یہ اقدام کسی مسئلہ کو حل کرے کے بجائے ہندوستانی سیاست کو اور بگاڑ دے گا۔ بعد کے واقعات نے میرے خدشوں کی تصدیق کر دی۔ مسٹر جناح

بے صورت حال سے پورا پورا فائدہ اٹھایا اور اپنی پوریش کو استوار کر لیا، مگر اپنے قول اور فعل سے ہندوستان کی آرا دی کے مقصد کو کوئی مدد نہیں پہنچائی

گاندھی جی بے حکومت سے گمبوسید کے سلسلے میں جو دوسرا قدم اٹھایا تھا وہ بھی بے وقت تھا۔ یاد ہوگا کہ جنگ کے چھڑنے پر میں بے کانگریس کو اس پر آمادہ کرے کی انتہائی کوشش کی تھی کہ وہ لڑائی کے معاملے میں حقیقت شناسی سے کام لے اور اثباتی طور پر عمل اختیار کرے گاندھی جی کی اس وقت رائے یہ تھی کہ اگرچہ ہندوستان کی سیاسی آرا دی بہت اہم ہے مگر عدم تشدد کے اصول پر قائم رہنا اس سے بھی زیادہ اہم ہے انہوں نے علاوہ کہ دیا تھا کہ اگر ہندوستان کی آرا دی حاصل کرے کے لئے صرف یہی تدبیر ہے کہ جنگ میں شرکت کی جائے تو کم از کم وہ خود اس کو اختیار کرے کہے بیار ہیں ہیں اب وہ یہ کہہ رہے تھے کہ کانگریس برطانوی حکومت کے ساتھ تعاون کرے گی، اگر ہندوستان کی آرا دی کا اعلان کر دیا گیا اس سے ان کے پچھلے خیالات کی مکمل تسبیح ہوتی تھی اور ہندوستان میں اور ہندوستان کے باہر اس سے غلط فہمی پیدا ہوئی۔ ایک طرف ہندوستانی پریشاں ہو گئے، دوسری طرف برطانیہ پر حواثر ہوا، وہ اب بھی ناخوش گوار تھا۔ بہت سے انگریزوں کا خیال تھا کہ گاندھی جی بے اس وقت برطانوی حکومت کی اعانت سے پہلوتی کی ح جنگ کا احام مشتبہ تھا یہ خیال بہر حال غلط تھا، کیونکہ گاندھی جی کے خیالات پر جنگ

کے نتیجہ کا کوئی اثر نہیں تھا پھر بھی برطانوی حکومت نے ان کی اعانت کی موجودہ پیش کش کا مطلب یہ آیا کہ برطانیہ کی ہمدردی کو حاصل کرے کی اس وقت کوشش کی گئی ہے۔ حب اتحادی طاقتوں کی کامیابی یقینی ہوگئی ہے اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اس نے اس پیش کش کو وہ اہمیت نہیں دی جس کی گاندھی جی امید رکھتے تھے اس کے علاوہ انگریزوں کو اب ہندوستان کی امداد کی اتنی ضرورت بھی نہیں تھی حتیٰ جنگ کے ابتدائی رماے میں تھی اس وجہ سے بھی انہوں نے گاندھی جی کی تحویز سے بے اعتنائی برتی۔

اب حب کہ ۱۹۵۷ء میں، میں یہ کتاب لکھ رہا ہوں اور اس سلسلے کے واقعات پر بطور ڈالتا ہوں تو یہ کہے بغیر نہیں رہ سکتا کہ تشدد اور عدم تشدد کے بارے میں گاندھی جی کے بعض قریب ترین پیروؤں کے طرز عمل میں حیرت انگیز کایا پلٹ ہوگئی تھی۔ سردار پٹیل، ڈاکٹر راحدر پرشاد، آچاریہ کرپلائی اور ڈاکٹر پروولا گھوش ورکگ کمیٹی سے استعفیٰ دیے کے لئے تیار ہو گئے تھے، حب کانگریس نے ایک رروایوشن منظور کیا کہ اگر برطانیہ ہندوستان کی آزادی کا اعلان کر دے تو کانگریس جنگ کی سرگرمیوں میں امداد کرے گی۔ انہوں نے اس وقت مجھے لکھا تھا کہ ان کے لئے عدم تشدد عقیدہ کی حیثیت رکھتا ہے اور یہ ہندوستان کی آزادی کے مقابلے میں کہیں زیادہ اہم ہے، لیکن ۱۹۴۷ء میں حب ہندوستان آزاد ہو گیا تو ان میں سے ایک شخص نے بھی نہیں کہا کہ ہندوستان کی فوج کو خدمت سے سسکدوش کر دیا جائے۔ اس

کے برعکس انہوں نے اس پر اصرار کیا کہ ہندوستانی فوج کو تقسیم کیا جائے اور اسے حکومت ہند کے احیاء میں دے دیا جائے یہ مطالبہ اس وقت کے کمانڈر انچیف کی تحویر کے برخلاف تھا کمانڈر انچیف کی تحویر یہ تھی کہ تین سال تک فوج اور کمانڈر انچیف مشترک رہیں مگر ان لوگوں نے اس سے اتفاق نہیں کیا اگر عدم تشدد واقعی ان کا عقیدہ تھا تو انہوں نے ایسی حکومت کی دمہ داریاں کیونکر قبول کر لیں، جو فوج پر سالانہ سیکڑوں کروڑ روپے خرچ کرتی تھی؟ بلکہ ان میں سے بعض تو فوج کے اخراجات میں اضافہ چاہتے تھے، نہ کہ تحفیف اور آج اس کے اخراجات تقریباً دو سو کروڑ ہیں

مجھے ہمیشہ یہ احساس رہا ہے کہ ان ساتھیوں اور دوستوں نے بیشتر سیاسی مسائل پر کبھی حود عور کرے کی رحمت نہیں اٹھائی۔ وہ گاندھی جی کی اندھی تقلید کرتے اور جب کوئی مسئلہ اٹھتا تو وہ دیکھتے رہتے کہ گاندھی جی اس سے کیا اثر لیتے ہیں میں گاندھی جی کا احترام اور تحسین و توصیف کرے میں ان میں سے کسی سے کم نہیں تھا اور اب بھی نہیں ہوں، مگر میں ایک لمحہ کے لئے بھی یہ پوریش قبول کرے کے لئے تیار نہیں تھا کہ ہم آدھے بد کر کے ان کی تقلید کریں یہ عجیب بات ہے کہ یہ احباب جس اصول کی خاطر ۱۹۴۰ء میں ورکنگ کمیٹی سے استعفیٰ دینا چاہتے تھے، ہندوستان کی آرادی کے بعد وہ ان کی بطروں سے بالکل اوحل ہو گیا۔ وہ اسے بالکل ناممکن سمجھتے ہیں کہ فوج اور دفاع کے عظیم انتظامات کے بغیر ہندوستان کی

حکومت چلائی جائے اور یہ پالیسی میں جنگ کو خارج از بحث کیا جائے ورگگ کمیٹی کے عمروں میں صرف حواہر لال تو ہے، جس کو مکمل طور پر میرے خیالات سے اتفاق تھا مجھے یقین ہے کہ تاریخی اسباب اور نتائج کے سلسلے سے حواہر لال کی اور مری پوری پوری تصدیق کی ہے۔

جون ۱۹۴۴ء میں ہم نے «ڈی ڈے» کے بارے میں خبریں سناں اس وقت سے جنگ کے لٹا کھایا اتحادیوں کی فتح یقینی اور نظروں کے سامنے تھی دیا ہے یہ بھی تسلیم کر لیا تھا کہ زمانہ جنگ میں سب سے بڑی شخصیت جو مہر عام پر آئی، وہ ریریلوڈ رورواٹ کی ہے معلوم تھا کہ مستقل کی جو تصویر ان کے دہن میں تھی، وہ آہستہ آہستہ حقیقت کی شکل اختیار کرتی جا رہی ہے افریقہ اور ایشیا دونوں میں اتحادی طاقتیں فتح یاب ہوئی تھیں اور اب ہٹلر کے یورپی قلعہ کی طرف قدم بڑھا رہی ہیں مجھے اس پر ررا بھی تعجب نہیں ہوا میری بہت پہلے یہ رائے تھی کہ پہلی جنگ عظیم کی طرح اس مرتبہ بھی جرمنی نے یہ ایک وقت دو محادوں پر لڑنے کی غلطی کی ہے دراصل ہٹلر نے جس دن سرویٹ روس پر حملہ کرے گا فیصلہ کیا تھا، اسی دن اپنی تباہی و بربادی کے بیج بو دئے تھے۔ اب ہٹلر یا اس کی قوم کے لئے تباہی سے بچنے کی کوئی صورت نہیں تھی۔

اسی زمانے میں، ہمارے حیل حاسے میں ایک غیر متوقع حادثہ پیش آیا چیتا حاسے ایک دن یہ اطلاع دی کہ اُسے ڈاکٹر سید محمود کی رہائی کے احکامات مل گئے ہیں۔ اس پر ہم

سب متعجب تھے، کیونکہ ہماری سمجھ میں یہ بات نہیں آئی کہ سہا ان کو کیوں رہائی کا مستحق سمجھا گیا۔

چند مہینے ہوئے احمد نگر میں ہیصہ کی بیماری پھیلنے کا خطرہ تھا۔ چیتا حان بے ہم سب کو ٹیکا لگوانے کا مشورہ دیا ہم میں سے پانچ یعنی خواہر لال، پتا بھی سیتارمیا، آصف علی، ڈاکٹر سید محمود اور میں بے ان کے مشورے پر عمل کیا۔ سردار پٹیل، آچاریہ کرپلائی شکر راؤ دیو اور ڈاکٹر پروولا گھوش بے اسے اپنے صمیر کے خلاف ٹھہرا کر انکار کر دیا۔ رد عمل کے طور پر مجھے تھوڑا سا سحر ہو گیا، مگر ڈاکٹر محمود غالباً اس معاملے میں بہت حساس تھے، پندرہ دن تک ان کو غیر معمولی طور پر تیر اور مسلسل سحر رہا ہم سب کو ان کی فکر بھی اور خواہر لال بے اپنی طبعی ہمدردی کی بنا پر برس اور مشیرکار کے فرائض انجام دئے۔ بالآخر سحر تو اتر گیا، مگر ان کے مسوڑھوں سے خون آنا رہا۔ وہ چیتا حان کے زیر علاج تھے اور قریب قریب اچھے ہو چکے تھے حب ان کی رہائی کا حکم آیا۔ اس لئے اُن کی بیماری اُن کی رہائی کے لئے معقول وجہ ہیں ہو سکتی ہمارا خیال تھا کہ غالباً اس کے معنی یہ ہیں کہ حکومت کی پالیسی میں تبدیلی ہوئی ہے۔ اب حکومت کا رویہ اور نرم ہوگا، چنانچہ ڈاکٹر محمود کو صحت کی سیاد رہا کیا گیا ہے۔ بعد میں مجھے صحیح وجہ معلوم ہوئی، مگر اب حکم اتنے سال گذر چکے ہیں، میں مناسب نہیں سمجھتا کہ اس نا خوشگوار واقعہ کی تفصیل بیان کی جائے۔

اگرچہ ہمیں یقین کے ساتھ نہیں معلوم تھا، مگر ہم محسوس کرتے

تھے کہ ہماری اسیری کا زمانہ ختم ہوئے والا ہے۔ ۱۹۴۴ء کے سب آکر ہیں، حکومت ہند اس نتیجہ پر پہنچی کہ اب ہمیں احمد نگر میں نظر بند رکھے کی جداں ضرورت نہیں ہے۔ وہاں رکھے کے کئی سبب تھے حکومت کا خیال تھا کہ ہم وہاں نظر بند کئے گئے تو کسی کو اس کا علم نہیں ہوگا۔ اس کا یہ بھی خیال تھا کہ اگر ہم کو سول حیل میں رکھا گیا، تو ممکن ہے کہ ہم حیل کے باہر کے لوگوں سے رابطہ قائم کر لیں جوچ کی نگرانی میں نظر بند ہو گئی، تو اسے روکا جاسکے گا۔ احمد نگر کیچ حیل میں صرف پوری فوجی تھے اور وہ یقینی طور پر ہمیں پوری دنیا سے رابطہ نہ پیدا کرے دیتے ہمارے پاس اس کا ثبوت موجود ہے کہ جوہن ہم احمد نگر پہنچے تو حکومت کو فکر ہوئی کہ باہر کی دنیا سے ہمارا رابطہ قائم نہ ہو سکے جس پرکوں میں میں رکھا گیا تھا، ان میں روشداں تھے، جس سے قلعہ کا احاطہ نظر آتا تھا ہمارے پہنچے سے پہلے ان کو پوری طرح اند کر دیا گیا تھا، پلاسٹر اس قدر تارہ تھا کہ ہمارے پہنچے تک وہ سوکھا بھی نہیں تھا ہم سے اپنی ساڑھے تین سال کی نظر بند کے زمانے میں شاید ہی کبھی باہر کے کسی ہندوستانی کو دیکھا ہو۔ ایک دو مرتبہ اس عمارت کی معمولی مرمت کی ضرورت پیش آئی، مگر اس کے لئے بھی ہندوستانی مردوروں سے کام نہیں لیا گیا۔ اس طرح مکمل طور پر دیا سے ہمارا تعلق منقطع کر دیا گیا تھا۔ حکومت اس میں تو کامیاب ہوئی کہ باہر کی دنیا سے ہمارا کوئی تعلق پیدا نہ ہو، مگر اس کا پہلا مقصد پورا نہیں ہوا۔



پسک کو ہمارے پہچے کے ایک ہفتہ کے اندر معلوم ہو گیا کہ ہم سب کو قلعہ احمد نگر کی حیل میں رکھا گیا ہے۔ اس کے بعد واقعے کو پوشیدہ رکھے کی ضرورت بھی باقی نہیں رہی۔ برطانیہ کی فتح اب نظروں کے سامے تھی اس لئے حکومت ہند بے سوچا کہ اب ہمیں اس فوجی قید میں رکھے کی چسپاں ضرورت نہیں ہے اور ہم کو بغیر کسی خطرے کے اپنے اپنے صوبوں کے سول قید خانوں میں منتقل کیا جا سکتا ہے

سردار پٹیل اور تسکر راؤ دیو کو سب سے پہلے منتقل کر کے پونا حیل میں بھیج دیا گیا۔ آصف علی کو نکالا بھیجا گیا، حصار عام طور پر دہلی کے سیاسی قیدی رکھے جاتے تھے۔ خواہر لال کو پہلے الہ آباد کے قریب بی بھیجا گیا، اس کے بعد الموزا۔ خواہر لال بے روانگی کے وقت کہا کہ عالتاً ہماری رہائی کے دن قریب آرہے ہیں۔ انہوں نے مجھ سے درخواست کی کہ رہا ہونے پر فوراً ہی ورکنگ کمیٹی یا آل انڈیا کانگریس کمیٹی کی میٹنگ نہ بلائی جائے۔ انہوں نے کہا کہ وہ آرام اور تفریح کے لئے کچھ وقت چاہتے ہیں اور اس کتاب کو جو وہ ہندوستان پر لکھ رہے ہیں، مکمل کرنا چاہتے ہیں۔

میں نے خواہر لال سے کہا کہ میں بھی یہی چاہتا ہوں۔ مجھے بھی آرام اور صحتیابی کے لئے تھوڑا سا وقت درکار ہے۔ مجھے اس وقت کی کیا خبر تھی کہ ہم ایسے حالات میں آزاد کئے جائیں گے کہ فوری اور بیجا سیاسی اقدامات ضروری ہوں گے اور ہماری زندگی کا جو بچا کھچا حصہ ہے، شاید اس میں

آرام کا سوال ہی پیدا نہ ہوگا

حب میری منتقلی کا وقت آیا تو چیتا حا بے کہا کہ چونکہ میری صحت ٹھیک نہیں ہے اس واسطے میرے لئے کلکتہ کی مرطوب آب و ہوا مناسب نہیں ہوگی اس نے اشارہ کیا کہ مجھے بنگال کے کسی خشک مقام پر بھیجنا چاہئے۔ ایک دن دوپہر بعد انہوں نے مجھ سے تیار ہونے کو کہا۔ جب میرا سامان کار میں رکھا جا چکا، تو وہ مجھے احمد نگر اسٹیشن کے بجائے ایک میل کے واسطے پر ایک دیہاتی اسٹیشن پر لے گئے۔ اس کا سبب یہ تھا کہ اگر میں احمد نگر سے روانہ ہوتا، تو سب کو فوراً خبر ہو جانی حکومت میں چاہتی تھی کہ میری آمد و رفت کے بارے میں کسی قسم کی تشہیر ہو۔

احمد نگر کے قید خانے میں میرا بیشتر وقت دہی اعمار سے بہ گراں گزرا۔ اس کا میری صحت پر بہت ہی بُرا اثر پڑا۔ گرفتاری کے وقت میرا وزن ۱۷۰ پونڈ تھا اور حب میں احمد نگر سے منتقل کیا گیا تو صرف ۱۳۰ پونڈ تھا، اشتہاء ختم ہو چکی تھی، یہ مشکل میں کچھ کھا سکتا تھا۔

بنگال سے ایک سی۔ آئی۔ ڈی۔ اسپیکٹر مع چار کانسٹبل کے میرے ساتھ خانے کے لئے آیا تھا۔ جب ہم اسٹیشن پہنچے تو چیتا حا بے مجھے ان کے حوالے کر دیا۔ ہم نے احمد نگر سے آسٹول تک کلیاں کے راستے سے سفر کیا آسٹول میں مجھے ریٹائرنگ روم میں ٹھہرایا گیا، جہاں میرے لئے مخصوص انتظام کیا گیا تھا۔ حکومت کی انتہائی کوشش تھی کہ سارا معاملہ

صیغہ رار میں رہے، مگر پھر بھی احباروں بے کسی نہ کسی طرح پتہ چلا ہی لیا اور مجھے آسٹسول میں کلکتہ کے کچھ نامہ نگار اور الہ آباد کے کچھ احباب نظر آئے مقامی لوگوں کا ایک مجمع بھی اکٹھا ہو گیا تھا

آسٹسول کے سپرنٹنڈنٹ پولیس بے اسٹیشن پر میرا استعمال کیا اور مجھ سے دانی طور پر درخواست کرتے ہوئے کہا کہ اگر میں پبلک سے ملنا چاہوں تو وہ مجھے روکے گا ہیں، لیکر میں بے ایسا کیا تو حکومت اس سے سحت بار پرس کرے گی، اس لئے وہ بہت محو ہوا، اگر میں اوپر کی مارل پر چلا جاؤں اور پبلک سے نہ ماوں میں نے اس کو یقین دلایا کہ میں اس کو کسی قسم کا نقصان پہنچانا یا حکومت کی نظر میں معتب کرنا نہیں چاہتا تھا چنانچہ میں اس کے ساتھ اوپر کے کمرے میں چلا گیا

سپرنٹنڈنٹ پولیس کا بواب ڈھاکہ سے کچھ رشتہ تھا انہوں نے اور ان کی بیوی بے میری خاطر مدارات کی۔ ان کی بیوی بے اصرار کے ساتھ میرے آٹو گراف لئے اور دونوں بے مجھے آرام پہنچائے میں کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا اس وقت مجھے معلوم ہوا کہ میں سکورا بھیجا جاؤنگا کوئی ۴ بجے شام کو گاڑی اسٹیشن پر پہنچی اور تھوڑی دیر بعد مجھے میرے کمپارٹمنٹ میں پہنچا دیا گیا۔ اس وقت پلیٹ وارم پر آدمیوں کا بڑا ہجوم ہو گیا تھا۔ مقامی لوگوں کے علاوہ بہت سے لوگ کلکتہ، الہ آباد اور لکھنؤ سے آئے تھے سپرنٹنڈنٹ پولیس اور ان کے اسپیکٹروں کو بہت فکر تھی کہ میں لوگوں سے نہ ملوں دھوپ بہت تیر تھی اس لئے پولیس بے

میرے لئے چھتری کا بھی انتظام کیا تھا۔ اسپیکٹر اسے پکڑے ہوئے تھا اس خیال سے کہ مجمع مجھے دیکھ نہ لے، اُس نے چھتری کو اس قدر سچے کر لیا کہ تقریباً میرے سر پر رکھ دی اس کا مقصد یہ تھا کہ لوگ میرا چہرہ نہ دیکھ پائیں اس کا خیال تھا کہ اس طرح وہ مجھے میرے ڈبے میں بھجا دیں گے اور لوگوں کو حیر بھی نہ ہوگی مجھے لوگوں سے ملنے کی کوئی خاص خواہش نہیں تھی مگر حب میں بے دیکھا کہ کلکہ، الہ آباد اور اکھنڈ سے لوگ محض مجھے دیکھنے کے لئے آئے ہیں تو میں بے سوچا کہ یہ بہت ہی نامناسب بات ہوگی کہ یہ لوگ میری ایک چھانک بھی نہ دیکھ سکیں۔ اس لئے میں بے اسپیکٹر سے چھتری لے لی اور اس کو مد کر دیا۔ لوگ میری طرف دوڑ پڑے، لیکن میں بے انہیں روک دیا، ظاہر ہے میرے لئے یہ ناممکن تھا کہ ہر ایک سے فرداً فرداً ملوں، اس لئے میں بے اجتماعی طور پر سب سے خطاب کیا اور ہنس کر کہا کہ سپرنٹنڈنٹ پولیس اور اسپیکٹروں کی پریشایاں دم بہ دم بڑھتی جا رہی ہیں اور میں نہیں چاہتا کہ گرمی میں ان کو درد سر ہو جائے۔

میں بے لوگوں کو ہاتھ اٹھا کر حدا حافظ کہا اور اپنے ڈبے میں داخل ہو گیا۔ مجمع چاروں طرف سے اُمڈ پڑا۔ پلیٹ فارم پر جو لوگ تھے ان کے علاوہ بہت سے لائن پار کر کے میرے ڈبے کے دوسرے طرف آ گئے، حلد ہی گاڑی روانہ ہو گئی اور سات بجے تک ہم لوگ بکورا پہنچ گئے۔ نیکورا کے سپرنٹنڈنٹ پولیس اور دوسرے افسر مجھے اسٹیشن پر ملے اور شہر کے باہر

ایک دو منزلہ سگھ میں لے گئے۔

یہ اپریل کا شروع تھا اور دن دن گرمی بڑھتی جا رہی تھی مگر صبح میں شام کو دوسری منزل کے برآمدے میں بیٹھا تو چہرے پر ہوا کے خوشگوار جھونکے لگے، صبح اور شام زیادہ ناگوار نہ ہوتی تھی مگر دن کے وقت گرمی بہت بڑھ جاتی تھی میرے پاس بجلی کا پکھا تھا اور برف بھی مل جایا کرتی تھی مگر دوپہر میں اتنی سحت گرمی پڑتی کہ اس سے بہت کم فائدہ پہنچتا کلکٹر ہفتہ میں ایک مرتبہ میرے پاس آیا کرتا ایک دن اس نے بتلایا کہ اس نے حکومت کو لکھا ہے کہ اب مجھے سکورا دیں نہیں رہا چاہیے۔ اسے جواب کا انتظار ہے، جو بھی موصول ہوگا، وہ مجھے کسی ٹھنڈی جگہ بھیج دے گا،

اچھے ناورچی کا ملنا ہمیشہ مشکل ہوتا ہے۔ سکورا میں بھی شروع میں یہی دقت پیش آئی مگر حلد ہی ایک اچھا ناورچی مل گیا۔ مجھے یہ اس قدر پسند آیا کہ رہا ہونے کے بعد اس کو کلکتہ لے آیا

میں لکھ چکا ہوں کہ صبح میں قلعہ احمد نگر حیل میں داخل ہوا تھا تو میرا ریڈیو مجھ سے لے لیا گیا تھا۔ چند دنوں کے بعد چیتا جاں نے اس کو استعمال کرنے کی اجازت مانگی۔ میں نے حوشی سے اس کو اجازت دیدی صبح تک احمد نگر میں رہا، دوبارہ ریڈیو دیکھے میں نہیں آیا جب مجھے نکال مستقل کیا جا رہا تھا تو میرے اسباب میں ریڈیو بھی رکھ دیا گیا۔ مگر جب میں نے اس کو استعمال کرنا چاہا، تو معلوم ہوا کہ وہ حراب

ہو گیا ہے۔ سکورا کے ڈسٹرکٹ محسٹریٹ بے محھے دوسرا ریڈیو عایت کیا۔ ایک طویل عرصے کے بعد میں بے براہ راست دوسرے ملکوں کی خبریں سنیں۔

اپریل کے آخری دنوں میں اخبارات سے معلوم ہوا کہ آصف علی ٹالا حیل میں بہت سحت بیمار ہیں۔ وہ بہت دیر تک بے ہوش رہے اور ان کے بچے کی امید نہیں رہی اس کی وجہ سے حکومت بے فیصلہ کیا کہ ان کو رہا کر کے دہلی واپس بھیج دیا جائے۔

مئی ۱۹۴۵ء میں لارڈ ویول ہندوستان کی سیاسی صورت حال پر مرید مشورہ کرے کے لئے انگلستان گئے۔ مئی کے آخر میں وہ ہندوستان واپس آئے حوں کی ایک شام کو وہیں بے ریڈیو پر دہلی کی خبروں میں سنا کہ وائسرائے بے اعلان کیا ہے کہ برطانیہ کی سابقہ یقین دہانیوں کے مطابق ہندوستان کے سیاسی مسائل کو حل کرے کے لئے اس سر نو کوشش کی جائیگی۔ شملہ میں ایک کانفرس ہوگی جس میں شرکت کے لئے کانگریس، مسلم لیگ اور دوسری سیاسی پارٹیوں کے لیڈروں کو بلایا جائے گا۔ کانگریس کے صدر اور ورکنگ کمیٹی کے ممبر رہا کر دئے جائیں گے، تاکہ وہ اس کانفرس میں شرکت کر سکیں۔

دوسرے روز میں بے سنا کہ میری اور میرے ساتھیوں کی رہائی کے احکامات جاری کئے جا چکے ہیں میں بے یہ خبر کوئی نو بجے رات میں سنی تھی ڈسٹرکٹ محسٹریٹ بے بھی ریڈیو پر یہ خبر سنی، تو دس بجے رات میں محھے یہ پیغام بھیجا کہ اگرچہ انہوں نے یہ خبر سنی ہے، مگر ابھی سرکاری طور پر انہیں کوئی

حکم نہیں ملا ہے۔ جوں ہی ان کو حکم ملیگا، وہ مجھے اطلاع کر دیں گے۔ چنانچہ آدھی رات میں حیار نے آکر اطلاع دی کہ رہائی کے احکامات آگئے ہیں۔ اتنی رات گئے کوئی کارروائی نہیں کی جاسکتی تھی اس لئے دوسرے روز صبح سویرے ڈسٹرک محسٹریٹ مجھ سے ملنے آیا اس بے رہائی کا حکم پڑھ کر سایا اور مجھے بتایا کہ کلکتہ ایکسپریس پانچ بجے شام کو سکورا سے روانہ ہوئی ہے۔ اس میں ایک فرسٹ کلاس کوچ میرے لئے ریزرو کرایا جا رہا ہے۔

چند گھنٹوں میں کلکتہ سے نامہ نگار مجھ سے ملے کے لئے پہنچے۔ ہزاروں کی تعداد میں مقامی عوام بھی جمع ہو گئے۔ ساڑھے تین بجے سہ پہر کو مقامی کانگریس کمیٹی نے ایک ہلک میٹنگ کا انتظام کیا، جس میں میں نے ایک مختصر سی تقریر کی۔ میں ایکسپریس سے کلکتہ کے لئے روانہ ہوا اور دوسرے روز صبح کو ہوڑا پہنچا۔

ہوڑا اسٹیشن اور پلیٹ فارم پر اسانوں کا سمندر ٹھاٹھیں مار رہا تھا۔ میں بڑی ہی مشکلوں سے اپنے ڈبے سے باہر نکلا اور کار میں سوار ہوا۔ سگال کانگریس کمیٹی کی صدر مسر لایا پرہا دتا اور متعدد دوسرے مقامی لیڈر میرے ساتھ کار میں تھے۔ ہم روانہ ہونے والے ہی تھے کہ میری نگاہ بینڈ بجائے والوں پر پڑی، جو میری کار کے سامنے کھڑے تھے۔ میں نے مسر دتا سے پوچھا کہ وہ بینڈ بجا کس لئے آیا ہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ میری رہائی کی خوشی منانے کے لئے۔ مجھے یہ بات پسند نہیں آئی۔ میں



ہے ان سے کہا کہ یہ حوشی منائے کا وقت نہیں ہے یہ  
صحیح ہے کہ میں آزاد ہو گیا ہوں، مگر ہزاروں، میرے دوست  
اور ساتھی اب بھی حیل میں ہیں

میری درخواست پر بیڈ بھاگتا ہوا گیا اور وہاں سے ہٹا دیا  
گیا جس وقت کار پل پر سے گزر رہی تھی، مجھے گدرا ہوا  
زمانہ یاد آئے لگا تین سال پیچھے کا وہ دن یاد آیا، حب میں  
ورکنگ کمیٹی اور آل انڈیا کانگریس کمیٹی کے حاسوں میں شرکت  
کرے کی عرص سے بمبئی کے لئے روانہ ہو رہا تھا۔ میری بیوی  
گھر کے دروازے تک مجھے رحمت کرے آئی تھیں۔ اب میں  
تین سال کے بعد واپس آ رہا تھا، مگر وہ قبر کی آغوش میں تھیں  
اور میرا گھر حالی تھا مجھے ورڈس ورثہ کا یہ شعر یاد آیا۔

مگر وہ اب اپنی قبر میں ہے اور ہائے

میری دیا کیسی بدل گئی ہے

میں ہے اپنے ساتھیوں سے کار واپس کرے کے لئے کہا۔ کیونکہ  
گھر حائے سے یہاں میں اُن کی قبر پر حانا چاہتا تھا میری کار  
ہزاروں سے لدی ہوئی تھی میں ہے ان میں سے ایک ہار لیکر قبر  
پر چڑھایا اور خاموشی کے ساتھ فاتحہ پڑھا۔

## شملہ کانفرنس

لڑائی شروع ہوئے پر امریکہ کے اہل رائے اس بات کو تسلیم کرے لگے کہ جب تک ہندوستان کا سیاسی مسئلہ حل نہ ہوگا، تب تک جنگ کی سرگرمیوں میں ہندوستان کی پوری تائید حاصل نہ ہو سکے گی۔ اس وجہ سے وہ برطانوی حکومت پر دباؤ ڈال رہے تھے کہ ہندوستان کو آزاد کر دے۔ پرل ہاربر پر جاپانی حملہ کے بعد متحدہ ریاستیں خود جنگ میں متلا ہو گئیں۔ پریزیڈنٹ رورولٹ نے بار بار مسٹر چرچل کے سامنے اس مسئلے کو اٹھایا، اور شاید انگریز محسوس کرے لگے کہ امریکیوں کے مطالبے کو پورا کرے کے لئے کچھ نہ کچھ کرنا پڑے گا۔ جب کرپس مشن ہندوستان آیا تو بی۔ بی۔ سی کی خارجی سروس نے بار بار اعلان کیا کہ اب ہندوستان کو آزادی حاصل کرے اور جنگ کے بارے میں اپنی خواہش کے مطابق فیصلہ کرے گا۔ موقع دلا ہے۔ پریزیڈنٹ رورواٹ کا خاص اپنا نمائندہ بی بی سی کا خط میرے نام لے کر آیا۔ اس خط میں انہوں نے یہ امید ظاہر کی تھی کہ ہندوستان کرپس مشن کو منظور کر لے گا اور جنگ میں جمہوری ریاستوں کی طرف سے شریک ہو جائے گا۔ لیکن کرپس مشن نا کامیاب ہوا اور صورت حال وہی رہی جو پہلے تھی۔

اگست ۱۹۴۲ء میں ہمارے قید کئے جانے کا چین اور متحدہ ریاستوں (امریکہ) پر جو اثر پڑا وہ برطانیہ کے حق میں اچھا نہیں تھا اس وقت ہم کو یہ بات معلوم نہیں ہوئی، مگر بعد کو پتہ چلا کہ ان ملکوں کے لوگوں نے برطانیہ کی اس حرکت پر سخت ناپسندیدگی کا اظہار کیا تھا واشنگٹن میں سینیٹ اور ہاؤس آف رپریزنٹےٹس (House of Representatives) دارالابین نے اس مسئلے پر بحث کی اور بہت حوشیلی تقریریں کیں۔

یورپ میں جنگ کی صورت بہتر ہوئے لگی تو امریکیوں نے پھر دباؤ ڈالا شروع کیا کہ ہندوستان کے سیاسی مسئلے کو حل کیا جائے۔ لارڈ ویول کے مئی ۱۹۴۵ء میں لندن جا کر وزیر بد سے اس بارے میں مشورہ کرے گا کہ اب ہندوستان میں کیا کیا جائے، ایک سب امریکہ کا یہ دباؤ ہوگا تب یہ فیصہ کیا گیا کہ ایک گول میر کانفرس بلائی جائے اپریل میں یورپ میں جنگ تقریباً ختم ہو گئی تھی۔ لیکن ایشیا میں اس کے حادثہ ہوئے کے آثار نظر نہیں آرہے تھے۔ جاپانیوں کا اب بھی ایک بہت بڑے علاقے پر قبضہ تھا اور خود جاپان کو جنگ سے درا بھی نقصان نہیں پہنچا تھا اب تک امریکہ کی طاقت بیشتر یورپی میدان جنگ میں لگائی جاتی رہی تھی، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ جاپان کی شکست کے آثار نظر نہیں آرہے تھے مگر متحدہ ریاستوں کے لئے جاپان کی شکست کا معاملہ حرمی کی شکست سے بھی زیادہ اہم تھا اسی وجہ سے پریزیڈنٹ رورواٹ نے مارشل ستارے سے وعدہ لیا تھا کہ یورپ میں جنگ ختم ہوتے ہی روس جاپان پر حملہ

کرے گا امریکیوں سے یہ بھی خوب سمجھ لیا تھا کہ ہندوستان کی پوری مدد حاصل ہو تو جاپان کو شکست دینا بہت زیادہ آسان ہو جائے گا جاپان برہما، سنگاپور اور انڈونیشیا پر قابض تھا۔ ان تمام علاقوں میں ہندوستان کی مدد بہت ہی کارآمد ہو سکتی تھی یورپ میں ہٹلر کی طاقت کو مٹا دیا گیا تھا، لیکن جاپان کو حاد شکست دینے کے لئے ہندوستان کا تعاون ضروری تھا امریکیوں کے اصرار کی نہ ایک بہت بڑی وجہ تھی

کلکتہ اس وقت مشرق میں امریکی فوجوں کے سب سے بڑے مرکزوں میں سے تھا، اور اس وجہ سے وہ امریکی نامہ نگاروں اور فوجی افسروں سے بھرا ہوا تھا میری رہائی کے بعد وہ سب مجھ سے ملنے کے بہت متنازع تھے اور کلکتہ پہنچنے کے ایک دن بعد میں بے ان میں سے بعض سے اپنے یہاں ملاقات کی انہوں نے ادھر ادھر کی باتیں کئے بغیر فوراً نفس معاملہ پر گفتگو شروع کر دی انہوں نے مجھ سے پوچھا کہ وائسرائے کو تحویل لایا ہے اس سے کانگریس کیا اثر لے گی؟ میں نے جواب دیا کہ میں کوئی قطعی بات نہ کہہ سکوں گا اب تک کہ مجھے تحویل کی تفصیلات معلوم نہ ہوں یہ ایک بدیہی بات ہے کہ اب تک ہندوستان پر انگریزوں کا سیاسی تسلط ہے اس وقت تک ہندوستانی جنگ میں شرکت کا شوق پیدا نہ کر سکیں گے۔ اگر کسی شخص کے ہاتھ پر ہندو ہوں تو وہ ہاتھ پر ہندو ہے والے کے دشمن سے لڑنے کا حوصلہ کیونکر کرے گا۔ انہوں نے اس کے جواب میں پوچھا کہ کیا ایٹلشک چارٹر میں ہندوستان کی آزادی کا ذمہ نہیں لیا گیا

ہے؟ میں بے الٹ کر جواب دیا کہ میں بے یہ چارٹر دیکھا ہے یہ ہاٹا ہوں کہ وہ کہاں ہے اور کیا ہے۔

اس کہ بعد میں بے کہا کہ عالمًا وہ اس مشہور بیان کی طرف اشارہ کر رہے ہوں گے جو پریریڈٹ روزواٹ نے مسٹر چرچل سے گفتگو کرے کہ بعد شائع کیا تھا۔ پریریڈٹ بے کہا تھا کہ جنگ ختم ہو جائے پر تمام ملکوں کو خود مختاری کے اصول کے مطابق اپنے مستقل کے بارے میں فیصلہ کرے کا موقع دیا جائے گا۔ جب پارلیمنٹ میں مسٹر چرچل سے سوال کیا گیا کہ کیا ہندوستان کا مستقل بھی اسی بیاں کے مطابق طے ہوگا تو ان بے بہت زور اور قطعیت کے ساتھ جواب دیا تھا «ہیں»۔ وہ ایک نہیں تین مرتبہ اعلان کر چکے ہیں کہ اس نام بہاد چارٹر کا ہندوستان پر اطلاق نہ ہوگا، اور یہ بات واضح کر دی ہے کہ پریریڈٹ کے بیاں میں ہندوستان کا مسئلہ مد نظر نہیں تھا۔ جب پریریڈٹ کو مسٹر چرچل کے اس جواب کی طرف توجہ دلائی گئی تو انہوں نے اس کا اقبال کیا کہ گفتگو رہائی ہوئی تھی اور اس کا کوئی تحریری رکارڈ نہیں ہے۔ اس لئے اس بیاں کو چارٹر کہا غلط ہوگا

امریکی نامہ نگار ان واقعات سے ناواقف نہیں تھے اس لئے جب میں نے پوچھا کہ چارٹر کہاں ہے اور کیا ہے تو وہ مسکرا دئے نامہ نگاروں میں ایک خاتون بھی تھیں انہوں نے پوچھا کیا کہ چارٹر کے وجود کے بارے میں میرے خطیبانہ سوال کا اشارہ پریریڈٹ کے اس بیاں کی طرف ہے کہ چرچل سے جو سمجھوتا ہوا تھا وہ

تحریری شکل میں موحود نہیں ہے ۔

میں بے کہا ، « طاہر ہے میرے دہں میں یہی بات تھی » ۔  
نامہ نگاروں کا آخری سوال یہ تھا کہ اگر کانگریس بے ویول  
کی تحویر کو مسطور کر لیا تو کیا میں ہندوستانیوں کی لارمی بھرتی  
کی تائید کروں گا ۔ میں بے جواب دیا کہ اگر ہندوستان کو آرا دی  
کا یقین دلا دیا گیا تو وہ اپنی حوشی سے حگ میں شریک ہو  
جائے گا ۔ اس وقت ہمارا پہلا فرص ہوگا کہ پوری قومی طاقت کو  
کام میں لائیں اور لارمی بھرتی کی تائید کریں ۔

میں بے نامہ نگاروں کو ایک بیاں یاد دلایا جو میں بے سہ ۱۹۴۰ء ،  
یعنی حگ کے ابتدائی رمایے میں انڈین نیشنل کانگریس کے صدر  
کی حیثیت سے دیا تھا ۔ میں بے اس وقت اعلان کیا تھا کہ اگر  
ہندوستان کا سیاسی مسئلہ حل ہو گیا تو وہ صرف اپنی حوشی سے  
حگ میں شریک نہیں ہوگا بلکہ حری بھرتی کا طریقہ اختیار کر کے  
ہر تدرست بوحواں کو حگ کے محاد پر بھیجے گا ہماری پیشکش  
حمہ و ریت کے لئے حیا ہی نہیں بلکہ اس کے لئے حاں دیا بھی  
تھا ۔ میں بے کہا کہ بڑے افسوس کی بات ہے کہ انگریزوں بے میری  
پیشکش کو قبول نہیں کیا اور ہم عرت کے ساتھ مرے کے موقع  
سے بھی محروم رہے ۔

۱۴ جون سہ ۱۹۴۵ء کو مسٹر ایمیری وریر ہند بے دارالعلوم  
میں ایک بیاں دیا جس میں انہوں بے کہا کہ ہندوستان کو ایک  
آراد ملک کی حیثیت سے حگ کے مارے میں طے کرے گا  
موقع دیا جائے گا اس کے بعد جب دریافت کیا گیا کہ کیا

ابڈیں بیشنل کانگریس کے لیڈروں کو حکومت کا کام چلائے گا دیا جائے گا تو مسٹر ایمیری بے جواب دیا کہ وہ کانگریس اور لیگ کے نمائندوں کو حکومت قائم کرے کی دعوت دے رہے ہیں۔ کانگریس کو پورا پورا اختیار ہوگا کہ جسے چاہے اپنا نمائندہ بٹھے، مولانا آزاد کو یا پٹت بھرو کو

اس بیاں بے ہندوستان میں عام طور پر یہ خیال پیدا کیا کہ ہندوستان کا سیاسی مسئلہ حل کیا جائے والا ہے لوگ اب سمجھتے تھے کہ کانگریس کا بیت کش کو منظور کرے کی کوئی وجہ نہیں ہے میرے پاس روراء سیکڑوں خط اور تار آئے لگے جس میں اس ر اصرار ہوتا تھا کہ کانگریس پیش کش کو منظور کر لے۔ ملک کی اس کیفیت کو دیکھ کر میں بے ایک مختصر سا بیاں پریس کو بھیجا کہ کانگریس بے کبھی ذمہ داری قبول کرے سے گریز نہیں کیا ہے، بلکہ اس کے برعکس ایسے موقعوں کا حیر مقدم کیا ہے اب اگر اس کا امکان پیدا ہوا کہ ہندوستان اپنے سیاسی اور انتظامی مستقل کی خود تعمیر کرے، تو میں ہر ممکن کوشش کروں گا کہ اس چیلنج کو قبول کیا جائے میں بے صاف صاف کہا کہ ہم معاملات کو تعمیر کے نقطہ نظر سے دیکھتے ہیں، تحریک کی نظر سے نہیں دیکھتے

رہائی کے ایک دن بعد کلکتہ میں مجھے وائسرائے کی طرف سے گول میر کانفرنس میں شرکت کا دعوت نامہ ملا، جو ۲۵ جون کو شملہ میں ہونے والی تھی میں بے جواب دیا کہ میں ورکنگ کمیٹی کا ایک جلسہ ہفتی میں ۲۰ جون کو کرے والا ہوں، اور ورکنگ کمیٹی



اں کے خط پر غور کر کے اپنے نمائندے مقرر کرے گی۔ میں بے یہ بھی لکھا کہ میں کانہرس سے پہلے اں سے ملا چاہتا ہوں اور دریافت کیا کہ انہیں اعتراض تو نہ ہوگا اگر میں اس خط و کتابت کو شائع کردوں جو میرے اور اں کے درمیان ہوئی تھی حب میں قلعہ احمد نگر حیل میں تھا

اس زمانے میں میری صحت بہت خراب تھی۔ میرا وزن چالیس پاؤنڈ کم ہو گیا تھا اور مجھ سے کچھ کھایا نہیں جاتا تھا مجھے بہت کمزوری محسوس ہو رہی تھی اور قوے 'جیسے شل ہو گئے تھے۔ ڈاکٹروں نے مشورہ دیا کہ وائسرائے سے کانہرس کو کم از کم دو ہفتے کے لئے ملتوی کرے کی درخواست کروں، کیونکہ اس سے مجھے علاج اور طبیعت کو بحال کرے کا موقع مل جائے گا۔ مگر میں نے اتنے اہم جلسے کو محض اپنی تسدستی کی خاطر ملتوی کرانا مناسب نہیں سمجھا

میں نے سگال کی لیجنس لیٹو کاؤنسل کے ایک عمارتوں کیر سے کانہرس کے دوراں میں اپنے سکریٹری کی حیثیت سے کام کرے کو کہا، اور اس طرح رفاقت کا ایک سلسلہ شروع ہوا جو اب تک قائم ہے۔ میں نے اں کو پہلے سے جواہر لال کے نام پیغام دے کر نمٹی بھیج دیا۔ جواہر لال سے میں نے کہا تھا کہ ورکنگ کمیٹی کے جلسے سے پہلے ہم دونوں کو مل کر اپنا طریق کار طے کر لیا چاہئے اہوں نے مجھ سے اتفاق کیا، اس لئے کہ اں کے اپنے دہن میں بھی یہی خیال تھا۔

میں بمبئی ۲۱ حوں کو پہنچا، اور حسب معمول بھولا بھائی دیسانی

کے یہاں ٹھہرا۔ کمرہ وہی تھا جہاں ۹ اگست ۱۹۴۲ء کو گرفتار کیا گیا تھا میں برآمدہ میں بیٹھا اور دوستوں سے باتیں ہوئے لگیں تو یقین نہیں آتا تھا کہ تین برس گزر گئے ہیں معلوم ہوتا تھا کہ حیسے میں کل ہی ان لوگوں سے ملا تھا اور ۹ اگست کے بعد حو واقعت پیتس آئے وہ سب حواب و خیال تھے۔ گرد و پیش کی چریں وہی تھیں، دوست وہی تھے اور وہی بحر عرب دور اپنی تک اپنا دامن بہلانے ہوئے تھا۔

گاندھی جی اپنے دستور کے مطابق رلا ہاؤس میں ٹھہرے تھے اور ورکنگ کمیٹی کا جلسہ وہیں ہوا میں بے کمیٹی کو اس دعوت کے بارے میں مطلع کیا حو شملہ کانفرنس میں شرکت کے لئے مجھے بھیجی گئی تھی کمیٹی بے وائسرائے کے خط پر عور کر کے فیصلہ کیا کہ میں گول میر کانفرنس میں کانگریس کی سائنڈگی کرے گا ہمار کیا حاؤں اس کی اطلاع وائسرائے کو کی گئی اور انہوں نے ہمیشہ سے ہمارے سفر کا انتظام کیا مجھے اسالہ تک پہنچانے کے لئے ایک ہوائی جہاز دیدیا گیا اور اسالہ سے شملہ تک کا سفر میں بے موثر میں کیا یہ اور تبادوں کے ہمیشہ سے روانگی سے یہاں ہی مجھے وائسرائے کے پاس سے اس خط کا حواب مل گیا حو میں بے کلکتہ سے لکھا تھا۔ وہ کانفرنس سے پہلے مجھ سے ملاقات کرے پر حوشی سے راضی ہو گئے، مگر خط و کات کی اشاعت کے بارے میں انہوں نے لکھا کہ چونکہ میں حود شملہ آرہا ہوں اس لئے وہ چاہتے ہیں کہ ملاقات کے وقت اس پر گفتگو کریں۔

دن کو گرمی بہت سخت تھی اور میں حب دہلی پہنچا تو بدن میں کچھ سکت نہیں رہی تھی اسالہ سے کالکا تک موٹر کا سہر اور بھی تکلیف دہ ثابت ہوا راستے بھر لوگوں کے ہجوم ملتے رہے جہوں بے موٹر کو گھیر لیا، پانڈاؤں پر اور چھت پر بھی چڑھ گئے، اور ہم بڑی مشکل سے آگے بڑھ پائے۔ معلوم ہوتا تھا کہ دیوایے ہو گئے ہیں، وہ سامنے سے ہٹتے ہی نہیں تھے حب تک کہ ہم ان کی حوشامد نہ کرتے کہ ہمیں روکیں ہیں، آگے جا بے دیں آخر کار قریب دس بجے رات کو میں شملہ پہنچا، اور سیدھا سیوائے ہوٹل گیا جہاں میرے لئے کمرے طے کئے گئے تھے۔ مگر میں اس ہوٹل میں زیادہ دن تک رہ نہیں سکا۔ لارڈ ویول بے میری حالت دیکھ کر سوچا کہ میرا ہوٹل میں رہا مناسب نہ ہوگا، انہوں نے وائسریگل اسٹیٹ میں ایک مکان میرے لئے حالی کرادیا، اور میری دیکھ بھال اپنے عملہ کے سپرد کردی۔ اس تواضع اور مروت کا میرے اوپر بہت اثر ہوا۔ جہاں تک میرا ان سے سابقہ رہا، میں بے لارڈ ویول کو طبعی شائستگی کی مثال اور لحاظ کا نمونہ پایا۔

دوسرے دن صبح دس بجے میری وائسرائے سے ملاقات ہوئی۔ انہوں نے بہت احلاق سے میرا استقبال کیا اور برطانیوی حکومت کی طرف سے جو تحویریں لائے تھے انہیں بیاں کیا۔ انہوں نے کہا کہ جنگ کے دوراں میں کوئی بڑی دستوری تبدیلیاں نہ کی جاسکیں گی، مگر ایکریکیوٹیو کاؤنسل کے عمر سب ہندوستانی ہوجائیں گے اور وہ اس کو ایک دستوری رسم بنانے کی کوشش

کریں گے کہ وائسرائے کاؤنسل کے مشورے پر عمل کرے۔ انہوں نے مجھ سے درخواست کی کہ حکومت پر اعتبار کیا جائے اور کہا کہ ان کی دلی خواہش ہے کہ جنگ کے ختم ہونے کے بعد ہندوستان کا مسئلہ حل کر دیا جائے۔ اب چونکہ لڑائی ختم ہونے والی ہے، ہندوستان کا اس میں فائدہ ہے کہ جنگ کو ایک کامیاب انجام تک پہنچانے کے لئے انگریزوں کے ساتھ تعاون کرے۔ پھر انہوں نے مسلم لیگ کا ذکر کرتے ہوئے کہا کہ کانگریس اور لیگ کے درمیان معاہدہ ضروری ہوگی۔

میں نے صاف صاف کہا کہ لیگ سے معاہدہ ہوسکے گا مجھے کوئی اعتبار نہیں ہے۔ لیگ جس لوگوں کے قابو میں ہے وہ سمجھتے ہیں کہ انہیں حکومت کی تائید حاصل ہے اور وہ معقول شرطوں کو بھی قبول کرے اور راضی رہے ہوں گے۔

وائسرائے نے بہت اصرار سے کہا کہ حکومت لیگ کی حمایت نہ کرے گی۔ اگر مسلم لیگ کے لیڈروں کو ایسا کوئی خیال ہے تو وہ غلطی پر ہیں۔ انہوں نے مجھے یقین دلایا کہ حکومت غیر حاسدار رہی ہے اور رہے گی۔

اس کے بعد میں نے اس خط و کتابت کے سوال کو اٹھایا جو قلعہ احمد نگر حیل سے ان کے اور میرے درمیان ہوئی تھی، اور یہ امید ظاہر کی کہ انہیں اس کے شائع کرنے پر کوئی اعتراض نہ ہوگا۔ وائسرائے نے جواب دیا کہ وہ کوئی اعتراض نہ کریں گے اگر میرا واقعی بہت ہی چاہتا ہو کہ انہیں چھاپ دوں، لیکن ان کی اشاعت کا اچھا اثر نہ پڑے گا، کیوں کہ ہم اس وقت ایک نئے حوش

اور ولوائے کے ساتھ ہندوستان کے سیاسی مسئلے کو حل کرے کے لئے مل بیٹھے والے ہیں، اور چاہتے ہیں کہ دلوں سے پرانی کدورتیں نکال دس۔ اگر ایسے موقع پر پرانی باتوں کی یاد تازہ کی گئی تو فضا بدل جائے گی اور دوستی اور خلوص کے بحائے بے اعتداری اور عصہ کی فضا پیدا ہو جائے گی ابوں بے مجھ سے درخواست کی کہ خط و کتابت کی اشاعت پر اصرار نہ کروں، اور کہا کہ اگر میں بے ان کی تحویر کو ماں لیا تو وہ بہت بموں ہوں گے میں بے دیکھا کہ وائسرائے کا امدار مخلصانہ ہے اور وہ واقعی سیاسی فضا میں تبدیلی چاہتے ہیں میں بے ان سے کہا کہ ان کی طرح مجھے بھی ایک نئی فضا پیدا کرے اور اپنے مسائل پر دوستی کے ایک نئے امدار سے گفتگو کرے کی حوابش ہے، اس لئے میں کوئی اسی بات نہ کروں گا جو فضا کی تبدیلی کے حق میں مفید نہ ہوا اور ان کی تحویر کو ماں لوں گا وائسرائے بے دوبارہ کہا کہ وہ میرے اس رویے پر بہت شکر گذار ہیں

اس کے بعد وائسرائے بے اپنی تحویر کی تفصیلات بیان کیں۔ میرے اوپر پہلا اثر یہ پڑا کہ سیاسی طور پر یہ کرپس کی پیش کش سے مختلف ہیں ہے۔ مگر حالات میں ایک بڑا فرق یہ ہو گیا تھا کہ اُس وقت انگریزوں کو ہندوستان کے تعاون کی انتہائی ضرورت تھی، اور اس وقت یورپ میں لڑائی ختم ہو چکی تھی اور اتحادی ہٹلر پر ہمایاں فتح حاصل کر چکے تھے۔ اس کے باوجود برطانوی حکومت بے ہندوستان میں ایک نئی سیاسی فضا

پیدا کرے کی خاطر اپنی پچھلی تحویر کو دوبارہ پیش کیا ہے۔  
میں نے وائسرائے کو بتایا کہ انڈین نیشنل کانگریس نے مجھے  
اپنی طرف سے کارروائی کرے کا محار کیا ہے، مگر اس کے  
واحد میری حراہش ہے کہ قطعی جواب دیے سے پہلے اسے ساتھیوں  
سے مشورہ کر لوں، اسی حیاں سے میں نے ورکنگ کمیٹی کو تحویر پر  
عر کرے کے لئے شملہ بلایا ہے اس طرح میں کانگریس کا فیصلہ  
کانگریس کے سامنے پیش کر سکوں گا میں نے لارڈ ویول کو یقین  
دلایا کہ میری کوشش یہ ہوگی کہ کوئی حل نکالوں اور میں دشواریاں  
نہیں پیدا کروں گا

وائسرائے تحویروں کو بیاں کر رہے تھے تو ان کے انداز میں  
ایک صمیمی اور خلوص تھا جس سے میں متاثر ہوا میں نے دیکھا  
کہ ان کا رویہ ایک سیاست دان کا نہیں بلکہ سپاہی کا ہے۔ انہوں  
نے معاملہ کو طول نہیں دیا، بلکہ جو کچھ کہا صاف صاف اور  
بیر پیر پھیر کے کہا۔ ان کے اور سر سٹیفورڈ کرپس کے طریقے میں  
بہت فرق تھا۔ کرپس نے کوشش کی تھی کہ اپنی تحویروں کو بہترین  
روشی میں پیش کریں انہوں نے ان کے ہر اچھے پہلو کو زیادہ سے  
زیادہ نمایاں کیا اور کمزور پہلوؤں کو پس پشت ڈالنے کی کوشش کی۔  
لارڈ ویول نے کسی قسم کی رنگ آمیزی نہیں کی اور مجھے محسوس ہوا  
کہ وہ میرے اوپر اچھا اثر ڈالنے کی کوشش نہیں کر رہے ہیں۔ انہوں  
نے پھٹ سے کہہ دیا کہ لڑائی ابھی جاری ہے اور جاپاں ایک بہت  
طاقتور دشمن ہے ایسی صورت میں برطانیہ کوئی اہم اقدام کرے  
کے لئے تیار نہیں ہے۔ اس کے لئے جنگ کے خاتمہ کا انتظار کرنا

ہوگا، مگر دور اثر تبدیلیوں کا سلسلہ ابھی سے شروع کیا جاسکتا ہے۔ ایکریکیوٹیو کاؤنسل بالکل ہمدوستی ہو جائے گی، اور اس طرح ملک کی حکومت کا مرکز ہمدوستیوں کے اختیار میں آ جائے گا۔ جب ایک مرتبہ یہ ہو جائے تو ایک نئی صورت حال پیدا ہو جائے گی اور جنگ کے بعد ترقی یقینی ہو جائے گی۔

لارڈ ویول سے میری ملاقات بے شہاد کی دعا بدل دی اس رات کو وہ بڑی سرکاری دعوت دے رہے تھے اور میں بے سہا کہہ کر ہٹ گیا۔ دریاں میں ابھی میری بہت تعریف کی۔ ابوں بے یہ بھی کہا کہ کانگریسی لیڈروں کے خیالات اور حکومت سے ان کے اختلافات چاہے جیسے ہوں، مگر وہ ہیں شریف آدمی۔ وائسرائے کا یہ قول پورے شہر میں دہرایا گیا اور اس بے سرکاری اور غیر سرکاری حلقوں میں ایک ہلچل پیدا کر دی۔ بہت سے لوگ جو اس وقت تک کانگریس کی طرف سے سرد مہر تھے اور میرے وجود کو بھی سس تکلفاً تسلیم کرتے تھے ایک بارگی ہم سے محبت کر بے لگے۔ وہ میرے پاس تحفے تحائف لے کر آئے لگے اور مجھے یقین دلانا چاہا کہ دل میں ابوں بے ہمیشہ کانگریس کو سراہا ہے اور اس کی طرف داری کی ہے۔

۲۴ کی سہ پہر کو ورکنگ کمیٹی کا جلسہ سردار پرنام سکھ کے مکان پر ہوا، جہاں گاندھی جی ٹھہرے تھے۔ وائسرائے سے جو ملاقات ہوئی تھی اس کی میں بے مختصر رپورٹ پیش کی اور یہ رائے دی کہ ہمیں اس پس کش کو منظور کر لیا جانیے۔ اگرچہ وہ کرپس کی پیش کش سے مختلف نہیں ہے۔ اس کے لئے میں بے



دلیل یہ دی کہ اب حالات بدل گئے ہیں، یورپ کی جنگ ختم ہو گئی ہے اور جاپان بھی زیادہ دن تک مقابلہ نہ کر سکے گا۔  
حزب لڑائی ختم ہو جائے گی تو برطانیہ کے لئے ہمارا تعاون حاصل کرے کی کوئی خاص عرض نہ رہے گی اس وجہ سے لارڈ ویول کی پیش کش کو ناممکن کر دیا مناسب نہ ہو گا، اور ہمیں کانفرنس میں اس مقصد سے شرکت کرنا چاہئے کہ اگر شرطیں کسی اعتبار سے بھی قابل قبول ہوں تو انہیں مان لیا جائے۔

اس پر ایک لمبی بحث ہوئی مگر آخر میں ورکنگ کمیٹی نے طے کیا کہ کانفرنس میں مدرجہ دیل امور پر رور دیا جائے

(۱) ہم کو اس بارے میں صاف اور واضح بیان ملنا چاہئے کہ، ایکریکیوٹیو کاؤنسل کا وائسرائے سے کیا تعلق ہوگا؟ کیا ایسی صورت میں جب کہ کاؤنسل متعہ فیصلہ کرے وائسرائے اس فیصلہ کا پابند ہوگا یا اسے بھر بھی ناممکنی کا اختیار ہوگا؟

(۲) فوج کی حیثیت واضح ہونا چاہیے۔ اس وقت فوج اور قوم کے درمیان ایک دیوار حائل تھی۔ اس صورت حال میں تبدیلی ہونا چاہیے، تاکہ ہندوستان کے لیڈروں کو فوج سے تعلق پیدا کرنے کا موقع ملے؟

(۳) برطانوی حکومت نے ہندوستان کی عام رائے معلوم کئے بغیر ملک کو کھینچ کر جنگ میں شریک کر لیا تھا۔ کانگریس کو یہ پوریش منظور نہیں ہے۔ اگر کوئی باہمی فیصلہ ہو اور ایک نئی ایکریکیوٹیو کاؤنسل بنے تو کاؤنسل کو حق ہوگا کہ ہندوستان کے جنگ میں آئندہ شریک رہے کیسے مسئلے کو ہندوستان

کی لیجسلیو اسمبلی میں پیش کرے۔ جاپان کے خلاف جنگ کرے میں ہندوستان برطانیہ کے ایک فیصلے کی بدولت نہیں بلکہ قومی نمائندوں کی رائے کی بنا پر شریک ہوگا۔

گاندھی جی ورکنگ کمیٹی کے حاسے میں شروع سے آخر تک موجود تھے اور اس فیصلے میں بھی شریک ہوئے۔ اس موقع پر انہوں نے یہ سوال نہیں اٹھایا کہ جنگ میں شرکت کا مطلب یہ ہے کہ کانگریس عدم تشدد کے اصول کو چھوڑ رہی ہے۔ یعنی انہوں نے تشدد یا عدم تشدد کی بحث نہیں چھیڑی۔ ان کی طرح ورکنگ کمیٹی کے وہ عمر جہوں نے پہلے اس بنا پر استعفیٰ دیا تھا خاموش بیٹھے رہے۔

وائسرائے کے اعلان کے مطابق انڈین نیشنل کانگریس اور مسلم لیگ کے صدر اور شیڈیول کاسٹ اور سکھوں کے نمائندے کانگریس میں شریک ہوئے مرکزی اسمبلی میں کانگریس پارٹی کے لیڈر اور مسلم لیگ کے ڈیٹی لیڈر، کاؤنسل آف سٹیٹ میں کانگریس پارٹی اور مسلم لیگ کے لیڈر اور اسمبلی میں نیشنلسٹ پارٹی اور یورپین گروپ کے ایڈروں کو بھی دعوت دی گئی تھی۔ ان کے علاوہ کانگریس میں وہ لوگ بھی شریک ہوئے جو اس وقت صوبہ جاتی حکومتوں کے چیف مسٹر تھے یا حال تک رہ چکے تھے۔ ہندو ما سہا بے کوشش کی کہ اسے بھی دعوت دی جائے، مگر وائسرائے نے اس کے استحقاق کو تسلیم نہیں کیا۔

ہم سے کہا گیا کہ کانگریس شروع ہونے کے وقت سے کچھ پہلے آجائیں۔ وائسرائے نے وائسریگل لاج کے چمن میں ہمارا

استعمال کیا اور یہیں ہمارا اں سے باقاعدہ تعارف کرایا گیا۔ میں اس رہائے میں بہت کمزور تھا اور میرے لئے چند مٹ سے زیادہ کھڑے رہنا بہت مشکل تھا۔ میں بے وائسرائے کے پرائیویٹ سکرٹیری، سرایوں حکمر سے اس کا ذکر کیا اور وہ مجھے ایک طرف کونے میں لے گئے جہاں ایک صوفہ رکھا تھا مجھے وہاں بیٹھے ہوئے چند مٹ گذرے تھے جب وہ ایک حاتون کو ایگر آئے اور تعارف کراتے ہوئے کہا کہ یہ عربی زبان کی بہت اچھی عالم ہیں شاید انہوں نے یہ سوچا کہ میں اکیلا بیٹھا ہوں اس لئے کسی کو میرے پاس ہونا چاہیے، اور میرے لئے مشرقی علوم کے ماہر سے بھر ساتھی کون ہو سکتا تھا۔ میں نے حاتون سے عربی میں بات چیت شروع کی، مگر معلوم ہوا کہ اس بیچاری کا علم »نعم« اور »لا« تک محدود تھا پھر میں نے ان سے انگریزی میں پوچھا کہ آخر وائسرائے کے پرائیویٹ سکرٹیری کو یہ خیال کیسے ہوا کہ آپ عربی روانی سے بولتی ہیں انہوں نے کہا کہ میں چند مہینے بعد میں رہ کر آئی ہوں اور رات کو کھانے کی دعوت میں میں نے کچھ مہمانوں سے کہا تھا کہ کسی عرب کو کسی بات پر تعجب ہو تو وہ »عجیب! عجیب!« کے لفظ استعمال کرتا ہے حاتون نے ہستے ہوئے کہا کہ اس سے مہماں مرعوب ہوئے اور انہوں نے یہ رائے قائم کر لی کہ میں عربی زبان کی عالم ہوں

تھوڑی دیر کے بعد لارڈ ویول آئے اور کہا کہ اب کانفرس کے کمرے میں جانے کا وقت ہو گیا ہے۔ یہاں نشستوں کی ترتیب ایسی تھی کہ وائسرائے بیچ میں تھا، کانگریس سب سے بڑی مخالف

پارٹی کی حیثیت سے اس کے دائیں طرف تھی، لیگ اس کے دائیں طرف۔ اس طرح شاید غیر شعوری طور پر اس کا اعتراف کیا گیا کہ لیگ حکومت کی حامی ہے۔

لارڈ ویول نے مختصر سی افتتاحی تقریر کی، جس کے بعد میں نے کانفرنس کے سامنے کانگریس ورکنگ کمیٹی کا نقطہ نظر پیش کیا۔ میں نے جو تین مسئلے اٹھائے تھے ان کا وائسرائے نے موافقت میں جواب دیا گفتگو دن بھر جاری رہی، صرف لچ کے لئے وقفہ کیا گیا۔

کانفرنس عام پبلک کے لئے نہیں تھی اور اس میں احماروں کے نمائندوں کو نہیں دایا گیا تھا پہلی نشست کے بعد میں نے لارڈ ویول سے کہا کہ اگر سرکاری طور پر احماروں کو کوئی رپورٹ نہ بھیجی گئی تو ہماری گفتگو کے بارے میں بے سیاد قیاس آرائیاں کی جائیں گی اس لئے مناسب ہو گا اگر احماروں کے لئے رپورٹ تیار کر لی جائے کرے، مگر یہ ایسی ہونا چاہیے جس پر تمام شرکا متفق ہوں۔ انہوں نے کہا کہ ہر نشست کے بعد ایک سرکاری بیان تیار کر لیا جائے گا اور اشاعت سے پہلے کانفرنس سے اس کی مطوری حاصل کر لی جائے گی۔ اسی کے مطابق شام کو آٹھ ایک مسودہ بھیجا گیا جسے میں نے ایک دو معمولی سی ترمیمیں کر کے بعد واپس کر دیا۔ احماروں کو بھیجے سے پہلے یہ ترمیمیں بیاں میں شامل کر لی گئیں۔ کانفرنس کے دوران میں اس طریقہ کار پر عمل ہوتا رہا۔

کانفرنس شروع ہونے کے بہت جلد بعد کانگریس اور لیگ کے

اختلافات مطر عام پر آگئے دوسرے دن تک کانفرنس چند خاص اصولوں پر متفق ہو گئی، جیسے کہ اقلیتوں کی نمائندگی، جنگ کی سرگرمیوں میں کھائے دل سے شرکت اور جنگ کے خاتمے تک نئے طریقے پر مرتب کی ہوئی ایکریکیوٹیو کاؤنسل کا قانون حکومت ہند کے ماتحت برقرار رہا۔ لیکن کاؤنسل کی رکیت کے بارے میں اختلافات پیدا ہوئے۔ مسٹر جناح کا کہا تھا کہ کانگریس تمام ہندو عہدوں کو نامرد کر سکتی ہے اور لیگ تمام مسلمان عہدوں کو نامرد کرے گی میں نے کہا کہ کانگریس ایسے مطالبے کو رد کر رہی ہیں کر سکتی، تمام سیاسی مسئلوں میں اس نے قومی نقطہ نظر اختیار کیا تھا اور سیاسی معاملوں میں وہ ہندو مسلمان کے امتیاز کو صحیح نہیں تسلیم کر سکتی تھی۔ وہ کسی حالت میں ہوں اس پر راعی نہیں ہو سکتی کہ اسے صرف ہندیوں کی پارٹی قرار دیا جائے۔ اس لئے میں نے اصرار کیا کہ کانگریس کو اس کی آزادی ہونا چاہیے کہ جس ہندوستانی کو چاہے نامرد کرے، قطع نظر اس سے کہ وہ ہندو ہے یا مسلمان یا عیسائی یا پارسی یا سکھ، کانگریس کو ہندوستانی قومیت کی بنیاد پر شرکت کرنا چاہیے ورنہ شرکت ہی نہ کرنا چاہیے۔ مسلم لیگ کو اپنی طرف سے فیصلہ کرے کا حق ہے کہ اس کے نمائندے کون ہوں گے۔

کانفرنس کا ۲۶ جون کی صبح کو اجلاس ہوا، مگر نمائندوں کو آپس میں مشورہ کرے کا موقع دیے کے لئے اجلاس برحاست کر دیا گیا۔ مسٹر جناح نے کانگریس سے غیر رسمی طور پر گفتگو کرنے کی خواہش ظاہر کی، میں نے اس کے لئے

ہڈت گووند بلہ پت کو نامرد کیا، جنہیں میں مسٹر حجاج سے گھٹ و شید کرے کے لئے سب سے مناسب شخص سمجھتا تھا ان کے درمیاں کئی دن تک گفتگو ہوئی، مگر آخر میں لاجااصل ثابت ہوئی۔ حصر حیات حاں، جو پنجاب کے چیف مسٹر کی حیثیت سے کانہرس میں شریک ہوئے تھے، اس دوراں میں یکتی نار مجھ سے ملے، مجھے یہ دیکھ کر حوتی ہوئی کہ ہر معامائے میں انہوں نے بہت معقول رویہ اختیار کیا، اور جیسے جیسے دشواریاں پیدا ہوئیں انہوں نے ان کے حل کرے میں مدد کی اور دوسروں سے اتحاد عمل کیا۔

شملہ کانہرس ہندوستان کی سیاسی تاریخ میں حدفاصل کی حیثیت رکھتا ہے یہ ہلا موقع ہے جب کا معاہمت کی کوشش برطانیہ اور ہندوستان کے بنیادی سیاسی اختلافات کی وجہ سے نہیں ہا کہ اس فرقہ واری مسئلے کی وجہ سے نا کامیاں ہوئی جس نے مختلف ہندوستانی جماعتوں میں تفرقہ ڈال دیا تھا اس تبدیلی کو سمجھنے کے لئے مسلم لیگ کی گشتہ تاریخ پر نظر دوڑانا ضروری ہے

مسلم لیگ نے سیاسی مسئلوں کے متعلق جو رویہ اختیار کیا اس کی تاریخ تین الگ الگ حصوں میں تقسیم کی جا سکتی ہے۔ مسلم لیگ ڈھا کہ کے مقام پر ۱۹۰۶ء میں مسلم ایجوکیشنل کانہرس کے اجلاس کے بعد کرسمس میں قائم ہوئی اس کا آعار نواب مشتاق حسین کی کوششوں سے ہوا میں اس اجلاس میں موحود تھا اور لیگ کے قیام کے جو دو مقصد یاں کئے

گئے تھے وہ مجھے یاد ہیں۔ کہا گیا تھا کہ اس کا ایک مقصد ہندوستانی مسلمانوں میں برطانوی حکومت سے وفاداری کے جذبے کو تقویت پہنچانا ہے، دوسرا سرکاری ملازمتوں کے معاملے میں ہندوؤں اور دوسرے فرقوں کے مقابلے میں مسلمانوں کے حق کو پیش کرنا اور اس طرح مسلمانوں کے مفاد اور حقوق کو محفوظ کرنا ہے۔ اس طرح لیگ کے لیڈر قدرتی طور پر سیاسی آزادی کے اس مطالبے کے خلاف تھے جو کانگریس پیش کر رہی تھی، اور سمجھتے تھے کہ اگر مسلمان ایسے کسی مطالبے میں شریک ہوئے تو انگریز بیانی مجلسوں اور ملازمتوں میں مسلمانوں کے حق کو مخصوص کرے کے دعوے کی حمایت نہ کریں گے حقیقت یہ ہے کہ وہ کانگریس کو غداروں کی جماعت کہتے تھے اور گوکھالے اور سر ویروڑ شاہ مہتا جیسے اعتدال پسند سیاسی ایڈروں کو شہرے کی سطروں سے دیکھتے تھے اس دور میں برطانوی حکومت بے مسلم لیگ کو کانگریس کے مطالبوں کو رد کرے کا دربعہ بنا کر رکھا۔

مسلم لیگ کی سرگرمیوں کا دوسرا دور شروع ہوا جب اس نے دیکھا کہ حکومت کانگریس کے دباؤ کی وجہ سے مختلف اصلاحات جاری کرے پر مجبور ہوئی ہے۔ کانگریس کے قدم بہ قدم مقصد کی طرف بڑھتے دیکھ کر اسے کچھ پریشانی ہوئی۔ لیگ سیاسی جدوجہد سے تو الگ اور بے تعلق رہی، مگر جیسے ہی کچھ حاصل ہوا اس نے مسلمانوں کے حصہ کا مطالبہ کیا۔ مسلم لیگ کا یہ طریقہ حکومت کے لئے مفید مقصد تھا، اور درحقیقت یہ خیال بے بنیاد نہیں ہے کہ لیگ کی کارروائیاں انگریزوں کی



خواہش کے مطابق ہوتی تھیں۔ لیگ بے یہی رویہ مورلے مشو اصلاحات اور موٹے گیو چمسرڈ کی صوبہ جاتی خود مختاری کی سکیم کے رماے میں اختیار کیا

لیگ کے یروگرام کا تیسرا دور پہلی جنگ عظیم کے رماہ سے شروع ہوا۔ اس وقت تک کانگریس بے بہت اعتنا پیدا کرلیا تھا، اور یہ صاف طاہر تھا کہ برطانوی حکومت ہندوستان کی آرا دی کو تسلیم کرے پر محمور ہوگی اب مسٹر جناح لیگ کے قائد ہو گئے تھے اور انہوں بے محسوس کیا کہ انہیں کانگریس اور حکومت کے ہر اختلاف سے فائدہ اٹھانا چاہئے۔ جب کھی کانگریس اور حکومت کے درمیاں حکومت کے احیارات مستقل کرے کی گفتگو ہوتی تو مسٹر جناح پہلے خاموش رہتے، اگر گفتگو کامیاب نہ ہوتی تو وہ ایک ہودا سا یاں شائع کر دیتے کہ دروں فریق مدمت کے قابل ہیں لیکن چونکہ کسی قسم کا سمجھوتا نہیں ہوا ہے لیگ کو برطانیہ کی پیش کش کے بارے میں کوئی رائے دیے کی ضرورت نہیں ہے اگست ۱۹۴۰ء کی پیش کش اور ۱۹۴۲ء میں کرپس کی تحویروں کے موقع پر انہوں بے ایسا ہی کیا۔ شماہ کانگریس میں انہیں ایسی صورت حال نظر آئی جس سے اب تک انہیں سابقہ نہیں پڑا تھا۔

جیسا کہ میں پہلے یاں کرچکا ہوں، اب تک کانگریس اور حکومت کے درمیاں ہر گفتگو کسی سیاسی مسئلہ کی وجہ سے نا کامیاب ہوئی تھی۔ انگریز اختیار ممتل کرے پر راضی نہیں تھے اور کانگریس کسی ایسے فیصلے کو منظور کرے پر تیار نہیں تھی جس سے

ہندوستان کی آزادی یقینی نہ ہونے والی تھی۔ اس وجہ سے گفتگو سیاسی مسائل پر ختم ہونے والی اور فرقہ واری مسئلہ پر بات کرنے کی بجائے آتی۔ شملہ کانگریس میں، میں نے کانگریس ورکنگ کمیٹی کو لارڈ ویول کی پیش کش منظور کرنے پر آمادہ کر لیا۔ مگر اب حیرت انگیز طور پر ہندوستان اور برطانیہ کا سیاسی اختلاف ختم ہونے کے قریب تھا تو افریکیوٹو کانفرنس میں فرقہ واری نمائندگی کے مسئلے نے کانگریس کو نا کام کر دیا۔

میں یہ بیاں کر چکا ہوں کہ اس معاملہ میں کانگریس نے قومی رجحان نظر پیش کیا اور مسلم لیگ نے مطالبہ کیا کہ کانگریس اپنی قومی حیثیت سے دست بردار ہو کر ایک فرقہ واری پارٹی بن جائے۔ مسٹر حاجی نے حیرت انگیز دعویٰ کیا کہ کانگریس صرف افریکیوٹو کانفرنس کے ہندو بھائیوں کو نامزد کر سکتی تھی۔ میں نے کانگریس میں پوچھا کہ مسٹر حاجی یا مسلم لیگ کو کس طرح یہ حکم لگانے کا حق ہے کہ کانگریس کسے نامزد کرے اور کسے نہ کرے؟ اگر کانگریس مسلمانوں پارسیوں، سکھوں اور عیسائیوں کے نام پیش کرے تو کانفرنس میں ہندو بھائیوں کی تعداد کم ہونے والی گی لیکن اس سے مسلم لیگ کو کیا مطلب ہے؟ میں نے لارڈ ویول سے کہا کہ وہ صاف صاف بتائیں کہ مسلم لیگ کا مطالبہ معقول ٹھہرایا جاسکتا ہے یا نہیں؟

لارڈ ویول نے جواب دیا کہ وہ لیگ کے مطالبہ کو معقول نہیں مان سکتے، لیکن یہ معاملہ ایسا ہے جسے کانگریس اور لیگ کو آپس میں طے کرنا چاہیے، حکومت کے یا خود ان کے لئے مناسب نہیں ہے کہ وہ کسی فریق کو اپنا فیصلہ منظور کرنے پر مجبور کرے۔

کاؤنسل کی رکیت کے بارے میں اختلاف اس وقت نمودار ہوا جب سیاسی مسئلے پر سمجھوتا ہو چکا تھا۔ نئے نظام کا حاکم بن گیا اور سب سے اسے پسند کر لیا تو پارٹیوں سے کہا گیا کہ اپنے نمائندوں کے نام پیش کریں۔ ظاہر ہے کانگریس کی فہرست میں پہلا نام کانگریس کے صدر کا تھا۔ اس کے علاوہ ہم سے جواہر لال اور سردار پٹیل کے نام شامل کئے تھے۔ باقی دو نام طے کرے سے پہلے ہم میں حاصی بحث ہوئی۔ مجھے بہت خواہش تھی کہ ایک پارسی اور ایک ہندوستانی عیسائی ہماری فہرست میں ہو یہاں مختصراً یہ سمجھائے کی ضرورت ہے کہ مجھے اقلیتوں کے نمائندوں کو شامل کرنے پر کیوں اصرار تھا۔ اگست ۱۹۴۲ء میں جب ہم گرفتار ہوئے تھے تو برطانوی حکومت نے بعض اقلیتوں کو کانگریس کے خلاف متاعل کرے کی کوشش کی تھی۔ ان اقلیتوں میں سے ایک پارسی بھی تھے جس سے حکومت نے معاملہ کرنا چاہا۔ ان کی جماعت بہت چھوٹی ہے، لیکن تعلیم، دولت اور قابلیت کی وجہ سے اس کو قومی ریدگی میں نمایاں حیثیت حاصل ہے۔ میں سمجھتا تھا کہ اس جماع کے ایک آدمی کے ساتھ بے انصافی کی گئی ہے جب نمئی میں پہلی بار کانگریسی وزارت سے کے موقع پر بریمان کو نظر انداز کیا گیا۔ اس کے علاوہ کانگریس نے سہ ۱۹۳۷ء میں ایک فیصلہ کیا تھا جس سے پارسیوں کو نقصان ہوا۔ کیونکہ جب شراب بدی نافذ کی گئی تو دوسری جماعتوں کے لوگوں سے زیادہ کاروباری پارسیوں پر اس قانون کا اثر پڑا۔ شراب کی تجارت میں وہ اجارہ دار سے تھے، اور



وردھا میں کانگریس ورکنگ کمیٹی کا جلسہ۔ فروری ۱۹۴۲ء۔

۱۹۴۶ء میں میرٹھ کانگریس۔ کرپلائی، پٹیل، آزاد، عمار حان۔





پشت جي - دادسہ خان - سردار پٽيل - مولانا اراد - مہارہا جي ال انڊيا ڪارڪرس ڪميٽي ڪاسہ، دہلي ۱۹۴۷ء

سراپ سدی ہے کروڑوں کے لین دیں کو حتم کر دیا حکومت کو خیال تھا کہ ان واقعات کے بعد سے پارسی کانگریس کے خلاف ہوں گے، مگر ایک جماعت کی حیثیت سے انہوں نے حکومت کے ہاتھ میں کٹھ پتلی سا قول نہیں کیا ایک بیاں میں، جس پر تقریباً تمام اہم اور معتبر لیڈروں کے دستخط تھے، انہوں نے صاف صاف اعلان کر دیا کہ ہندوستان کی آزادی کے معاملے میں وہ کانگریس کے ساتھ ہیں اور اس کے ساتھ رہیں گے

قلعہ احمد نگر کے حیل حابے میں حب میں ہے یہ بیاں پڑھا تو میرے اوپر بہت اچھا اثر پڑا، اور میں نے اپنے ساتھیوں سے کہا کہ پارسیوں نے اس بیاں کو شائع کر کے ہندوستان کی بڑی خدمت کی ہے میں نے یہ بھی تحویر کیا کہ ہمیں اس احسان کا مناسب طریقہ پر اعتراف کرنا چاہیے، اور اگرچہ ان کی جماعت بہت چھوٹی ہے، مگر ہندوستان کی پہلی آزاد حکومت میں ان کا خیال رکھا جائیے۔ اس لئے حب ہم کانگریس کے نمائندوں کی فہرست مرتب کر رہے تھے تو میں نے اصرار کیا کہ فہرست میں ایک پارسی نام بھی ہو۔ گاندھی جی کو میرا خیال پسند آیا، مگر وہ سمجھتے تھے کہ کسی پارسی کو شامل کرنا ممکن نہ ہوگا، اس لئے کہ کانگریس صرف پانچ اشخاص کو نامزد کر سکتی ہے۔ اس پر سب تیار تھے کہ آئندہ کوئی وارات ہے تو اس میں ایک پارسی کے لئے جگہ نکالے کی پوری کوشش کی جائے مگر میں اس پر راضی نہیں ہوا۔ میں نے کہا کہ مستقبل کے بارے میں کچھ یقین نہیں ہے، اور اب جو ہمیں موقع ہے کہ اپنی پسند کے مطابق

انتخاب کریں ، ہمیں ایک پارسی کو اپنی فہرست میں ضرور شامل کرنا چاہیے ۔ دو دن کی بحث کے بعد بالآخر میری بات مان لی گئی ۔

میں بے ایک ہندوستانی عیسائی کو بھی فہرست میں شامل کرے پر اصرار کیا مجھے معلوم تھا کہ اس جماعت کا نمائندہ کسی اور ذریعے سے کاؤنسل میں نہیں آسکتا ۔ سکھوں اور شڈیولڈ کاسٹ کے لوگوں کی نمائندگی ہر حال ہر جائے گی ، لیکن جب تک کانگریس اس کی سرپرستی نہ کرے ، کوئی ہندوستانی عیسائی حکومت کارکن نہ ہو سکے گا مجھے یہ بھی یاد تھا کہ ہندوستانی عیسائیوں کی جماعت بے ہمیشہ کانگریس کی حمایت کی ہے اور سیاسی معاملات میں قومی نقطہ نظر اختیار کیا ہے ۔

اں سب باتوں کا نتیجہ یہ نکلا کہ کانگریس بے جو فہرست داخل کی اس میں صرف دو ہندو نام تھے ۔ اگر کسی ثبوت کی ضرورت تھی تو اس سے ثابت ہو گیا کہ کانگریس صحیح معنوں میں قومی پارٹی ہے یہ کہا جاسکتا تھا کہ ہندو ، جس کی ہندوستان میں اکثریت تھی ، اس تحویر پر اعتراض کریں گے ، مگر یہ تعریف کی بات ہے کہ ہندوؤں بے استقلال کے ساتھ کانگریس کی تائید کی ، اور اس وقت بھی ان کے رویہ میں فرق نہیں آیا جب انہوں نے دیکھا کہ کانگریس فہرست کے پانچ ناموں میں سے تین مسلمانوں ، عیسائیوں اور پارسیوں میں سے لے گئے ہیں ۔ بعد کو ہندو مہاسہا بے کانگریس کے اس فیصلے کو اپنی ترقی کا ذریعہ بنانا چاہا ، لیکن سب جانتے ہیں کہ وہ کس بری طرح ناکامیاب ہوئی ۔



یہ قدر کی عجیب ستم طریقی ہے کہ مہاسہا کی طرح مسلم لیگ سے بھی کانگریس کی طرح سے ایک مسلمان کا نام پیش ہوئے پر اعتراض کیا۔

دس برس کے بعد بھی حب میں ان واقعات پر نظر ڈالنا ہوں تو مجھے اس عجیب صورت حال پر حیرت ہوتی ہے جو مسلم لیگ کے رویہ کی وجہ سے پیدا ہوئی لارڈ ویول نے خود آرمائشی طور پر ایک فہرست تیار کی تھی جس میں کانگریس اور لیگ کے پانچ پانچ ناموں کے علاوہ چار نام اور تھے، ایک سکھوں کے سائندے کا، در شڈیولڈ کاسٹ کے نمائندوں کے، اور چوتھا حصر حجاب خاں کا، جو اس وقت پنجاب کے چیف مسٹر تھے مسٹر حجاج کو یہ بات بہت بری لگی کہ انگریجوئو کاؤنسل میں دو مسلمان ہوں جو ان کے نامزد کردہ نہ ہوں۔ حضر حیات خاں مجھ سے ملے آئے اور میں نے ان کو یقین دلایا کہ کانگریس کو ان کے شامل کئے جانے پر اعتراض نہ ہوگا۔ یہی میں نے لارڈ ویول سے بھی کہا۔ اس لئے اگر کانفرنس مسٹر حجاج کی مخالفت کی وجہ سے ناکامیاب نہ ہو جاتی تو اس کا نتیجہ یہ ہوتا کہ کاؤنسل کے چودہ ممبروں میں سے سات مسلمان ہوتے، اگرچہ پوری آبادی کے وہ صرف پچیس فی صدی تھے۔ یہ کانگریس کی فیاضی کا ثبوت ہے، اور اس سے مسلم لیگ کی حماقت پر ایسی روشنی پڑتی ہے جس میں وہ خاصی بھیانک معلوم ہوتی ہے۔ مسلم لیگ مسلمانوں کے حقوق کی محافظ سمجھی جاتی تھی، مگر اسی کی مخالفت کے سبب سے مسلمان غیر تقسیم شدہ ہندوستان کی حکومت

میں ایک معقول حصہ حاصل کرے سے محروم رہے۔ مسلم لیگ کی انتہا پسندی کا انجام یہ ہوا کہ کانفرس ناکامیاب قرار پا کر برحاست کر دی گئی

کانفرس کے بعد میں نے ایک بیان شائع کیا اور نامہ نگاروں کی ایک کانفرس بھی کی، جس میں، میں نے سمجھایا کہ شملہ کانفرس میں شرکت کرے میں کانگریس کو کیا دشواریاں پیش آئیں ہمارے سامنے تحویریں اچانک پیش کی گئیں، ۱۵ جون ۱۹۴۵ء کو میرے ساتھی اور میں سب رہا کئے گئے، اور ہمیں وائسرائے کی دعوت کے بارے میں فوراً فیصلہ کرنا پڑا ہم نے محسوس کیا کہ بین الاقوامی دنیا میں بڑی تبدیلیاں ہو گئی ہیں اور ان کا بلاشبہ ہندوستان کے مسئلے پر اثر پڑا ہے۔ ان تبدیلیوں کا لازمی نتیجہ یہ ہوا ہے کہ ہندوستان اور دوسری ایشیائی قوموں کی آزادی کا مسئلہ بطور کے سامنے آگیا حالات کا صحیح جائزہ لیے کی دشواریوں کے باوجود ورکنگ کمیٹی نے کانفرس میں شرکت کرے کا فیصلہ کیا

میں نے نامہ نگاروں کو دایا کہ گفتگو کی ہر منزل پر میں نے کانگریس کی قومی حیثیت پر زور دیا میں نے وائسرائے پر بھی واضح کر دیا کہ کانگریس ورکنگ کمیٹی موجودہ سیاسی تعطل کو دور کرے کی ہر معقول کوشش میں شریک ہونا چاہتی ہے۔

میں نے یہ کہا کہ اگر شملہ کانفرس کامیاب ہوتی تو جاپان کے خلاف جنگ صرف برطانیہ کی نہ ہو جاتی۔ بلکہ ہندوستان کی بھی ہو جاتی۔ ہندوستان کا جنوب مشرقی ایشیا کے ملکوں کو

آراد کرے کے مسئلہ سے براہ راست تعلق ہے اس لئے ہندوستان کی نئی حکومت کا یہ فرض ہوتا کہ جاپان کے خلاف جنگ جاری رکھے جس تک کہ یہ سب ملک آزاد نہ ہو جائیں۔ لیکن ہندوستان کی نئی حکومت کسی ایسی تحویز میں شریک نہ ہو سکتی جس کا مقصد یہ ہوتا کہ سابق یورپی ایمپریلیسٹ طاقتوں کی حکومت کو بحال کیا جائے۔ ہم جنگ سے پہلے کی نوآبادیاتی حکومتوں کو جنوب مشرقی ایشیا کے ملکوں میں دوبارہ قائم کرے کے لئے نہ ایک ہندوستانی سپاہی بھرتے نہ ایک پائی خرچ کرتے

میں بے نامہ نگاروں کو یہ بھی بتایا کہ جس ہندوستانیوں کے ہاتھوں میں حکومت کا اختیار مستقل کرے کا بنیادی مسئلہ طے ہو گیا تھا تو کانہرس نئی انگریجوئیو کاؤنسل کی تعداد رُکیت اور ترکیب پر عور کرے لگی۔ اس کے اجلاس اس لئے ملتوی کئے گئے کہ محفل پارٹیوں میں بحی اور غیر رسمی گفتگو ہو سکے مگر ان گفتگوؤں کا کوئی نتیجہ نہیں نکلا اس دوران میں مسٹر جاح بے یہ پوریش اختیار کی کہ نئی انگریجوئیو کاؤنسل کے مسلمان ممبروں کو نامرد کرے کا حق صرف مسام لیگ کو ہوگا۔ اور کانگریس کو اس کا حق نہ ہوگا کہ کسی مسلمان کو نامرد کرے۔ کانگریس کے لئے ایسے کسی اصول کو تسلیم کر لیا اس کی بنیادی قومی حیثیت کے خلاف ہوتا۔ اس کے لئے یہ صرف دستوں کا نہیں بلکہ ایک بنیادی اصول کا معاملہ تھا ہم اس کے لئے تیار تھے کہ جہاں تک ممکن ہو مسلم لیگ کی خواہشوں کو پورا کریں لیکن مسٹر جاح بے ایسا رویہ اختیار کیا کہ مفاہمت

کی گنجائش نہ رہی۔ انہوں نے کہا کہ وہ ناموں کی فہرست بھی داخل نہ کریں گے جب تک کہ ان کا نظریہ تسلیم نہ کرایا جائے وائسرائے نے مجھے بتایا کہ انہوں نے اپنے سب بھر کوشش کی مگر مسٹر حجاج کو قائل نہ کر سکے۔ مسٹر حجاج اصرار کرتے رہے کہ جو مسلمان نامزد ہوں ان سب کو لیگ ورکنگ کمیٹی نامزد کرے اس سے وائسرائے اتفاق نہ کر سکے اور انہیں محسوس ہوا کہ فی الحال اس تحویر پر مرید گفتگو کرنا بے فائدہ ہوگا۔

میں نے اس وقت جو بیاں شائع کیا تھا اس کا ایک حصہ درج کرتا ہوں۔

» موجودہ صورت حال سے دو نتیجے نکلتے ہیں پہلا یہ ہے کہ کانفرنس کی ناکامی کا دمہ دار وہ رویہ ہے جو مسلم لیگ نے اختیار کیا، دوسرا یہ ہے کہ اب جو مسلم لیگ نے انکار کر دیا ہے تو لارڈ ریول کو طے کرنا ہے کہ وہ آگے بڑھیں گے یا نہیں۔ فی الحال انہوں نے طے کیا ہے کہ آگے نہ بڑھیں گے اس سلسلے میں میں ایک رات دہراؤں گا جو میں نے کانفرنس میں کہی تھی۔ برطانوی حکومت ایسے آپ کو فرقہ واری مسئلے سے بری الذمہ نہیں کر سکی چاہے آج ہو یا کل، ایک نہ ایک دن اسے عدل و انصاف پر مبنی فیصلہ کر کے اس پر قائم رہنا ہوگا۔ اس کے سوا اور کوئی راہ نہیں ہے۔ اور جب ایک مرتبہ فیصلہ کر لیا جائے تو پھر ہمیں آگے بڑھنا چاہیے۔ جو اس کے لئے تیار ہوں انہیں موقع ملنا چاہیے کہ آگے بڑھیں، جو چاہتے ہوں کہ انہیں الگ چھوڑ دیا جائے انہیں چھوڑ دینا چاہیے۔ بغیر ارادے

اور استتلال کے کچھ کیا ہیں حاسکتا۔ بیت ڈابواں ڈول ہو اور قدم لڑکھڑاتے ہوں تو ہم ترقی کی راہ پر آگے نہیں بڑھ سکتے۔ قدم اٹھانے سے پہلے ہمیں ضرور سوچنا چاہئے، مگر حب ایک مرتبہ ہم فیصاہ کرلیں اس کے بعد نامل اور ہچکچاہٹ تعریف کی بات نہیں ہے بلکہ قطعی کمزوری کی علامت ہے۔»

میں نے دامہ نگاروں سے کہا کہ کانگریس نے جو رویہ اختیار کیا اس پر مجھے بالکل افسوس نہیں ہے ہم نے جس حد تک ممکن تھا مسٹر حاح کی خواہشوں کا لحاظ کیا، مگر ہم ان کے اس دعوے کو تسلیم نہیں کر سکتے تھے کہ ہندوستانی مسلمانوں کی واحد اور مختار نمائندہ جماعت مسام لیگ ہے جس صوبوں میں مسلمانوں کی اکثریت ہے وہاں لیگ کی مسٹری نہیں ہے۔ صوبہ سرحد کی مسٹری کانگریسی ہے، بنگال میں گورنر کی حکومت ہے اور پنجاب میں یوہیست پارٹی کی وزارت ہے۔ سندھ میں سر علام حسین کی حکومت کا دار و مدار کانگریس کی حمایت پر ہے اور آسام میں بھی یہی حال ہے اس لئے یہ دعویٰ نہیں کیا حاسکتا کہ مسام لیگ تمام مسلمانوں کی سائنڈگی کرتی ہے۔ در اصل مسلمانوں کی ایک بہت بڑی تعداد ہے جس کو لیگ سے کوئی مطالب نہیں ہے۔

اس باب کو ختم کرے سے پہلے میں «ہندوستان چھوڑ دو» کی تحریک کے ایک نتیجہ کا ذکر کرنا چاہتا ہوں۔ اس دوران میں چند نئی شخصیتیں ہندوستان کے مطر عام پر نمودار ہوئیں۔ انہیں تھے حالات کے تقاصوں نے اُٹھارا تھا اُن میں سے ایک

مسز آصف علی تھیں۔ میں تا چکا ہوں کہ ۹ اگست سنہ ۱۹۴۲ء کی صبح کو بمبئی کے ریلوے پلیٹ فارم پر انہوں نے مجھ سے کہا تھا کہ بیکار نہیں بیٹھی رہیں گی۔ ہماری گرفتاری کے بعد انہوں نے سارے ملک کا دورہ کیا اور برطانیہ کی جنگی سرگرمیوں کی مخالفت کے لئے وہ لوگوں کو مطمئن کرتی رہیں۔ انہوں نے تشدد اور عدم تشدد کے فرق کا خیال نہیں کیا، بلکہ وہ طریقہ اختیار کیا جو زیادہ کارآمد معلوم ہوا۔ کچھ عرصہ کے بعد حکومت ان کی حدود و حدود کی طرف متوجہ ہوئی اور انہیں گرفتار کر کے کوششیں کی گئیں۔ لیکن وہ روپوش ہو گئیں اور گرفتاری سے بچی رہیں۔ اس میں ان کی بہت سے ہمدوستیوں نے مدد کی، جس میں سے کئی سرکاری عہدہ دار یا کارخانوں کے مالک تھے جو معمولاً حکومت کے وفادار حامی سمجھے جاتے تھے۔ بمبئی اور کلکتہ کے بعض کاروباری لوگوں نے ان کی مدد کی، اور وہ انڈین سول سروس اور ہمدوستی فوج کے افسروں کے گھروں میں بھی رہیں۔ انہیں حتیٰ رویہ کی ضرورت تھی اسے وہ جمع کر سکیں اور ہماری گرفتاری کے دوران میں وہ برابر مشغول رہیں۔

جس میں ۱۹۴۵ء میں رہا ہوا تو وہ کلکتہ میں چھپ کر مجھ سے ملے آئیں۔ میں نے لارڈ ویول سے ان کا ذکر کیا تو انہوں نے کہا کہ وہ ان کی گزشتہ سرگرمیوں کی بنا پر انہیں گرفتار نہ کریں گے، لیکن آئندہ کیا ہوگا؟ میں نے جواب دیا کہ اب سیاسی صورت حال بدل گئی ہے اور اس کا بہت امکان ہے کہ وہ اپنی ماغیانہ سرگرمیوں کو جاری رکھیں جس سے اطمینان ہو گیا کہ

ابیں قید رہیں کیا جائے گا تو میں بے مسر آصف علی سے کہہ دیا کہ اب ان کے رویوش رہے کی ضرورت نہیں ہے اور انہوں نے سہ ۱۹۴۵ء کے آخری حصہ میں ہالک میں آنا شروع کر دیا ان کی سرگرمیاں اتنی مشہور ہو گئی تھیں کہ وائسرائے نے ایک تقریر میں ان کی مثال پیش کرتے ہوئے عدم تشدد کے مسئلے میں کانگریس کی ایمانداری پر شبہ ظاہر کیا۔ انہوں نے کہا کہ حب ورکنگ کمیٹی کا ایک ممبر کی بیوی تشدد آمیز سرگرمیوں میں مصروف ہو تو حکومت کے لئے مشکل ہے کہ عدم تشدد کے بارے میں حوالہ اعلان کانگریس کیا کرتی ہے، ان پر اعتبار کرے حب قلعہ احمد نگر کے جیل خانہ میں آصف علی نے ان باتوں کی حیرت تو میں نے دیکھا کہ انہیں اپنی گرفتاری کی پرواہ نہیں ہے، بلکہ وہ ان خطروں کے خیال سے فکر مند ہیں جس میں ان کی بیوی گھری ہوئی ہیں۔ میں نے انہیں مطمئن کرے کی کوشش کی اور کہا کہ فکر مند ہونے کے بجائے انہیں اس پر صبر کرنا چاہیے کہ ان کی بیوی ایک اعلیٰ مقصد کو حاصل کرے کے لئے اتنی ہمت سے پیش قدمی کر رہی ہیں



## عام انتخابات

**شملہ** کانگریس کے بعد ڈاکٹروں نے مجھے بہت اصرار سے مشورہ دیا کہ تبدیل آب و ہوا کے لئے کشمیر چلا جاؤں۔ میری صحت اب بھی کمزور تھی اور میں کانگریس کے صدر کے معمولی فرائض بھی بہت مشکل سے انجام دے پاتا تھا۔ خواہر لال کو بھی تبدیلی آب و ہوا کی ضرورت تھی اور انہوں نے بھی کشمیر جانے کا فیصلہ کیا۔ میں نے حوالائی اور اگست کے مہینے گامرگ میں گزارے۔ میں یہیں تھا جب مجھے خبر ملی کہ لیبر پارٹی نے برطانیہ کے عام انتخابات میں غیر معمولی کامیابی حاصل کی ہے۔ میں نے فوراً مسٹرائٹلی اور سر سٹھیڈ کرپس کو مبارکباد کے تار بھیجے، اور ان میں یہ امید بھی ظاہر کی کہ حکومت کا اختیار حاصل کر کے بعد لیبر پارٹی ان وعدوں کو پورا کرے گی جو وہ ہندوستان سے اس زمانے میں کرتی رہی ہے جب اس کی حیثیت مخالف پارٹی کی تھی۔ مسٹرائٹلی نے جواب میں لکھا کہ لیبر پارٹی ہندوستان کے مسئلے کا صحیح حل نکالے گی پوری کوشش کرے گی۔ کانگریس نے لکھا ہے کہ انہیں امید ہے کہ ہندوستان کو مایوسی نہ ہو گی۔ مجھے یہاں یہ بات کہدیا چاہیے کہ گاندھی جی اور خواہر لال دونوں کو میرا اس طرح تار دینا پسند نہیں آیا۔ ان کو اعتبار نہیں تھا

کہ لیبر پارٹی کا رویہ ویسا ہی ہوگا جس کا سمجھا جاتا تھا، مگر مجھے یقین تھا کہ لیبر پارٹی ہندوستان کے مسئلے پر ایک نئے راویہ سے عور کرے گی اور اس کا نتیجہ اچھا ہو گا

اسی کے تھوڑے دن بعد وائسرائے نے اعلان کیا کہ اسی سال حاروں میں عام انتخابات ہوں گے۔ اس کی وجہ سے درکگ کمیٹی اور آل انڈیا کانگریس کمیٹی کے جلسے کرنا ضروری ہوں گے، کیونکہ اب کانگریس کو ویدلہ کرنا تھا کہ شملہ کانفرنس کی ناکامی کو دیکھتے ہوئے اسے کیا پالیسی اختیار کرنا چاہئے جس اوگ ایک نئی تحریک شروع کرے کی موافقت میں تھے، جس کا خیال تھا کہ اگر نئی تحریک نہ شروع کی جائے تو کانگریس انتخابات کو ہائی کاٹ کرے مری رائے تھی کہ ان میں سے کسی طریقہ کو اختیار کرے کے لئے کافی وجہ ہیں ہے، اگر شملہ کانفرنس ناکام ہوئی تھی تو اس میں انگریزوں کا قصور نہیں تھا ناکامی کا سبب فرقہ واری تھی سیاسی اختلاف نہیں تھا

میں گلبرگ ہی میں تھا جب ایک یا واقعہ پتر آیا جس کا دیا کی تاریخ میں کوئی جواب نہیں وہ یہ تھا کہ امریکیوں نے ہروشیما اور ناگاساکی شہروں پر اٹم بم گرائے۔ اس کے پہلے عام طور پر اندازہ کیا جاتا تھا کہ جاپانیوں کی طاقت توڑے میں کم از کم دو سال لگیں گے ہروشیما اور ناگاساکی کے بعد صورت حال بالکل بدل گئی جاپانیوں کے پاس اس تھے اور ہیٹ ناک آلہ جنگ کا کوئی جواب نہیں تھا، اور وہ بغیر کسی شرط کے ہتھیار ڈالنے پر مجبور ہو گئے۔ یورپ میں جنگ ختم ہو گئی تھی چند ہفتوں کے

اندر امریکی فوج چاچا کی سر زمین پر اتری اور ٹوکیو پر قبضہ کر لیا۔ حال میں آرٹھر عملاً چاچا کے حکمراں ہو گئے۔

مجھے اب بھی یقین ہے کہ چاچا کو آگاہ کئے بغیر ایٹم بم گراہے کی کوئی وجہ نہیں تھی۔ ان بموں سے صرف فوجیوں کو ہیست و نابود نہیں کر دیا بلکہ شہریوں کو بھی اور اُنے والی سلوں تک کو نقصان پہنچایا۔ دراصل ایٹم بم سے نوع انسانی کی بقا کو خطرے میں ڈال دیا۔ پہلی جنگ عظیم میں، جب جرمنوں نے اتحادیوں کے خلاف ربریلی گس استعمال کی تو دیا کی عام رائے ہے ان کی بے تکلف مدمت کی اگر جرمنوں سے اس وقت اساتیت کے خلاف ارتکاب حرم کیا تھا، تو اس وقت امریکوں کو کیسے ری کیا جا سکتا تھا۔ میرا خیال تھا کہ ایٹم بم استعمال کرنا قابل معافی نقصان رسانی کی حدود سے تجاوز کرنا ہے اور اس سے اتحادیوں کی عزت اور بہادری کی شہرت میں اضافہ نہ ہوگا۔ مجھے یہ دیکھ کر افسوس ہوا کہ اتحادیوں سے اس واقعہ کو ایک شاددار فتح کہہ کر حیر مقدم کیا، اور احتجاج کے طور پر کسی نے ایک لفظ بھی نہ کہا۔

میری صحت اب بھی کمزور تھی۔ جولائی اور اگست کشمیر جانے کے لئے اچھا وقت نہیں ہے، اور مجھے وہاں رہنے سے کچھ فائدہ بھی نہ ہوا، مگر ستمبر کے ساتھ بہت خوش گوار تبدیلی ہوئی اور میری حالت تیزی کے ساتھ بہتر ہوئے لگی۔ میری حوراک بڑھ گئی اور میں ورزش کرے کے قابل ہو گیا۔ مجھے یقین ہے کہ اگر میں ایک مہینہ اور ٹھہر سکتا تو میری صحت بالکل بحال ہوجاتی

لیکن حالات ایسے تھے، کہ مجھے کشمیر چھوڑنا پڑا۔ ورکنگ کمیٹی اور آل انڈیا کانگریس کمیٹی میں میری موجودگی ضروری تھی۔ جب میں میدانی علاقے میں آ گیا و جو وقتی بہتری میری صحت میں ہوئی تھی وہ غائب ہو گئی

اس وقت کشمیر کے لئے ہوائی چہار کی سروس نہیں تھی۔ مسافروں کو لمبی اور پر سچ موٹر کی سڑک سے جانا پڑتا تھا۔ لیکن امریکی اپنے فوجی افسروں کو بڑی تعداد میں آرام اور تفریح کے لئے کشمیر لے جانا کر رہے تھے۔ ہر دوسرے ہفتے ایک نئی تہلی ہوائی چہار سے سری نگر بھیجی جاتی ان افسروں میں سے کچھ مجھ سے ملے آئے۔ اور جب انہیں معلوم ہوا کہ مجھے دہلی جانا ہے تو انہوں نے کہا کہ اگر میں چاہوں تو امریکی کمانڈر کے خاص چہار میں مجھے پہنچا دیں گے ۱۰ ستمبر کو میں ان کے چہار میں دہلی پہنچا اور پونا کے لئے روانہ ہو گیا ورکنگ کمیٹی کا ۱۴ ستمبر کو پونا میں اجلاس ہوا اور پھر اس کا تمام دن ل کر نمٹی کر دیا گیا ورکنگ کمیٹی اور آل انڈیا کانگریس کمیٹی دونوں میں اس پر گرما گرم بحثیں ہوئی کہ اب ہماری پالیسی کا رخ کیا ہونا چاہیے اکثریت کا، جس میں گاندھی جی بھی شامل تھے، خیال تھا کہ ہمیں اپنے آپ کو تعمیری کاموں کے لئے وقف کر دینا چاہیے، اس لئے کہ اب سیاسی میدان میں کچھ حاصل ہونے کی امید نہیں ہے

میرا کہا تھا کہ اب لیبر پارٹی کی حکومت کی وجہ سے برطانیہ میں بڑی تبدیلی ہو گئی ہے لیبر پارٹی کا ہندوستان کے ساتھ ہمیشہ

دوستانہ برتاؤ رہا ہے اسے دیکھتے ہوئے مناسب ہوگا اگر ہم اسے اپنے خلوص کو ثابت کرے گا موقع دیں۔ میری قطعی رائے تھی کہ ہمیں کوئی نئی تحریک شروع نہ کرنا چاہیے بلکہ عام انتخابات میں شریک ہونا چاہیے میں بے یہ بھی کہا کہ شملہ کانفرنس ہندوستان کے مسئلے کو حل کرے کی ایک سنجیدہ کوشش تھی، اور اگرچہ وہ ناکامیاب ہوئی ایک ہم کو اس اسیرٹ کی قدر کرنا چاہیے جو لارڈ ویول نے ظاہر کی تھی، اور اب جو لبر پارٹی برسر اقتدار ہے تو ہمیں دیکھنا چاہئے کہ آگے کیا ہوگا۔ بہت بحث مباحثہ کے بعد میری رائے بالآخر ماں لی گئی۔

اس کے بعد میں بے ضروری سمجھا کہ سیاسی قیدیوں کے سوال کو اٹھاؤں حکومت ہند بے ورکنگ کمیٹی کو رہا کر دیا تھا، لیکن کانگریس کے ہزاروں معمولی امر اب تک حیل میں تھے شملہ کانفرنس کے موقع پر مجھے صحیح اندازہ تھا کہ ہمارا اگلا قدم کیا ہوگا، اس لئے میں بے کانفرنس میں تمام سیاسی قیدیوں کی عام معافی اور رہائی کے سوال کو پیش نہیں کیا۔

کانفرنس کے بعد دو واقعے ہوئے جنہوں نے بے فضا کو بالکل بدل دیا پہلا واقعہ لبر پارٹی کی مکمل فتح تھی، اور دوسرا ایتھم بم کا گراہ اور جنگ کا خاتمہ۔ اب قومی اور بین الاقوامی صورت حال بہت زیادہ صاف ہو گئی تھی۔ مجھے یقین ہو گیا کہ ہمیں اپنی پالیسی میں خاص طور پر دو باتوں کا خیال رکھنا چاہیے، یعنی ایک طرف ہندوستانی قوم میں جدوجہد کی روح کو تازہ رکھنا اور دوسری طرف ہر قسم کے اندھا دھند اقدام سے پرہیز کرنا۔

حور میں سمجھتا تھا وہی پیش بھی آیا۔ حگ کے حاتمہ کے کچھ عرصہ دور لارڈ ویول نے اعلان کیا کہ ہندوستان میں عام انتخابات ہوں گے جیسے ہی مجھے اس اعلان کی خبر ملی، میں نے محسوس کیا کہ اب سیاسی قیدیوں کے سوال کو اٹھانے کا وقت آگیا ہے۔ اب عام انتخابات کا اعلان کر دیا گیا تھا، تو ان لوگوں کو گرفتار رکھنے کی کوئی معقول وجہ نہیں ہو سکتی تھی۔ میں نے لارڈ ویول کو گلہ گ سے لکھا کہ میں نے سیاسی قیدیوں کے مسئلے کو شملہ میں پیش نہیں کیا، اس لئے کہ موقع مناسب نہیں تھا مگر اب حالات بدل گئے ہیں، حگ ختم ہو گئی ہے اور عام انتخابات کا اعلان کر دیا گیا ہے، اس لئے تمام سیاسی قیدیوں کو معاف کر دینا چاہیے۔ یہ اقدام ہندوستانی قوم اور حکومت دونوں کے مفاد کے لئے ضروری ہے۔ جہاں تک حور قیدیوں کا تعلق ہے، وہ برسوں حیل میں رہ چکے ہیں اور چند مہینے اور کاٹ لیں گے، ان کا گرفتار رہنا انہیں نقصان نہیں پہنچائے گا مگر سمجھوتے کے امکانات کو کم کر دے گا اگر حکومت ایک نئی سیاسی فضا پیدا کرنا چاہتی ہے تو اسے تمام سیاسی قیدیوں کو رہا کر دینا ہوگا۔

لارڈ ویول نے تار کے ذریعے جواب دیا کہ وہ میری رائے سے متفق ہیں اور سیاسی قیدیوں کی رہائی کے احکامات جاری کر رہے ہیں۔ لیکن انہوں نے معافی اور رہائی کا عام حکم جاری نہیں کیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ بیشتر کانگریسی قیدی چھوڑ دیئے گئے، مگر چند مستأ انتہا پسند کارکن قید رہے۔ ان میں سے پرکاش برائن،

راماند مشرا اور کئی اور لوگ شامل تھے۔

میں اپنی مذاہات کے اس بیچے سے مطمئن نہیں تھا میری سمجھ میں نہیں آیا کہ حب باقی سب لوگ چھوڑ دئے گئے ہیں تو تھوڑے سے انتہا پسند لوگ کیوں قید رکھے جائیں حکومت ہند کو ان پر تشہے تھے، مگر اس کا کوئی ثبوت نہیں تھا کہ ان کا طرز عمل دوسرے کانگریسی کارکنوں سے مختلف تھا۔ جہوں سے »ہندوستان چھوڑ دو« کی تحریک میں حصہ لیا تھا۔ ستمبر میں آل انڈیا کانگریس کمیٹی کا بمبئی میں اجلاس ختم ہوا تو میں نے اور لارڈ ویول کو املا اور معصل خط لکھ کر سمجھایا کہ یہ مہی ہر ہندی رہا رہ گئے تو اس کا ملک پر برا اثر ہوگا اور اگر وہ ملک میں اچھی مصا پیدا کرنا چاہتے ہیں تو انہیں قیدیوں کی عام معافی پر راضی ہو جانا چاہیے آخر میں لارڈ ویول میری باب ماں گئے اور سب قیدی چھوڑ دئے گئے۔

آل انڈیا کانگریس کمیٹی نے طے کیا تھا کہ ورکنگ کمیٹی ایک الکس مینی فیسٹو تیار کر کے اس کے سامنے عور اور مطوری کے لئے پیش کرے اس سے ورکنگ کمیٹی کو اس کا بھی محار کیا کہ مرکری الکس کمیٹی کی طرف سے بطور تمہید ایک مینی فیسٹو جاری کر دے۔ چونکہ الکس ورین آگئے تھے، اس لئے آل انڈیا کانگریس کمیٹی کا جلسہ دوبارہ نہ کیا جا سکا اور ورکنگ کمیٹی نے حسب ذیل مینی فیسٹو اپنی رمہ داری پر شایع کر دیا۔

»ساتھ سال سے کانگریس ہندوستان کی آزادی کے لئے جدوجہد کر رہی ہے۔ اس لمبی مدت میں اس کی تاریخ اس



ہندوستانی قوم کی تاریخ بن گئی ہے جو اپنی قید کی زنجیروں سے  
رور آزمائی کر رہی تھی اور برابر اپنے آپ کو چھڑانے کی کوشش  
میں لگی تھی ابتدا میں وہ ایک چھوٹی سی جماعت تھی، مگر وہ  
بڑھتی اور اس وسیع ملک میں پھیلی رہی اور شہروں اور دور افتادہ  
گاہوں میں عوام کو آزادی کا پیغام سناتی رہی ان عوام سے اس  
بے اختیار اور طاقت حاصل کی ہے، اور بڑھتے بڑھتے ایک زبردست  
جماعت بن گئی ہے جو ہندوستان کے اس ارادے کی حقیقی طاقت  
اور حوش دلائے والی علامت ہے کہ وہ آزادی اور خود مختاری  
حاصل کرے گا یست درپشت اس ہے اپنے آپ کو اس مقدس مقصد  
کے لئے وہ کیا ہے، اور اس کے نام سے اور اس کے جھنڈے  
کے بیچے بے شمار مردوں اور عورتوں نے اپنے عہد کو پورا  
کرے کے لئے اپنی حادیں قربان کی ہیں اور مصیبتیں اٹھائی ہیں۔  
خدمت اور قربانی کی بدولت اس نے ہماری قوم کے دل میں گہر  
کر لیا ہے اور اس کے اس ارادے نے کہ کسی طرح سے بھی  
قوم کی بے عزتی کو گوارا نہ کرے گی عیروں کی حکومت کا  
متبادل کرے کے لئے ایک طاقتور تحریک پیدا کر دی ہے

» کانگریس کی کارگذاری کی تاریخ میں عوام کی بولائی  
کے لئے تعمیری کام اور آزادی حاصل کرے کے لئے مسلسل  
حد و حد دوہوں شامل ہیں۔ اس حد و حد میں اس نے کئی مرتبہ  
بارک حالات کا سامنا کیا ہے اور ایک عظیم الشان سلطنت کی  
فوج قوت سے بار بار ٹکر لی ہے۔ اس نے اس پسند طریقوں  
سے کام لیا، اس لئے وہ ان مقابلوں میں صرف سلامت ہی نہیں

رہی بلکہ ان سے اس کو نئی طاقت حاصل ہوتی پچھلے بیس سالوں کے بے مثال عوامی انقلاب اور انہیں دبانے کی طالبانہ اور بے رحم کوششوں کے بعد کانگریس پہلے سے زیادہ طاقت کے ساتھ ابھری ہے، اور ہماری قوم، جس کا اس بے طوفانوں اور مصیبتوں میں ساتھ دیا ہے اب اس سے بہت زیادہ محنت رکھتی ہے۔

کانگریس ہندوستان کے ہر سہری، مرد یا عورت کو مساوی حیثیت اور ترقی کے موقع دینا چاہتی ہے وہ تمام جماعتوں اور فرقوں میں اتحاد چاہتی ہے، وہ چاہتی ہے کہ یہ ایک دوسرے سے رواداری برتیں، ایک دوسرے کے حیرحواہ ہوں۔ وہ چاہتی ہے کہ قوم کو اپنی خواہش اور اپنی توفیق کے مطابق بڑھے اور ترقی کرے گا پورا موقع ملے وہ یہ بھی چاہتی ہے کہ قوم اور ملک کے ہر گروپ اور ہر علاقے کو اس بڑے نظام کے اندر اپنی زندگی اور اپنی تہذیب کو ترقی دینے کی آزادی ہو، اور اس مقصد کو حاصل کرنے کے لئے وہ چاہتی ہے کہ ان علاقوں یا صوبوں کی حد بندی، جہاں تک ہوسکے لسانی اور تہذیبی نقطہ نظر سے کی جائے وہ چاہتی ہے کہ ان تمام لوگوں کو ان کے حقوق دلوائے جائیں جو سماجی ظلم اور بے انصافی برداشت کرتے رہے ہیں اور ان تمام رکاوٹوں کو دور کیا جائے جن کی بدولت ان کو دوسروں کے مساوی حیثیت نہیں مل سکتی ہے۔

» کانگریس کی نظر میں ایک آزاد، جمہوری ریاست ہے جس

میں دستور کے ذریعے تمام شہریوں کے بنیادی حقوق اور شہری

آرادی کا تحفظ کیا جائے گا۔ اس کی رائے میں اس دستور کو وفاقی ہونا چاہئے جس میں اراکین وفاق کو بہت کچھ خود مختاری دی جائے، اور جس کے قانون ساز شعبے بالعموم کے عام حق رائے دہدگی کی بنا پر مستحب کئے جائیں۔

» ڈیڑھ سو سال سے زیادہ کے بدیسی راج بے ملک کی شروعات کو روک دیا ہے اور بہت سے ایسے اہم مسئلے پیدا کئے ہیں جن کو فوراً حل کرنا ضروری ہے، اس دوران میں ملک اور ملک والوں کو ایسے منظم طریقے سے نفع اندوزی کا ذریعہ پایا گیا ہے کہ عوام بد حالی اور فاقہ کشی کی انتہا کو پہنچ گئے ہیں۔ ملک صرف سیاسی اعتبار سے محکوم اور دلیل کر کے نہیں رکھا گیا ہے، بلکہ وہ معاشی، سماجی، تہذیبی اور روحانی اعتبار سے بہت پیچھے گر گیا ہے، جنگ کے دوران میں اور اب بھی غیر ذمہ دار حکومت کی نفع اندوزی اور ہندوستانیوں کے مفاد اور ان کے خیالات کی نظر اندازی پھر عروج پر پہنچی ہے، اور انتظامی نا اہلیت کا نتیجہ ہیستناک قحط اور عام بد حالی کی شکل میں نظر آ رہا ہے۔ آرادی اور خود مختاری کے سوا ان اہم مسئلوں کا اور کوئی حل نہیں ہے، سیاسی آرادی کا ماحصل معاشی بھی ہونا چاہئے اور سماجی بھی

» اولاس کی دلا کو دور کرنا اور عوام کے معیار زندگی کو بہتر کرنا ہندوستان کے مسائل میں سب سے اہم اور فوری توجہ کے مستحق ہیں۔ کانگریس کی توجہ خاص طور پر عوام کی بہبودی اور ترقی کی طرف رہی ہے اور یہی اس کی تعمیری سرگرمیوں

کا مقصد ہے اس سے ہر تحویر اور ہر تبدیلی کو اس معیار پر جانچا ہے کہ اس کے عوام کی بہودی اور ترقی پر کیا اثر ہوگا، اور وہ علانیہ کہتی رہی ہے کہ ہمارے عوام کی بہودی میں جو رکاوٹیں ہوں انہیں دور کر دیا جائے صحت اور رراعت، جماعتی معاد اور رواہ عام کے محکموں اور اداروں کو ترقی دیا جائے اور ان کے طریق کار کو حدید طرر پر لانا اور کام کو حلد ار حلد پھیلا دیا جائے تا کہ ہمارے ملک کی دولت میں اضافہ ہو اور اس میں دوسروں پر بھروسہ کئے بغیر اپنی کوشش سے بڑھے کا مادہ پیدا ہو مگر جو کچھ کیا جائے اس کا پہلا مقصد اور سب سے اعلیٰ فرص یہ ہوگا کہ ہمارے عوام کو فائدہ پہنچے، ان کی زندگی کی معاشی، تہذیبی، اور روحانی سطح اونچی ہو، اُن میں سے روزگاری کم ہو اور فرد کی عرت بڑھے اس مقصد کے لئے ضروری ہوگا کہ ہم ہر میدان میں جماعتی ترقی کا پہلے سے پلان بنا کر اس کے محتاف پہلوؤں کو مربوط کریں، دولت اور اقتدار کو حد افراد اور چھوٹی جماعتوں کے ہاتھوں میں جمع ہوجائے سے روکیں، جماعت دشمن اعراض کو بڑھے سے روکیں اور معدنی دھیروں، آمدورفت کے وسائل اور زمیں، صحت اور قومی سرگرمیوں کے دوسرے شعبوں پر جماعت کا اختیار رکھیں، تا کہ آزاد ہندوستان امداد باہمی پر مبنی ریاست ہوجائے۔

» بین اقوامی دنیا میں کانگریس چاہتی ہے کہ آزاد قوموں کا ایک وفاق قائم ہو۔ جب تک کہ ایسے وفاق کی تشکیل نہ ہوجائے،

ہندوستان کو تمام قوموں ، اور خاص طور سے مشرق اور مغرب اور شمال میں اپنے پڑوسیوں سے دوستانہ تعلقات قائم کرنا چاہئے۔ مشرق بعید، جنوب مشرقی اور مغربی ایشیا سے ہندوستان کے ہزاروں برس تک تجارتی اور تہذیبی تعلقات رہے ہیں اور یہ لازمی بات ہے کہ آزادی حاصل ہونے کے ساتھ وہ ان تعلقات کی تحدید کرے اور انہیں بڑھائے تحفظ کی تدبیروں اور تجارت کے رجحانات کا بھی تقاضا ہے کہ ان علاقوں سے قریبی تعلق ہو۔ ہندوستان نے اپنی آزادی کی جدوجہد عدم تشدد کے اصول پر کی ہے۔ اس لئے اس کا ورں ہمیشہ اس عالم اور باہمی تعاون کا پابہ بھاری کرے کے لئے استعمال ہوگا۔ وہ تمام محکموں کی آزادی کا حمایتی بھی ہوگا، اس لئے اس عالم کی بنیاد اسی آزادی پر اور ہر جگہ سے امپریلیزم کے احراج پر رکھی جاسکتی ہے۔

» ۸ اگست ۱۹۴۲ء کو آل انڈیا کانگریس کمیٹی نے ایک

ریزولوشن منظور کر لیا تھا، جو اس کے بعد ہندوستان کی داستان کا مشہور ٹکڑا ہو گیا۔ کانگریس اسی ریزولوشن اور اس کے معرہ جنگ کے ساتھ مرکزی اور صوبہائی اسمبلیوں کے انتخاب کے موقع پر میدان میں آتی ہے۔

» مرکزی لیجسلیٹیو اسمبلی ایک جماعت ہے، جس کے پاس

کوئی اختیار اور اقتدار نہیں اور عملاً وہ ایک مشاورتی جماعت ہے، جس کے مشورے کا برابر مذاق اڑایا گیا ہے اور اس کو بظاہر انداز کیا گیا ہے۔ وہ پرانے زمانے کی یادگار ہے اور اس کا حلقہ انتخاب بہت محدود ہے۔ رائے دہندوں کے رجسٹر غلطیوں اور

فروگذاشتوں سے بھرے ہوئے ہیں اور ان کی تصحیح کرے اور چھوٹے ہوئے نام چڑھائے کے موقع نہیں دئے گئے ہمارے بہت سے ہم حیل جانوں میں ہیں اور بہت سے جو چھوڑ دئے گئے ہیں الکس وٹس کے لئے کھڑے ہوئے کے باقابل ٹوڑائے گئے ہیں۔ کئی حکموں پر اب بھی پبلک جلسے کرے میں رکاوٹیں ہیں لیکن ان تمام بدشوں اور دشواریوں کے باوجود کانگریس بے انتخاب میں شریک ہوئے گا فیصلہ کیا ہے، یہ بات کرے کے لئے کہ انتخابات چاہے حتیٰ محدود ہوں ان کا لارمی نتیجہ یہ ہوگا کہ آرادی کے معاملے میں رائے دیے والوں کی بہت بڑی تعداد متفق ہے اس لئے اس انتخاب میں جھوٹے موٹے مسائل اور افراد اور فرقہ واری معروں کا لحاظ نہیں کیا جائے گا۔ صرف ایک بات کا خیال کیا جائے گا اور وہ ہے ہمارے وطن کی آرادی اور خود مختاری، جس کی بدولت ہماری قوم کو دوسری ہر قسم کی آرادی حاصل ہوگی «اس لئے کانگریس سارے ملک کے رائے دہندوں سے جو مرکری اسمبلی کے لئے ووٹ دیں گے، اپیل کرتی ہے کہ انتخابات میں کانگریسی امیدواروں کی ہر طرح سے مدد کریں اور اس بارک موقع پر جس میں مستقل کے لئے ہر قسم کے امکانات ہیں کانگریس کا ساتھ دیں۔ ہندوستان کے لوگوں بے کئی مرتبہ آرادی حاصل کرے کا عہد کیا، اُس عہد کو ابھی پورا کرنا ہے اور وہ عربیر مقصد جس کی یہ علامت ہے، اور جس بے ہمیں اپنی طرف بلایا ہے اب بھی ہم کو بلارہا ہے لیکن وہ وقت آرہا ہے جب ہم اپنے عہد کو پورا کریں، انتخاب کے ذریعہ سے نہیں بلکہ

اس کام سے جو انتخاب کے بعد کیا جا رہا ہے۔ یہ الکش جو ہو رہا ہے، ایک معمولی سی آزمائش ہے۔ یہ ہمیں ان بہت بڑی باتوں کے لئے تیار کریگا جو آئے رالی ہیں۔ آئیے ہم سب، جو ہندوستان کو آزاد اور خود مختار کرے کی آرزو رکھتے ہیں اس آزمائش کا قوت اور اعتماد کے ساتھ سامنا کریں اور اس آزاد ہندوستان کی طرف، جس کے خواب ہم دیکھ رہے ہیں قدم ملا کر آگے بڑھیں «

جیسے کہ عام توقع تھی، کانگریس کو سکال، پنجاب اور سندھ کے سوا باقی تمام صوبوں میں قطعی اکثریت حاصل ہو گئی ان تین صوبوں میں معاملہ بہت الجھا ہوا تھا۔ سکال میں مسلم لیگ سب سے بڑی واحد پارٹی تھی اور اس نے تقریباً آدھی نشستوں پر قبضہ کر لیا تھا پنجاب میں یوینٹسٹ پارٹی اور لیگ کی تعداد تقریباً برابر تھی سندھ میں مسلم لیگ نے بہت سی نشستیں حاصل کیں مگر اکثریت حاصل نہ کر سکی ان تینوں صوبوں میں مسلمانوں کی اکثریت تھی اور مسلم لیگ نے مذہبی تعصب اور فرقہ واری حدبات پیدا کرے کے لئے پروپگنڈا کیا تھا، اس کی وجہ سے سیاسی مسئلوں پر اس طرح پردہ پڑ گیا کہ وہ مسلمان جو کانگریس یا اور کسی پارٹی کی طرف سے کھڑے ہوئے تھے بڑی مشکل سے لوگوں کو اپنی بات سے پر بھی آمادہ کر پاتے تھے۔ شمال مغربی سرحد کے صوبے میں جہاں مسلمانوں کی اکثریت تھی لیگ کی تمام کوششیں ناکامیاب ہوئیں اور کانگریس برسر اقتدار آگئی۔ اس موقع پر ہندوستان کی سیاسی صورت حال پر ایک نظر



اور ڈالنا مناسب ہوگا۔ جب دوسری عالمگیر جنگ شروع ہوئی تو کمیونسٹ بڑی مشکل میں پھنس گئے۔ اس لئے کہ ہٹلر اور اسٹالن نے ایک دوسرے کے خلاف جارحانہ اقدامات سے پرہیز کرے کا معاہدہ کر لیا تھا، ناتسی سویٹ معاہدے سے پہلے کمیونسٹ ہٹلر پر حملے کرے اور ناتسی فلسفہ حیات کی مدمت کرے میں بہت پیش پیش تھے۔ ہندوستانی کمیونسٹ دل میں سمجھتے تھے کہ اسٹالن کا اس طرح معاہدہ کر لیا، بڑی سحت غلطی تھی لیکن دوسرے ملکوں کے کمیونسٹوں کی طرح ان کی بھی ہمت نہیں تھی کہ ایسا کہہ سکیں۔ اسلئے انہوں نے کہا کہ یہ سمجھوتہ ایک جنگ کو، جسے وہ امپریلسٹ لڑائی کہتے تھے، محدود رکھے کی کوشش ہے۔ چونکہ وہ تقریباً بے بس ہو گئے تھے انہوں نے اپنی صفائی میں کہا کہ امپریلسٹ طاقتوں میں ہٹلر سب سے کم برا ہے۔ ایسی رائے دکھانے کی وجہ سے وہ انگریزوں کی مدد نہیں کر سکتے تھے اور واقعہ یہ ہے کہ انہوں نے اس خیال کی سحت سے تائید کی کہ ان دونوں گروہوں کے درمیان ہندوستان کو غیر جاہدار رہا چاہئے۔ لیکن جب ہٹلر نے روس پر حملہ کیا تو کمیونسٹوں نے پوری قلا ناری کھائی انہوں نے کہا کہ یہ جنگ عوام کی جنگ ہے۔ اور برطانیہ کی امداد کے لئے وہ سب ہی کچھ کرے لگے ہندوستان میں وہ کھلم کھلا جنگ کے پروپگنڈا میں شریک ہوئے اور برطانیہ کی جنگی سرگرمیوں میں پوری طرح مدد کرے لگے۔ مسٹر ایم این رائے نے حکومت سے کھلم کھلا رویہ لیا اور جنگ کی موافقت میں پروپگنڈا کرتے رہے

کمیونسٹوں کو حکمرانوں سے مختلف طریقوں سے امداد ملتی رہی، کمیونسٹ پارٹی کے خلاف امر قانونی ہوئے گا جو حکم تھا وہ واپس لے لیا گیا اور پارٹی کے لوگ حگ کا پروپگنڈا کرے میں سرک ہو گئے

دوسری طرف کانگریس نے ہندوستان چھوڑ دو کی تحریک شروع کی تھی کانگریسی بہت بڑی تعداد میں گرفتار ہو رہے تھے اور کمیونسٹ اب تک گرفتار رہے تھے یا چھپے ہوئے تھے اپنی پارٹی کے لئے غلابہ کام کر سکتے تھے۔ شملہ کانفرنس کے بعد بھی کانگریسی آزاد کر دئے گئے تو ان کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کیا کریں، اور وہ اس انتظار میں رہے کہ کانگریس کوئی فیصلہ کرے۔

اس دوران میں سرکاری محکموں میں بڑی تبدیلی ہو گئی تھی، حگ کے دوران میں بہت سے مختلف صوبوں اور طبقوں کے بوجوان حفاظتی فوجوں میں بھرتی ہوئے۔ کیونکہ حگ کی ضرورتوں نے ایسا داؤ ڈالا تھا کہ پرانا انگریزی طریقہ، کہ آبادی کے چند منتخب حصوں سے لوگ بھرتی کئے جائیں، چھوڑ دیا پڑا۔ وہ بوجواں جو اب فوجوں میں بھرتی ہوئے تھے برطانیہ کے اس قول کو کہ حگ کے بعد ہندوستان آزاد ہو جائے گا، صحیح اور سچا مانے تھے اس عقیدہ کی وجہ سے انہوں نے لڑائی کے زمانے میں بڑی حاشیائی سے کام لیا۔ اب جو لڑائی ختم ہو گئی تھی تو وہ سمجھتے تھے کہ ہندوستان آزاد ہو جائے گا فوج کے تیسوں حصے بحری فوج اور ہوائی میں قوم پرستی کی ایک نئی روح پیدا ہو گئی

تھی، دراصل ان میں اتنا حوش تھا کہ جب ان کی کسی کانگریسی لیڈر سے ملاقات ہوتی تو وہ اسے چھپا نہ سکتے۔ میں اس دوران میں حواں بھی گیا فوج کے نوحواں بغیر یہ سوچے ہوئے کہ ان کے یورپس افسروں پر کیا اثر ہوگا، میرا حبر مقدم کرے اور اور اپنی ہمدردی اور قدردانی ظاہر کرے کے آئے آئے جب میں کراچی گیا تو بیڑے کے چند افسر مجھ سے ملے آئے انہوں نے کانگریسی پالیسی کی تعریف کی اور کہا کہ اگر کانگریس بے حکم دیا تو وہ ہماری طرف آجائیں گے اگر کانگریس اور حکومت میں تصادم ہوا تو وہ حکومت کا نہیں کانگریس کا ساتھ دیں گے ہمنی میں بھی سیکڑوں بحری افسروں سے یہی خیالات ظاہر کئے یہ خیالات صرف افسروں میں نہیں بلکہ معمول سپاہیوں میں بھی بہت پھیلائے ہوئے تھے۔ میں صوبے کی وراراب کی تشکیل کے سلسلے میں ہوائی جہاز سے لاہور گیا۔ ایک گورکھارحمٹ کی حو لاہور میں مقیم تھی، ہوائی اڈے کے پاس چھاؤنی تھی۔ جب سپاہیوں سے سا کہ میں آرہا ہوں تو ان میں سے سیکڑوں صف بستہ کھڑے ہو گئے اور کہا کہ میرا درشن چاہتے ہیں۔ پولس واوں میں بھی ایسا ہی حذہ تھا۔ ہمدوستان کی سیاسی حدوحد کی ناریح میں پولس والے حکومت کے سب سے وفادار حامی تھے۔ انہیں سیاسی کارکوں سے بہت کم ہمدردی بھی اور وہ اکثر ان کے ساتھ سختی سے پیش آتے تھے۔ لیکن اب ان کے خیالات بھی بدل گئے تھے اور وہ کانگریس کی وفاداری میں کسی اور گروپ کے پیچھے نہیں تھے۔

ایک مرتبہ حب میں کلکتہ میں لال نارار سے گذر رہا تھا، میری کار گاڑیوں کے ہجوم میں پھنس گئی۔ بعض پولیس کاسٹلوں نے مجھے پہچانا اور اپنے بارکوں میں حو قریب تھے۔ حو پہنچا دی چند مٹوں میں کاسٹلوں اور ہیڈ کاسٹلوں کے مجمع نے میری کار کو گھیر لیا۔ انہوں نے مجھے سلام کیا اور بعض نے میرے پاؤں چھوئے۔ سب نے کانگریس سے اپنا تعلق ظاہر کیا اور کہا کہ وہ ہمارے حکم پر چلیں گے۔ ایک اور واقعہ بھی مجھے اچھی طرح سے یاد ہے۔ بنگال کے گورنر نے مجھ سے ملنے کی خواہش ظاہر کی۔ چپ میں گورنمنٹ ہاؤس کے اندر چلا گیا تو حو کاسٹل ڈیوٹی پر تھے انہوں نے میری کار گھیر لی اور حب میں باہر نکلا تو وہ ایک ایک کر کے میرے پاس آئے اور مجھے سلام کیا اور سب نے مجھے یقین دلایا کہ وہ میری فریاداری کریں گے۔ چونکہ میں گورنر کے بلانے پر گورنمنٹ ہاؤس گیا تھا اس لئے مجھے یہ مناسب نہیں معلوم ہوا کہ اس موقع پر نعرے لگانے جائیں، لیکن کاسٹل کس طرح سے چپ ہیں رکھے جاسکے اور وہ میرے اعرار میں نعرے لگائے لگے۔ یہ اس کا صاف ثبوت تھا کہ ان کی ہمدردی کانگریس کے ساتھ تھی اور ان کو اُسے ظاہر کرے میں کوئی تامل نہیں تھا۔ اگر حکومت انہیں کانگریس سے ہمدردی رکھنے کی بنا پر سزا دیتی تو وہ اس کے لئے بھی تیار تھے۔

ظاہر ہے ان واقعات کی حو حکام تک پہنچائی جاتی تھی۔ گورنمنٹ کو تفصیلی رپورٹیں ملتی تھیں اور وہ انہیں وزیر ہند کے پاس بھیج دیتی تھیں۔ انگریزوں نے محسوس کیا کہ ہندوستان کی تاریخ

میں پہلی دفعہ پوری قوم میں آرا دی کی خواہش ایک شعلے کی طرح بھڑک اٹھی ہے۔ سیاسی آرا دی اب صرف کانگریس کا نہیں بلکہ ہر طبقے کے لوگوں کا مقصد تھی اس سے زیادہ اہم یہ بات تھی کہ سول فوجی محکموں کے ہر طبقے کے لوگ بھی اس حد سے متاثر تھے اب آرا دی کی اس اُمگ میں کوئی بات چھپی ہوئی نہیں تھی حمایتی فوجوں کے سپاہی اور افسر، سب کھلم کھلا کہتے تھے کہ انہوں نے اپنا حق اس وعدہ کے بھروسہ پر پایا تھا کہ جنگ ختم ہونے کے بعد ہندوستان آزاد ہو جائے گا اب وہ مطالبہ کر رہے تھے کہ یہ وعدہ پورا کیا جائے۔

عام انتخابات کے بعد ہر صوبے میں نئی وزارت بنانے کا سوال پیدا ہوا اب میرے لئے ضروری ہو گیا کہ صوبوں کے دارالحکومت میں جاؤں اور وزارتیں بنانے کی کارروائی کی نگرانی کروں۔ میرے پاس وقت بہت کم تھا لیکن ہوائی سفر نے اس مشکل کو آسان کر دیا میں مدد پہنچانی جنگ کے زمانے میں تمام ہوائی آمد و رفت کو حکومت نے اپنے ہاتھ میں لے لیا تھا۔ اسی کے ذریعہ جنگ بھی ملتی تھی۔ لارڈ ویول نے ہدایتیں جاری کر دیں کہ میرے لئے ہر طرح کی آسانی مہیا کی جائے اور اس کی وجہ سے میں تمام صوبوں کے دارالحکومت میں جاسکا۔

جب میں وزارت بنانے کے لئے ہمارا آیا تو میں نے دیکھا کہ کانگریس کے اندر مختلف گروپوں کی رقابتوں نے معاملہ کو بہت پیچیدہ کر دیا تھا۔ ان رقابتوں کے علاوہ بھارت کانگریسی لیڈروں کے ذاتی جھگڑے تھے۔ ڈاکٹر شری کرشنر سہا اور ڈاکٹر

اوگرہ نرائن سہا کے درمیان بہت شدید اور پرانی رقابت تھی۔  
پھر ڈاکٹر سید محمود کا سوال تھا، جس کے قلعہ احمد نگر کے  
حیل حائے سے رہا ہونے کے بعد بعض کانگریسی مخالف ہو گئے تھے۔  
آخر میں یہ تیسوں وزارت میں شامل ہو گئے، اور مجھے بہت خوشی  
ہوئی کہ یہ ڈاکٹر راحدر پرشاد اور بہار کے دوسرے اہم کانگریسی  
لیڈروں کی تائید سے ہوا

میں بے یہ طے کر لیا تھا کہ وزارتیں سب کے معاملے میں  
ہمیں لیگ کے ساتھ فیاضی سے کام لیا جائے۔ جہاں کہیں بڑی  
امیدوار لیگ کے ٹکٹ پر اسمبلی کے لئے منتخب ہوئے تھے وہاں  
میں بے ان کو بلایا اور وزارت سب کے منصوبے میں اشتراک  
کی دعوت دی یہ میں بے ان صوبوں میں کیا جہاں کانگریس کو  
مکمل اکثریت حاصل تھی اور ان صوبوں میں بڑی جہاں وہ سب سے  
بڑی واحد پارٹی تھی مجھے معلوم تھا کہ کئی صوبوں اور خاص طور  
سے بہار، آسام اور پنجاب میں مسلم لیگی ممبر بہت خوشی سے  
شریک ہوتے۔ لیکن مسٹر جناح کی پالیسی تھی کہ انہیں کانگریس  
کے ساتھ اشتراک کرے سے روکا جائے۔

پنجاب میں صورت حال خاص طور سے پیچیدہ تھی۔ صوبے  
میں مسلمانوں کی اکثریت تھی لیکن اسمبلی میں کسی پارٹی کی  
اکثریت نہیں تھی مسلمان ممبر یونینسٹ پارٹی اور مسلم لیگ کے  
درمیان تقسیم ہو گئے تھے۔ میں نے دونوں گروہوں سے گفتگو  
کی لیکن مسٹر جناح کی ہدایت پر لیگی ممبروں نے میری دعوت  
قبول نہیں کی۔ پھر بھی میں اس پہج پر گفتگو کر سکا کہ یونینسٹ

پارٹی کو کانگریس کی مدد سے وزارت سبے کا موقع مل گیا۔ گورنر خود مسام لیگ کی طرف مائل تھا لیکن اس نے دیکھا کہ یونینسٹ پارٹی کے لیڈر، خضر حیات خاں کو وزارت سبے کی دعوت دیے کے سوا کوئی چارہ نہیں۔

پنجاب میں کانگریس پہلی دفعہ حکومت میں شریک ہوئی تھی اور یہ ایسی صورت حال تھی جسے اب تک ناممکنات میں سے سمجھا جاتا تھا۔ سارے ملک کے سیاسی حلقوں میں اس کا اعتراف کیا گیا کہ ان گفتگوں میں جس کا نتیجہ پنجاب کی نئی وزارت تھی، میں بے بڑی ہوشیاری اور تدبیر سے کام لیا۔ اور ایسے لوگوں سے، جو کسی پارٹی سے تعلق نہیں رکھتے تھے، میری بے تکلف تفریب کی۔ بیشل ہیرلڈ سے، جو یو پی کانگریس کا احبار ہے، میرے اس طریقے کو سراہا جس سے میں نے پنجاب کے پیچیدہ اور مشکل مسئلے کو حل کیا تھا اور یہاں تک کہا کہ جس موقع شاسی سے میں نے کام لیا تھا وہ کانگریسی لیڈروں کے تدبیر اور معاملہ فہمی کے ساتھ گفتگو کرے کی بہترین مثالوں میں سے ہے۔

مجھے ملک سے اس طرح داد ملے پر بہت حوشی ہوئی۔ لیکن اس کے ایک نتیجے سے، جس کا اثر حوش قسمتی سے وقتی تھا، مجھے خاصا روح ہوا جس سے میں نے کانگریس میں کام کرنا شروع کیا تھا خواہر لال کی اور میری بڑی اچھی دوستی رہی۔ ہم ہمیشہ ایک خیال کے رہے اور ایک بے دوسرے کو سہارا دیا۔ ہمارے درمیان رقابت اور رشک کا سوال کمزور پیدا نہیں ہوا اور میں سمجھتا تھا کہ کبھی پیدا بھی نہ ہوگا۔ دراصل



ان کے خاندان سے میرے دوستانہ تعلقات پڈت موتی لال نہرو کے زمانے سے تھے۔ شروع میں، میں خواہر لال کو اپنے بھائی کا لڑکا سمجھتا تھا اور وہ مجھے اپنے والد کا دوست سمجھتے تھے۔ خواہر لال کی طبیعت میں محنت اور فیاضی ہے اور وہ رشک کے جذبہ سے نا آشنا ہیں۔ ایک ان کے عریروں اور دوستوں میں بعض لوگ تھے جس کو ہمارے دوستانہ تعلقات پسند نہیں تھے اور جو چاہتے تھے کہ ہمارے درمیاں غلط فہمیاں اور رشک و رقابت پیدا کرادیں۔ خواہر لال کی کمزوری ہے کہ وہ ہر معاملے کو اصولی نقطہ نظر سے دیکھتے ہیں اور ان لوگوں سے اس سے فائدہ اٹھا کر ان کو میرے خلاف کردیا۔ انہوں نے ان کو سمجھایا کہ کانگریس کا یوینٹسٹ پارٹی سے اتحاد اصولاً غلط ہے۔ کانگریس کو یوینٹسٹ پارٹی سے نہیں ملکہ مسلم لیگ سے اتحاد کرنا چاہیے تھا اس لئے کہ مسلم لیگ عوامی پارٹی ہے۔ یہ بحث کا ایک ادارہ تھا جسے کمیونسٹوں نے کھلم کھلا اختیار کیا تھا۔ خواہر لال پر کسی حد تک ان لوگوں کے خیالات کا اثر تھا اور ممکن ہے انہوں نے یہ سوچا ہو کہ یوینٹسٹ پارٹی سے اتحاد کرکے میں انقلاب پسندی کے اصولوں کو قربان کر رہا ہوں۔

جو لوگ خواہر لال کے اور میرے درمیاں اختلافات پیدا کرنا چاہتے تھے وہ ان سے کہتے رہے کہ جس طرح میرے گے گائے حاتے ہیں اس سے دوسرے کانگریسی لیڈروں کے حیثیت میں فرق آتا ہے۔ وہ ان کی شرافت سے واقف تھے، اس لئے انہوں نے اس سلسلے میں دوسروں کا زیادہ اور خواہر لال کا کم ذکر کیا۔

لیکن انہوں نے کہا کہ اگر خود ان کا احوال اس طرح میری مدح سرائی کرتا رہا تو اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ کانگریس میں میرا کوئی ہمسر نہیں رہ جائے گا، اور یہ کانگریس کے اندر مساوات قائم رکھنے کے لئے مفید نہ ہوگا۔

میں یہ نہیں سمجھتا کہ خواہر لال پر شخصیات کا کچھ اثر ہوا، مگر یہ ہوسکا ہے کہ اصولی معاملوں میں فتحہ انگیر استدلال اپنا کام کر گیا ہو۔ ہر حال، ہمنی کی کانگریس ورکنگ کمیٹی کے حاسہ میں میں نے دیکھا کہ وہ ہر مسئلے میں میرے طرر عمل پر اعتراض کر رہے ہیں، حو کہ اس وقت سے حب کہ ہم نے کانگریس میں ساتھ کام شروع کیا تھا، اب تک کہی نہیں ہوا تھا۔ خواہر لال نے یہ ثابت کرنا چاہا کہ میں نے پنجاب میں حو پالیسی اختیار کی رہ صحیح ہیں ہے۔ انہوں نے یہاں تک کہا کہ میں نے کانگریس کا اعسار کم کر دیا ہے اس پر محوے تعجب بھی ہوا اور تکلیف بھی میں نے پنجاب میں کیا یہ تھا کہ کانگریس کو ورارب میں شامل کر دیا، اگرچہ گورنر کی کوشش تھی کہ مسلم لیگ کی ورارت نے میری حد و حد کی وحہ سے مسلم لیگ کو بے میں ڈال دی گئی تھی، اور اقلیت میں ہوئے کے باوجود پنجاب کی سیاست میں کانگریس فیصلہ کن طاقت بن گئی تھی۔ حضر حیات حان کانگریس کی حمایت کے بل پر چیف مسٹر ہوئے تھے اور طاہر ہے اس وحہ سے کانگریس کے اثر میں آگئے۔ خواہر لال کی رائے تھی کہ ایسی صورت میں حب اس کی اکثریت نہ ہو، کانگریس کا وزارت میں شریک ہونا صحیح نہیں

ہے۔ اس کی وجہ سے وہ سودا کرے پر محور ہوگی اور ممکن ہے وہ اپنے اصولوں سے منحرف ہو جائے۔ میں نے کہا کہ اس کا کوئی خطرہ نہیں ہے کہ کانگریس اپنے اصولوں کو چھوڑ دے گی، مگر ساتھ ہی صاف صاف کہہ دیا کہ اگر ورکنگ کمیٹی کو میرا لاہور کا فیصلہ منظور نہیں ہے تو وہ جو پالیسی چاہے اختیار کر سکتی ہے کانگریس بے وزارت میں شریک رہے کی کوئی ذمہ داری نہیں لی ہے اور جب چاہے اسے چھوڑ سکتی ہے

گاندھی جی بے بہت شدت کے ساتھ میری تائید کی انہوں نے کہا کہ اگرچہ پنجاب میں کانگریس کی اقلیت تھی، مگر اس نے وزارت کے بایں اور اس کا کام چلائے میں فیصلہ کن حیثیت حاصل کر لی ہے، اور کانگریس کے نقطہ نظر سے مسئلے کا کوئی اور بہتر حل نہیں ہو سکتا تھا، اس لئے وہ میرے فیصلے میں کسی قسم کی تبدیلی کرے کے خلاف تھے جب گاندھی جی نے اس طرح ایک قطعی بات کہہ دی تو کانگریس کمیٹی کے دوسرے نمبر میرے ساتھ ہو گئے اور خواہر لال کو سب کی رائے مافی پڑی

ممکن ہے خواہر لال نے محسوس کیا ہو کہ بات بہت بڑھ گئی اور شاید اس سے مجھے دکھ ہوا ہو۔ میں حسب معمول بھولا بھائی دیسائی کے یہاں ٹھہرا تھا۔ خواہر لال دوسرے صبح تڑکے میرے پاس آئے اور بہت محبت اور خلوص سے مجھے اطمینان دلایا کہ تنقید کرے میں ان کا ہرگز یہ مشا بہہ تھا کہ میری قیادت پوری طرح قابل اعتماد نہیں رہی ہے۔ انہوں نے اس کا بے تکلف اعتراف

کیا کہ وہ معاملے کو ٹھیک سمجھ رہے تھے اور انہوں نے خواہش ظاہر کی کہ ہم دونوں اس واقعے کو بھول جائیں۔ مجھے ان سے اسی کی توقع تھی ان کی طبیعت ایسی ہے کہ اگر ان پر کسی خیال کا اثر ہوتا ہے تو وہ بغیر کسی محفوظ دہی کے اسے بیان کر دیتے ہیں، اور اگر بعد میں انہیں معلوم ہوتا ہے کہ وہ غلطی پر تھے تو وہ بے تکلف اس کا اعتراف بھی کر لیتے ہیں۔ میں ان کی صاف گوئی پر بہت حوش ہوا۔ ہم دونوں میں بڑی اچھی دوستی رہی ہے اور مجھے اس کا بہت بڑا دکھ ہوا تھا کہ ہمارے درمیان غلط فہمی ہو گئی۔

میں اوپر بیان کر چکا ہوں کہ ہندوستانی بیڑے کے کچھ افسر کراچی میں مجھ سے ملے تھے معاملہ اور شکایات کے انہوں نے سلی امتیاز کا بھی ذکر کیا تھا، اور کہا تھا کہ اب تک اس امتیاز کے خلاف انہوں نے جو اجتماعی درخواستیں دی تھیں اور احتجاج کیا تھا اس کا کوئی اثر نہیں ہوا ہے ان کی اطمینانی بڑھی رہی اور دہلی میں، میں نے ایک بارگی یہ خبر پڑھی کہ انہوں نے عملی احتجاج شروع کر دیا ہے اور حکومت کو مطلع کیا ہے کہ اگر ایک مقرر تاریخ تک ان کے مطالبے پورے نہ کئے گئے تو وہ سب ایک ساتھ استعفاء دیدیں گے یہ تاریخ گذر گئی ہے اور انہوں نے اپنے وصال کے مطابق بمبئی میں ایک عام جلسہ کیا ہے، اس جلسہ کو سب کر سارے ملک میں بحلی کی لہر سی دوڑ گئی اور قوم کی بہت بڑی اکثریت ان کے ساتھ ہو گئی۔ حکومت بھی اس سے بہت پریشان ہو گئی،

اس بے حماطت کی خاطر برطانوی فوج تعینات کر دی اور ہندوستانی بیڑے کے تمام جہازوں پر انگریز افسر اور ملاح مقرر کر دئے۔

میرے ذہن میں یہ بات صاف تھی کہ یہ عوامی تحریک یا عملی احتجاج کے لئے مناسب موقع نہیں ہے۔ ہم کو دیکھنا تھا کہ کیا ہوتا ہے اور برطانوی حکومت سے گفتگو بھی کرنا تھا اس لئے میرے نزدیک ہندوستانی بیڑے کے افسروں کی یہ چال غلط تھی۔ اگر سلی امتیاز کی وجہ سے انہیں تکلیف پہنچتی تھی تو یہی تکلیف فوج اور ہوائی بیڑے کے لوگوں کو بھی تھی۔ ان کا احتجاج کرنا تو حق نہایت تھا، لیکن اس طرح کا عملی احتجاج مجھے مصلحت کے خلاف معلوم ہوتا تھا۔

مسر آصف علی بے بیڑے کے افسروں کے معاملے کو اپنا لیا اور ان کی بہت حوشیلی حمایتی بن گئیں۔ وہ میری تائید حاصل کرے کے لئے دہلی آئیں، میں نے ان سے کہا کہ بیڑے کے افسروں بے مصلحت اندیشی سے کام نہیں لیا ہے اور انہیں بغیر کسی شرط کے اپنی جگہوں پر واپس جانا چاہیے۔ بمبئی کانگریس کمیٹی بے مشورے کے لئے مجھے ٹیلیفون کیا اور میں بے اس کو بھی تار کے ذریعے یہی جواب دیا۔ سردار ولہہ بھائی پٹیل اس وقت بمبئی میں تھے، انہوں نے بھی مجھ سے مشورہ کیا۔ میں بے اس سے کہا کہ بیڑے کے افسروں بے غلط قدم اٹھایا ہے اور انہیں اپنے کام پر واپس جانا چاہیے۔ سردار پٹیل بے پوچھا کہ اگر حکومت ان لوگوں کو کام پر واپس آئے کا موقع نہ دے تو انہیں

کیا کرنا چاہیے ، میں بے کہا کہ حالات کو دیکھتے ہوئے میرا اندازہ ہے کہ حکومت انہیں واپس آجائے کی اجازت دیدے گی۔ اگر حکومت کوئی دشواریاں پیدا کرے تو پھر ہمیں مناسب کارروائی کرنا چاہیے۔

مجھے اگلے روز وزارت ہمارے کے سلسلے میں پیشاور حانا تھا لیکن میں بے اپنا سفر ملتوی کرکے کمانڈر چیف سے ملاقات کی درخواست کی لارڈاؤکس لک بے مجھے دوسرے روز صبح دس بجے پارلیمنٹ ہاؤس میں بلایا۔ میں بے دو معاملے ان کے سامنے عور کرے کے لئے پیش کئے۔

۱۔ کانگریس بے بیڑے کے افسروں کے فعل کو ناپسند کیا ہے اور انہیں بغیر کسی شرط کے کام پر واپس آجائے کا مشورہ دیا ہے۔ مگر کانگریس چاہتی ہے انہیں سرائیں نہ دی جائیں اگر حکومت بے کیہ پروری کا طریقہ اختیار کیا تو کانگریس ان لوگوں کے معاملے کو اپنا مسئلہ بنا کر ان کی طرف سے پیروی کرے گی۔  
۲۔ سلی امتیاز کی اور دوسری شکایتیں جو بیڑے کے افسروں کو ہیں ان کی تحقیق کرکے انہیں دور کر دیا چاہیے۔

لارڈاؤکس لک بے بہت دوستانہ انداز سے گھگو کی ، بلکہ ان کا حلوص میری توقع سے بہت زیادہ تھا۔ انہوں نے کہا کہ بیڑے کے افسر بغیر کسی شرط کے کام پر واپس آگئے تو انہیں کوئی سرا نہیں دی جائے گی جہاں تک سلی امتیاز کا تعلق ہے وہ پوری کوشش کریں گے کہ اسے بالکل دور کر دیا جائے۔ ان کے جواب سے مجھے اطمینان ہو گیا اور میں بے ایک بیان شایع

کیا جس میں بیڑے کے افسروں کو کام پر واپس جانے کو کہا گیا تھا اور انہیں یقین دلایا گیا تھا کہ انہیں کسی قسم کی سزا نہیں دی جائے گی۔

موجودہ حالات کے پس منظر میں بیڑے کے افسروں کی دعاوت خاص اہمیت رکھتی تھی۔ سہ ۱۸۵۷ء کے بعد یہ پہلا موقع تھا جب کہ دعاوتی فوج کے ایک حصہ نے سیاسی اختلاف کی بنا پر انگریزوں کے خلاف کھلی دعاوت کی تھی۔ یہ دعاوت ایک تنہا مثال نہیں تھی، کیونکہ اس سے پہلے سہاش بوس کی سرکردگی میں ہندوستانی فوج کے قیدیوں نے انڈین نیشنل آرمی (ہندوستان کی قومی فوج) قائم کی تھی اس فوج نے سہ ۱۹۴۴ء میں ہندوستان پر حملہ کیا اور ایک موقع پر امپول پر تقریباً قصہ کر لیا تھا۔ جاپان کے ہتھیار ڈال دیے کے بعد انگریزوں نے برہما پر دوبارہ قصہ کیا اور قومی فوج کے بہت سے افسر گرفتار ہو گئے۔ انہیں قومی فوج میں شامل ہونے پر ہدایت نہیں دی گئی اور کئی عداوت کے الزام میں عدالت کے سامنے پیش کئے گئے تھے ان باتوں سے انگریزوں کو یقین ہو گیا کہ جب تک ہندوستان سے سیاسی مسئلے کا اطمینان بحال نہ ہو سچا گیا وہ فوج کی وفاداری پر اعتبار نہ کر سکیں گے۔

میں نے قومی فوج کے افسروں کی گرفتاری کی خبر اس وقت سنی جب میں شملہ کالج کے بعد گلبرگ گیا ہوا تھا۔ پجائب ہائی کورٹ کے ایک جج پر تازہ سگھ صاحب ایک دن بہت پریشانی کی حالت میں میرے پاس آئے اور کہا کہ چند



ہندوستانی افسر جو سہاش چندر بوس کے ماتحت انگریزوں سے لڑے تھے گرفتار ہو گئے ہیں۔ میرا خیال ہے کہ ان کا ایک عریز بھی انہیں میں تھا۔ اس لئے انہیں ان بوحواہوں کے احاطہ کی بہت فکر تھی، ان کی اپنی دہشت سرکاری ملازم کی روایتی دہشت تھی، اور اس وجہ سے وہ سمجھتے تھے کہ اگر کانگریس بے کسی صورت سے اس معاملے میں مداخلت کی تو اس سے ان قیدیوں کو نقصان ہوگا۔ انہوں نے تحویر کیا کہ کانگریس قومی فوج کے مسئلے سے کوئی تعلق نہ رکھے اور اس طرح مقدمہ سیاست سے پاک رکھا جائے۔ میں نے ان سے کہا کہ آپ کی رائے بالکل غلط ہے۔ اگر کانگریس بے اس معاملہ میں دلچسپی نہ لی تو حکومت قومی فوج کے افسروں کو سرا دے گی اور بعض کو سرائے موت بھی ملے گی ان افسروں میں سے بعض ہندوستان کے بہترین بوحواہ ہیں اور ان کا قید رہنا یا موت کی سرا پانا بہت بھاری قومی نقصان ہوگا۔ میں نے اسی وقت فیصلہ کیا کہ قومی فوج کے افسروں کی طرف سے مقدمہ کی پیروی کانگریس کرے گی اور اسی مضمون کا ایک بیان فوراً پریس میں دے دیا۔

میری رائے کے مطابق برطانوی حکومت کو ان لوگوں کے طرز عمل پر شکایت کرے گا کوئی موقع نہیں تھا۔ ہندوستانی فوج کا ایک حصہ برہما اور سنگاپور بھیجا گیا تھا، اور جب جاپانیوں نے ان علاقوں پر قبضہ کیا تو یہ فوج اپنے حال پر چھوڑ دی گئی، بلکہ ایک برطانوی افسر نے اس فوج کو جاپانیوں کے حوالے کیا۔ اگر ہندوستانی مسکین بے رہتے نب بھی حگ کے

قیدیوں کی حیثیت سے جاپان کی جنگی سرگرمیوں کے سلسلے میں ان سے سڑکیں سوائی جاتیں اور کارخانوں میں مختلف کام کرائے جاتے وہ جاپانیوں کے ہاتھ میں کھلوے ہوتے اور ممکن تھا کہ انہیں ہندوستان کو فتح کرے میں جاپان کا آلہ کار بنایا جاتا۔ انہوں نے دوسرا رویہ اختیار کیا اور خود ہندوستان کی آزادی کے لئے لڑنے کا فیصلہ کیا۔ جب تک کہ وہ جاپان کے قیدی تھے، برطانوی حکومت ان کی کوئی مدد نہیں کر سکتی تھی اگر وہ مجبور ہو کر جاپانیوں کے طرف دار ہوجاتے تو بھی یہ عمل حق بحال ثابت کیا جاسکتا تھا۔ انہوں نے جو کیا وہ اس سے بہتر تھا۔ حالات کو دیکھتے ہوئے مصلحت اسی میں تھی کہ وہ ہندوستان کو آزاد کرے کی فوج بنائیں جو جاپانی فوج سے اپنے نظام کو الگ رکھے، کیونکہ اس طرح انہوں نے اس کا انتظام کر لیا کہ اگر انگریز ملک سے نکال دئے گئے تو اس پر قبضہ جاپانیوں کا نہیں بلکہ ہندوستان کی قومی فوج کا ہوگا۔ میرے نزدیک قومی فوج کے لوگوں پر مقدمہ چلانے کی کوئی معقول وجہ نہیں تھی۔

کانگریس کی رائے یہ تھی کہ اگر حکومت کا مشا ہو کہ قومی فوج کے افسروں پر مقدمہ چلائے تو یہ مقدمہ کھلی عدالت میں ہونا چاہیے اور کانگریس کو ملرموں کی طرف سے پیروی کرنے کا انتظام کرنا چاہیے۔ میں نے اس کے بارے میں لارڈ ویول کو لکھا اور اصرار کیا کہ وہ کانگریس کی رائے کو مان لیں۔ لارڈ ویول راضی ہوئے اور حکم دے دیا کہ لال قلعہ میں افسروں کو کھلی عدالت کے سامنے پیش کیا جائے۔ مقدمہ کسی مہینے

تک چلا اور اس کی وجہ سے ہلک میں بہت حوش پیدا ہوا .  
آخر کار عدالت کے فیصلے کے مطابق یا وائسرائے کے معاف  
کردیے کی بنا پر تمام افسر رہا کر دئے گئے .

لیکن تھوڑے سے ایسے بھی تھے جو قید رہے یا جس کے  
بارے میں عدالت سے حکم صادر نہیں کیا . اس سے ہلک میں  
بہت ناگواری پھیلی اور ملک کے مختلف حصوں میں مظاہرے کئے  
گئے . حب میں وزارت ہمارے کے سلسلے میں لاہور گیا تو  
طالب علموں نے ایک بہت بڑا حاوس نکالا اور شہر سے ہوتے  
ہوئے اس مکان تک آئے جہاں میں ٹھہرا ہوا تھا میں نے طالب علموں  
سے سخت العاط میں گفتگو کی اور کہا کہ کانگریس نے جو  
رویہ اختیار کیا ہے اسے دیکھتے ہوئے مظاہرے کرنا بالکل بے محل  
ہے . ہم نے طے کیا ہے کہ قیدیوں کی طرف سے مقدمہ لڑینگے  
اور انہیں رہا کرائیں گے ، اور حب تمام قانونی اور دستوری دریے  
استعمال کئے جارہے ہوں اس وقت بے قاعدہ مظاہرے مقصد کے  
لئے معید ہوئے کے بحائے الثائقہاں پہنچاتے ہیں . اس کے علاوہ  
ہندوستان کا پورا سیاسی مستقل زیر بحث ہے ، برطانیہ میں لیبر  
پارٹی نے مکمل اکثریت حاصل کی ہے اور وہاں ایک نئی  
وزارت بنی ہے جس نے ہندوستان کے مسئلے کا حل تلاش کرے  
کا وعدہ کیا ہے . اسے ضروری کارروائی کرے کا موقع دیا  
چاہئے . اس لئے کانگریس نے فیصلہ کیا ہے کہ فی الحال کوئی  
تحریک نہ شروع کی جائے ، اور مناسب ہوگا کہ لوگ انتظار  
کریں اور دیکھیں کہ انہیں کانگریس سے کیا ہدایتیں ملتی ہیں .

میں بے کہا ہے کہ ہندوستان کے مختلف حصوں میں مظاہرے ہوئے کلکتہ میں مظاہروں کے سلسلے میں مار پیٹ ہوئی، دہلی میں لوگوں بے سرکار عمارتوں اور دوسری ملکیتوں کو آگ لگادیے اور صانع کرے کی کوشش کی۔ جب میں دہلی واپس آئے کے بعد لارڈ ویول سے ملا تو انہوں نے ان حادثوں کا ذکر کیا اور کہا کہ ان واقعات سے کانگریس کے اس قول کی تصدیق ہیں ہوتی کہ ہندوستان کا سیاسی مسئلہ پر امن و رضا میں طے ہوگا۔ میرے لئے اس شکایت کو حق بحاب مانے کے سوا اور کوئی چارہ نہ تھا میں بے دہلی کے تمام کانگریسی کارکنوں کو بلایا اور کہا کہ کانگریس کے سامنے بہت بڑا وقت ہے۔ تمام قومی تحریکوں میں ایک منزل آتی ہے جب لیڈروں کو طے کرنا ہوتا ہے کہ وہ عوام کی رہنمائی کریں گے یا خود ان کے پیچھے پیچھے چلیں گے ہندوستان میں ہم اس منزل پر پہنچ گئے ہیں اور اگر کانگریس کا خیال ہے کہ ہندوستان کا مسئلہ صرف پر امن طریقوں سے حل ہوسکتا ہے تو اُسے یہ پیغام عوام تک پہنچانا چاہیے اور اسی کے مطابق عمل کرنا چاہیے۔ میں بے اُن سے کہا کہ کم از کم میں اس کے لئے تیار نہیں ہوں کہ سب سے آسان طریقہ اختیار کروں اور عوام کو کچھ کریں اسے سرچھکا کر مان لوں۔ میری رائے میں دہلی میں جو کچھ کیا گیا ہے وہ غلط ہے۔ میں اس کی کوشش کروں گا کہ عام رائے کی رہنمائی کروں اور اس کو قابو میں رکھوں۔ میں عوام کی خواہش پوری کرے کے لئے تیار نہیں ہوں۔ اگر کانگریس کے کارکنوں کو میرا طریقہ پسند نہیں ہے

تو انہیں کوئی دوسرا رہنما تلاش کر لیا چاہئے۔

اس باب کو ختم کرنے سے پہلے میں چند واقعات پر تصرہ کرنا چاہتا ہوں جس کی وجہ سے بھولا بھائی ڈیسائی مرکزی اسمبلی کی نئی منتخب شدہ کانگریس پارٹی سے الگ کر دیے گئے۔ بہت سے لوگوں کو اس پر تعجب ہوا تھا کہ انہیں الگ کر دیا گیا لیکن معاملے کی پوری تفصیل کم ہی لوگوں کو معلوم تھی۔ مجھے اندیشہ ہے کہ اندرونی واقعات، لوگوں کے علم میں نہ آئیں گے اگر میں انہیں یہاں بیان نہ کر دوں۔

بھولا بھائی ڈیسائی ممبئی کے سب سے کامیاب وکیاؤں میں تھے اور وقت کے ساتھ ان کا ہندوستان کے ممتاز وکیلوں میں شمار ہونے لگا شروع میں وہ کانگریس کے سرگرم کارکنوں میں نہیں تھے لیکن جب سہ ۱۹۳۵ء کا قانون حکومت ہند منظور ہوا اور کانگریس نے انتخابات میں شریک ہونے کا فیصلہ کیا تو وہ مرکزی اسمبلی میں کانگریس کے ٹکٹ پر منتخب ہوئے وہ مرکزی اسمبلی میں کانگریس پارٹی کے لیڈر چسے گئے اور انہوں نے اپنے فرائض نمایاں کامیابی کے ساتھ انجام دیے۔ اپنی قابلیت اور حوش کی وجہ سے انہوں نے بہت جلد کانگریس کے اندرونی حلقوں میں مرتبہ حاصل کر لیا۔ وہ ورکنگ کمیٹی کے ممبر بنائے گئے اور اس کے سب سے ممتاز لیڈروں میں شمار ہونے لگے، مگر اس کی وجہ سے ان پر کانگریس کے پرانے ممبر رشک کرنے لگے کیونکہ وہ محسوس کرتے تھے کہ ایک نئے آدمی کو اتنی اہمیت نہیں دینا چاہئے۔

بھولا بھائی کی صحت اچھی نہیں رہتی تھی اس لئے میں بے ان کو اپنی سی ورکنگ کمیٹی میں شامل نہیں کیا۔ وہ سہ ۱۹۴۲ء میں قید میں ہوئے اور چوٹی کے ان چند لوگوں میں سے تھے جو حیل حابے کے باہر رہے۔ سہ ۱۹۴۴ء میں گاندھی جی کی رہائی کے بعد جو کچھ پیش آیا وہ میں بیاں کر چکا ہوں انہوں نے پہلے ہندوستان کی جنگ کی سرگرمیوں میں شرکت کی محالمت کی تھی لیکن رہائی کے بعد انہوں نے ہندوستان کی آزادی کے بدلے میں ہندوستان کا تعاون پیش کیا تھا۔ ان کی کوششیں کامیاب نہیں ہو سکیں اور سیاسی دیا میں سکوب کی کیفیت طاری رہی دہلی میں بعض لوگوں نے سوچا کہ یہ کیفیت بدلی جاسکے گی اگر کانگریس اور مسلم لیگ کے درمیان گفتگو ہوئے کے۔ بحائے مرکزی اسمبلی میں کانگریس پارٹی اور لیگ پارٹی کے درمیان سمجھوتے کی کوشش کی جائے۔ یہ ظاہر تھا کہ ایسا سمجھوتا کسی خاص مقصد کے لئے اور وقتی ہوگا لیکن اگر جنگ کے دوراں میں بھی اس کے مطابق عمل ہو سکا تو اس کی وجہ سے کانگریس اور لیگ کے درمیان جنگ کے بعد معاہدہ کی کوئی مستقل شکل پیدا کرنا زیادہ آسان ہو جائیگا۔

مسلم لیگ پارٹی کے ڈپٹی لیڈر لیاقت علی اور بھولا بھائی دیسائی کے دوستوں نے اس پر گفتگو چھیڑی۔ لیاقت علی پر راضی ہو گئے کہ مقدمہ واضح کرے کے لئے مات چیت ہو اور ان کے اور بھولا بھائی کے درمیان ملاقات ہوئی

بھولا بھائی کو تحویر سے دلچسپی تھی، مگر انہوں نے یہ مات

صاف کر دی کہ وہ کانگریس کی منظوری کے بغیر کوئی قدم نہ اٹھا سکیں گے انہوں نے اس پر اصرار کیا کہ معاہدہ صرف اسمبلی میں دونوں پارٹیوں کے نمائندوں کے درمیان نہ ہو بلکہ خود پارٹیوں کے درمیان ہو مگر کانگریس کے تمام لیڈر جیل میں تھے اور ان سے مشورہ کرے کا امکان نہ تھا پھر انہوں نے تحویر کیا کہ گاندھی جی کے پاس حائیں اور ان سے مشورہ کریں

بھولا بھائی گاندھی جی سے ملے اور لیاقت علی اور دوسرے دوستوں سے جو گفتگو ہوئی تھی اس کا خلاصہ بیان کیا گاندھی جی کے لئے دوشنبہ کا دن خاموشی کا دن ہوا کرتا تھا، اور چونکہ بھولا بھائی ان سے دو تیسہ کو ملے تھے، گاندھی جی نے اپنا جواب گجراتی میں لکھ کر دیا جواب کا مشا یہ تھا کہ بھولا بھائی کو گفتگو کا سلسلہ جاری رکھا جائے اور تفصیلات معلوم کرے کے بعد پھر رپورٹ دیا جائے

گاندھی جی کی اس احارت سے تقویت حاصل کرے کے بعد بھولا بھائی نے گفت و شنید جاری رکھی اور آخر کو اس بات پر دونوں فریق متفق ہو گئے کہ ایکریکیوٹیو کاؤنسل کی تشکیل کی جائے اور اس میں کانگریس پارٹی اور لیگ پارٹی کے نمائندے ہوں، گفتگو کرے والوں کی خواہش تھی کہ کانگریس پارٹی کے لیڈر کی حیثیت سے بھولا بھائی ایکریکیوٹیو کاؤنسل میں شامل ہوں، ایک اگر یہ نہ ہو سکے تو اس پارٹی کے ڈپٹی لیڈر عبدالقیوم خان کاؤنسل کے رکن ہوں۔ بھولا بھائی نے گاندھی جی کو رپورٹ دیتے



وقت یہ سب بتا دیا، مگر بعد میں مختلف وجوہ کی بنا پر گفتگو بند کر دی گئی اور یہ معاملہ یہیں رہ گیا۔

جب ہم سب سہ ۱۹۶۵ء میں حیل سے نکلے تو یہ واقعات سسے میں آئے اور کانگریسیوں میں بڑی محسوس ہوئیں افسوس کا مقام ہے کہ ان محسوس میں یہ بات بالکل نظر انداز کر دی گئی کہ بھولا بھائی بے حو کچھ گیا تھا گاندھی جی کے علم میں لا کر اور ان کی احارت سے کیا تھا سردار پٹیل بے اس معاملے میں خاص دلچسپی لی، اور کسی طرح سے اوگوں کے داؤں میں یہ خیال پیدا ہو گیا کہ بھولا بھائی بے کانگریس کے بیٹھ پیچھے لیاقت علی سے سمجھوتا کر کے ایکریکیوٹیو کاؤنسل میں آئے کی کوشش کی تھی۔ میں نا چکا ہوں کہ بھولا بھائی بے جس تری کے ساتھ کانگریس میں ترقی کی تھی اس پر بہت سے کانگریسی رشک کرتے تھے، اور اب وہ اس وجہ سے آپے سے باہر ہو گئے کہ ان کے خیال میں بھولا بھائی نے پارٹی کے ساتھ پوری وفاداری نہیں برتی۔ بھولا بھائی کے مخالف ان کی ذاتی زندگی سے متعلق الزامات لگا کر گاندھی جی کو ان کے خلاف کرے میں کامیاب ہوئے۔ ان الزامات میں بیشتر جھوٹے تھے، لیکن ان کا کئی مہینے تک مسلسل چرچا کیا گیا اور اس سے بھولا بھائی کی شہرت کو ناقابل تلافی نقصان پہنچا

بعض ایسے لوگ تھے جو گاندھی جی کے قریبی ساتھیوں کے کانوں میں باتیں ڈال کر گاندھی جی کو متاثر کرنے کی کوشش میں لگے رہتے تھے۔ اور انہیں طرح طرح کی خبریں اس امید میں

سایا کرتے تھے کہ یہ گاندھی جی تک پہنچ جائیں گی۔ گاندھی جی میں اس کا مادہ تھا کہ اشارے کرائے میں کہی ہوئی یا طعن آمیز باتوں کو بطور انداز کر دیں، مگر جب ان کے خاص لوگ کسی بات کو بار بار دہراتے رہتے تو ان پر اثر بھی ہو جایا کرتا تھا۔ مجھے ایک موقع یاد ہے کہ جب انہیں اس طرح پٹت موتی لال بہرو کی طرف سے بدطرح کر دیا گیا تھا۔ خواہر لال کے خلاف بھی ایسی ہی ایک مہم شروع کی گئی تھی لیکن دوہوں مرتبہ گاندھی جی کو اصل واقعات معلوم ہوئے تو وہ انصاف پسندی اور عیروحاب داری کے ساتھ معاملے پر غور کرسکے۔ بد قسمتی سے بھولا بھائی کے ساتھ ایسا نہیں ہوا، اور گاندھی جی کا دل ان سے ہٹ گیا۔ میں نا چکا ہوں کہ جب بھولا بھائی گاندھی جی سے مسلم لیگ سے گفتگو کرے کی اجازت لینے گئے تھے، تو گاندھی جی کا خاموشی کا دن تھا، جس کی وجہ سے گاندھی جی بے جواب لکھ کر دیا، بھولا بھائی بے اس پرچی کو محفوظ رکھا تھا اور اسے سردار پٹیل اور دوسرے لوگوں کو دکھا کر سمجھایا کہ انہوں نے گفتگو معاملے کو گاندھی جی کے علم میں لا کر اور ان کی اجازت سے کی تھی، اس لئے ان پر کوئی الزام نہیں آتا۔

دراصل بھولا بھائی کی اس دلیل کا کوئی جواب نہیں تھا، مگر افسوس ہے کہ انہوں نے اپنی صفائی میں جو کچھ کہا اس کی کسی بے پرواہی نہیں کی اور یہ بات پھیلتی رہی کہ انہوں نے لیگ کے ساتھ سازش کی تھی۔ اوگ اس قدر ان کے خلاف ہو گئے کہ سہ ۴۶-۱۹۴۵ء کے حاروں میں جب عام انتخابات ہوئے تو انہیں

کانگریس کی طرف سے امیدوار نہیں پایا گیا۔  
اس سے بھولا بھائی کو بہت صدمہ ہوا اور ان کی صحت بگڑ گئی۔ دل کے دورے ان کو پہلے بھی ہوتے تھے، اب یہ حادثہ حاد ہوئے لگے۔ وہ سمجھتے تھے کہ انہوں نے کانگریس کی وفاداری کے ساتھ خدمت کی ہے اس کی خاطر تکلیفیں برداشت کی ہیں، مگر اس کا صلہ ابھی یہ ملا کہ کانگریس برادری سے خارج کر دیئے گئے اور بدنام ہوئے۔ میں اسی زمانے میں بمبئی گیا اور حسب معمول بھولا بھائی دیسائی کے ساتھ ٹھہرا۔ وہ بستر پر لیٹے ہوئے اور حب میں ہے ان سے پوچھا کہ ان کا مزاج کیسا ہے تو وہ اس قدر متاثر ہوئے کہ ان کے آنسو بہے لگے انہیں سب سے زیادہ رنج اس کا تھا کہ اصل واقعات سے واقف ہوتے ہوئے بھی گاندھی جی نے انہیں ان کے معترضوں سے نہیں بچایا۔ میں نے انہیں تسلی دی ہے کہ کرسٹن کی لیکس اس سے کوئی فائدہ نہیں ہوا۔ میں نے گاندھی جی سے یہ کیفیت بیان کی ایک اس وقت تک وہ بھولا بھائی کے خلاف اتنی باتیں سن چکے تھے کہ ان کا دل ان کی طرف سے بالکل بھر گیا تھا۔ اس کے تھوڑے دن بعد بھولا بھائی کا حرکت قلب بند ہوئے کی وجہ سے انتقال ہو گیا۔ مجھے جب یہ واقعہ یاد آتا ہے تو بہت رنجیدہ ہوجاتا ہوں اس لئے کہ بھولا بھائی نے کانگریس کی قابل قدر خدمت انجام دی تھی اور بغیر کسی معقول وجہ کے انہیں قصوروار ٹھہرایا گیا۔

## برطانوی کابینہ مشن

میں بے فروری ۱۹۴۶ء میں ہندوستان کی سیاسی صورت حال کا جائزہ لیا تو مجھے یقین ہو گیا کہ ملک کی کایا پلٹ ہو گئی ہے اور ایک بالکل نیا ہندوستان وجود میں آ گیا ہے اور تمام ہندوستانی، خواہ سرکاری ملازم ہوں یا عام شہری، آزادی کے ایک نئے جذبے سے لرز رہے ہیں۔ برطانیہ کا رویہ بھی کچھ بدل گیا تھا۔ مجھے شروع ہی سے توقع تھی کہ لبر حکومت ہندوستان کے معاملے کا صحیح راوئے سے مطالعہ کرے گی، اور ایسا ہی ہوا بھی اختیار حاصل ہونے کے جلد بعد اس نے ایک پارلیمنٹری ڈیلیگیشن ہندوستان بھیجا۔ یہ ڈیلیگیشن ۴۶-۱۹۴۵ء کی سرحدوں میں ہندوستان آیا۔ اس کے ارکان سے گفتگو کر کے مجھے اطمینان ہو گیا کہ انہوں نے ملک کے بدلے ہوئے مزاج کا اندازہ کر لیا ہے۔ انہیں یقین ہو گیا ہے کہ ہندوستان کی آزادی کو اب عرصے تک ٹالا نہیں جاسکتا اور انہوں نے حکومت کو حورپورٹ دی ہوگی، اس سے یقیناً لبر کیسٹ کے اس ارادے کو تقویت پہنچی ہوگی کہ جلد سے جلد دوستانہ سمجھوتہ کر لے۔

۱۷ فروری ۱۹۴۶ء کو رات کے ساڑھے نو بجے میں ریڈیو

سن رہا تھا، جب مجھے برطانیہ کے نئے فیصلے کی خبر ملی، لارڈ

پیتھک لارنس بے پارلیمنٹ میں اعلان کیا تھا کہ برطانوی حکومت، ہندوستان کو ایک کیسٹ مشن بھیجے گی، جو ہندوستان کے نمایندوں سے ملک کی آزادی کے سوال پر گفت و شنید کرے گا۔ یہی بات اس پروگرام میں بیاں کی گئی، جس کا حاکم وائسرائے کی اسی دن کی تقریر میں پیش کیا گیا۔ معام ہوا کہ یہ مشن، لارڈ پیتھک لارنس وزیر ہند، تجارتی بورڈ کے پریزیڈنٹ سر اسٹیفنڈ کرپس اور محکمہ بحر کے پوائے لارڈ، اے وی الگرنڈر پر مشتمل ہوگا، کوئی آدھے گھنٹے کے اندر ایسوسی ایٹڈ پریس کا ایک نمائندہ آیا اور اس بے محہ سے پوچھا کہ میرے اوپر اس خبر کا کیا اثر ہوا؟ میں بے اس سے کہا کہ مجھے حوشی ہے کہ لبر حکومت بے ایک فیصلہ کن قدم اٹھایا ہے، مجھے اس کی بھی مسرت ہے کہ سر اسٹیفنڈ کرپس بھی مشن کے ایک رکن ہوں گے۔ وہ ہم سے گفتگو کر چکے ہیں، اس لئے ایک پرانے دوست کی طرح ہیں۔

میں بے یہ بھی کہا کہ میرے نزدیک یہ بات بالکل واضح ہے کہ نئی حکومت، ہندوستان کے مسئلے سے حی نہیں چرا رہی ہے، بلکہ حرات کے ساتھ دشواریوں کا مقابلہ کر رہی ہے۔ یہ بہت اہم تبدیلی ہے۔

۱۵ مارچ ۱۹۴۶ء کو مسٹر ایٹلی بے دارالعلوم میں ہندوستان کی صورت حال کے معلق ایک بیاں دیا۔ اس بیاں کی، ہندوستانی، برطانوی تعلقات کی تاریخ میں کوئی بطیر نہیں ہے۔ انہوں بے صاف تسلیم کر لیا کہ حالات بالکل بدل گئے ہیں اور

ان پر ایک نئے نقطہ نظر سے غور کرنا ضروری ہو گیا ہے۔ ان کے اس اعلان سے ہندوستان پر بہت اچھا اثر ڈالا کہ اگر پرانے طریقوں پر قائم رہے کی کوشش کی گئی، تو اس سے مسئلہ حل نہ ہوگا، بلکہ تعطل پیدا ہو جائے گا۔

چند ہفتے ہو مسٹر ایٹلی نے اپنی تقریر میں یہاں کئے تھے خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ انہوں نے یہ بات تسلیم کی کہ دونوں فریق بے غلطیاں کی ہیں اور ساتھ ہی کہا کہ پچھلی باتوں کو دہرائے کے بجائے، ہمیں مستقل پر نگاہ رکھی چاہیے۔ انہوں نے یہ سمجھایا کہ پچھلے برسوں کو نئی صورت حال پر مطلق کرے میں کوئی فائدہ نہیں ہوگا، کیونکہ جو مراحتی کیفیت سے ۱۹۴۶ء میں ہے، وہ سے ۱۹۲۰ء، سے ۱۹۳۰ء، یہاں تک کہ سے ۱۹۴۲ء میں بھی نہیں تھی انہوں نے اس سلسلے میں کہا کہ وہ نہیں چاہتے کہ ہندوستانیوں میں جو اختلافات ہیں ان کی اہمیت کو نمایاں کریں، کیونکہ اختلافات اور آپس کی پھوٹ کے باوجود تمام ہندوستانی آزادی کی خواہش میں متحد ہیں یہی تمام ہندوستانیوں کا بنیادی مطالبہ ہے، چاہے وہ ہندو ہوں یا مسلمان، سکھ یا مرہٹے، سیاست داں یا سول سروس کے لوگ، مسٹر ایٹلی نے صاف طور پر اس کا اعتراف کیا کہ قومیت کا تصور تدریج ترقی کرتا رہا ہے اور اب یہ ان فوجیوں میں بھی سرایت کر چکا ہے، جنہوں نے دوران جنگ میں شاندار خدمات انجام دی ہیں۔ انہوں نے یہ بھی کہا کہ اگر ہندوستان میں کچھ سماجی اور معاشی دقتیں ہیں، تو ان کو خود ہندوستان کے لوگ ہی دور کر سکیں گے۔ انہوں نے

اپنی تقریر کو اس اعلان پر ختم کیا کہ کیسٹ مشن کا مزاج کچھ کر کے دکھائے کی طرف مائل ہے اور وہ کامیابی حاصل کرے کا ارادہ کر کے جارہا ہے۔

کیسٹ مشن ۲۳ مارچ کو ہندوستان پہنچا سر اسٹیفورڈ کرپس اس سے پہلے جب ہندوستان آئے تھے تو بنگال کے ممتاز کانگریسی لیڈر مسٹر جے۔ سی۔ گپتا بے میراں کے فرائض انجام دے رہے تھے۔ انہوں نے مجھ سے کہا کہ وہ کرپس سے ماہے کے لئے دہلی جارہے ہیں۔ میں نے سر اسٹیفورڈ کے نام ان کو ایک خط دیا، جس میں ان کے دوبارہ ہندوستان آئے پر ان کا حیر مقدم کیا تھا ۲ اپریل ۱۹۴۶ء کو میں دہلی پہنچا میرا خیال تھا کہ اس وقت سب سے اہم مسئلہ، جس پر غور کرنا چاہیے، ہندوستان اور برطانیہ کا سیاسی اختلاف نہیں ہے، بلکہ ہندوستان کا فرقہ وارانہ مسئلہ ہے شملہ کانفرنس نے مجھے یقین دلا دیا تھا کہ سیاسی سوال معاہدہ کی ایک منزل تک پہنچ چکا ہے، مگر فرقہ وارانہ اختلافات اب بھی حوں کے توں باقی ہیں۔ اس بات سے کوئی انکار نہیں کر سکتا کہ مسلمان ایک جماعت کی حیثیت سے اپنے مستقل کے بارے میں بہت ہی فکر مند تھے۔ یہ صحیح ہے کہ بعض صوبوں میں ان کی اکثریت مسلم تھی، اس لئے ان کو صوبہ جاتی معاملات میں کسی قسم کا اندیشہ نہیں تھا، مگر مجموعی حیثیت سے وہ ہندوستان میں اقلیت میں تھے۔ اس لئے وہ اس خوف سے پریشان رہتے تھے کہ آزاد ہندوستان میں ان کی حیثیت اور ان کا مرتبہ محفوظ نہیں رہے گا۔



میں اس مسئلے پر مسلسل غور کرتا رہا اور اس کی وجہ سے بہت فکر مند بھی تھا۔ تمام دنیا کا رجحان حکومت کے اختیار کی عدم مرکزیت کی طرف ہے۔ ہندوستان جیسے بڑے ملک میں، جہاں آبادی کے اندر زبان، روایات اور جغرافیائی حالات کا اس قدر اختلاف ہے، وحدانی طور کی حکومت میں طور پر ناموروں ہوگی وفاقی حکومت، جس میں اختیارات بٹے ہوں، اقلیتوں کے اندیشوں کو دور کرے میں بھی مددگار ثابت ہوسکتی ہے۔ بالآخر میں اس نتیجے پر پہنچا کہ ہندوستان کے حالات کو دیکھتے ہوئے یہاں کا دستور وفاقی ہونا چاہیے۔ پیر اس کو اس طرح وضع کرنا چاہیے کہ صوبوں کو زیادہ سے زیادہ امور میں خود مختاری حاصل ہو۔ ہمیں صوبائی خود مختاری اور قومی وحدت میں ہم آہنگی اور ربط پیدا کرنا تھا اور یہ اسی طرح ممکن تھا کہ مرکزی اور صوبائی حکومتوں کے درمیان، اختیارات اور مصوبوں کی تقسیم کا کوئی اطمینان بخش اصول دریافت کرایا جائے کچھ اختیارات اور مصوبہ بنیادی طور پر مرکز سے متعلق ہوں گے اور کچھ صوبوں کے پاس کچھ ایسے ہوں گے جو نہ مرکز سے متعلق ہوں گے نہ صوبوں سے، بلکہ ان کو باہمی رضامندی سے مرکزی یا صوبے عمل میں لائیں گے۔ پہلا قدم یہ تھا کہ ایک ایسا فارمولا مرتب کیا جائے، جس کی رو سے یہ طے کر دیا جائے کہ کم سے کم کتنے معاملات ہیں، جو لازمی طور پر مرکزی حکومت کے ذمے ہوں گے۔ یہ ضرور یو این گورنمنٹ کے تحت ہوں۔ اس کے علاوہ ایسے معاملات کی بھی ایک فہرست ہونا چاہیے،

حمہیں صوبہاتی حکومتیں چاہیں تو مرکز کے سپرد کر سکیں۔ انہیں مرکزی حکومت کی اختیاری فہرست میں شامل سمجھا جاسکے اور اگر کوئی صوبہ چاہے تو اس فہرست کے تمام یا چند معاملات میں اپنے اختیارات مرکزی حکومت کو تفویض کر سکے۔

میرے نزدیک یہ بات صاف تھی کہ دفاع، رسل و رسائل اور امور خارجہ ایسے معاملے ہیں، جس کا حق اسی حالت میں ادا ہوسکتا ہے کہ وہ ہندوستان کے مرکزی معاملے سمجھے جائیں۔ ان کو صوبہاتی سطح پر لانے کا نتیجہ یہ ہوگا کہ وفاقی حکومت کا مقصد فوت ہوجائے گا اور اس کی بنیاد ہی باقی نہ رہے گی۔ ٹھیک اسی طرح کچھ امور ہیں صوبہاتی حکومت کی ذمہ داری میں ہونے چاہئیں، مگر اس کے علاوہ امور کی ایک تیسری فہرست بھی ہونی چاہیے، جس کے بارے میں صوبہاتی قانون ساز اسمبلیاں طے کریں کہ وہ انہیں اپنے ماتحت رکھیں گی یا مرکز کو سوپ دیں گی

حتیٰ میں ہے اس پر غور کیا، اتنی ہی یہ بات میرے دہس میں صاف ہوتی گئی کہ ہندوستان کا مسئلہ اسی طریقے سے حل ہوسکتا ہے اگر اس اصول کی بنیاد پر دستور بنایا گیا، تو اس کا یقین ہوگا کہ مسلم اکثریت کے صوبوں میں تین معاملوں کے سوا باقی تمام امور کا انتظام خود صوبہ کرے گا اس سے مسلمانوں کا یہ دہنی خوف کہ وہ ہندوؤں کے ماتحت ہوجائیں گے، دور ہوجائے گا۔ جس ایک مرتبہ یہ خوف دور ہوا، تو اس کا امکان ہوگا کہ صوبوں کو کچھ اور اختیارات مرکز کو سوپنے میں اپنا فائدہ نظر آئے۔

مجھے اس کا بھی یقین تھا کہ فرقہ وارانہ نقطہ نظر کے علاوہ ہندوستان جیسے ملک کے لئے یہ بہترین سیاسی حل ہے۔ ہندوستان بہت وسیع ملک ہے، جس کی آبادی متعدد اکائیوں پر مشتمل ہے، جو اپنے اندر یکساہیت رکھتی ہیں اور مختلف صوبوں میں آباد ہیں۔ قانونی مصلحت اور انتظامی سہولت کے لحاظ سے بھی صوبوں کو یقین دلانا ضروری تھا کہ انہیں زیادہ سے زیادہ خود مختاری حاصل ہوگی۔

یہ نقشہ میرے دہں میں بتدریج قائم ہوا تھا اور کیسٹ مش کے ہندوستان آئے تک بالکل صاف ہو گیا تھا، لیکن اب تک میں بے اپنے ساتھیوں میں سے کسی سے اس پر گفتگو نہیں کی تھی۔ میں بے سوچا کہ جب اس کا مناسب موقع آئے گا، تو اپنے نقطہ نظر کو صاف اور غیر مبہم الفاظ میں بیان کر دوں گا

میں کیسٹ مش کے محروں سے پہلی مرتبہ ۶ اپریل ۱۹۴۶ء کو ملا مش بے تسادہ خیال کے لئے پہلے سے کچھ سوالات تیار کر لئے تھے۔ پہلا سوال ہندوستان کے فرقہ وارانہ مسئلے سے متعلق تھا۔ جب مش بے مجھ سے سوال کیا کہ میں فرقہ وارانہ گتھی کو کس طرح ساچھا سکتا ہوں، تو میں نے وہی حل پیش کیا، جو میں بے پہلے سوچ لیا تھا۔ جوہی میں بے کہا کہ لارمی اختیارات کی فہرست جو کم سے کم ہوں گے، مرکز کے پاس ہوگی اور اس کے علاوہ احمیاری امور کی بھی فہرست ہوگی، تو لارڈ پیتھک لارس بے کہا دراصل آپ فرقہ وارانہ مسئلہ کا ایک یا حل پیش کر رہے ہیں۔

سر اسٹیورڈ کرپس بے خاص طور پر میری تحویز میں دلچسپی لی اور بڑی دیر تک مجھ سے حرج کرتے رہے۔ آخر میں معلوم ہوتا تھا کہ وہ میرے نقطہ نظر سے مطمئن ہیں۔

ورکنگ کمیٹی کا جلسہ ۱۲ اپریل کو منعقد ہوا، جس میں میں بے کینٹ مشن سے اپنی گفتگو کی رپورٹ پیش کی۔ میں بے فرقہ وارانہ مسئلہ کا جو حل پیش کیا تھا، اس کو میں بے کافی تفصیل سے بیاں کیا۔ یہ پہلا موقع تھا جب گاندھی جی اور دوسرے ساتھیوں کو میری اس اسکیم پر گفتگو کا موقع ملا۔ ورکنگ کمیٹی کو شروع میں اس حل کے بارے میں بہت سے شکوک تھے۔ جیساچہ ہمروں بے طرح طرح کی دقتیں اور شبہات بیان کئے۔ میں بے ان کے اعتراضات کے جواب دئے اور جو پہلو صاف نہیں تھے، ان کی وضاحت کی، بالآخر ورکنگ کمیٹی کو تحویر کے صحیح ہونے کا یقین ہو گیا اور گاندھی جی بے طاہر کر دیا کہ وہ اس حل سے پورے طور پر متفق ہیں۔

یہ واقعہ ہے کہ گاندھی جی بے یہ کہہ کر مجھے مبارکباد دی کہ میں بے ایک ایسے مسئلے کا حل ڈھونڈ نکالا، جس نے ہر ایک کو رچ کر دیا تھا۔ انہوں نے کہا کہ میرا حل سب سے کٹر مسلم لیگیوں کے خوف کو بھی دور کر دے گا۔ اسی کے ساتھ اس کی پشت پر فرقہ وارانہ رجحانات کے بجائے سچی قومیت کی روح ہے۔ گاندھی جی مصر تھے کہ ہندوستان جیسے ملک میں صرف وفاقی دستور ہی قابل عمل ہو سکتا ہے۔ اس نقطہ نظر سے بھی انہوں نے میرے حل کا خیر مقدم کیا اور کہا کہ اگرچہ اس میں

کوئی ابو کھا اصول پیش نہیں کیا گیا ہے، مگر اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ ہندوستان کے ماحول میں وفاقت کے اصول کے معنی کیا ہیں۔

سردار پٹیل بے محہ سے سوال کیا کہ کیا مرکزی حکومت کا دائرہ عمل صرف تین معاملوں تک محدود رہے گا؟ انہوں نے کہا کہ کچھ ایسے امور ہیں، جیسے کہ سکھ اور مالیات، جس کا اپنی نوعیت کے لحاظ سے مرکز میں ہونا ضروری ہے انہوں نے یہ خیال ظاہر کیا کہ تعارت اور صحت کو صرف کل ہند پیاد پر ترقی دی جاسکے گی اور یہی صورت تعارتی پالیسی کی ہو ہے۔  
مجھے ان اعتراضات کے جواب دیے کی ضرورت پیش نہیں آئی گا دھی حی بے خود ہی میرے نقطہ نظر کو اپنا لیا اور سردار کو جواب دیے لگے۔ انہوں نے کہا کہ یہ فرض کرے کی کوئی وجہ نہیں ہے کہ صوبہ حاتی حکومتیں کرسی اور محصول جیسے مسائل پر مرکز سے اختلاف کریں گی اس میں ان کا اپنا فائدہ ہوگا کہ ان معاملات میں کوئی متفقہ پالیسی اختیار کی جائے۔ اس لئے اس پر اصرار کرے کی ضرورت نہیں ہے کہ کرنسی یا مالیات کو مرکزی امور کی لارمی ہرست میں شامل کیا جائے۔  
مسلم لیگ نے پہلی مرتبہ اپنے لاہور کے رزولوشن میں، جو بعد میں پاکستان رزولوشن کے نام سے مشہور ہو گیا، ہندوستان کی تقسیم کا ذکر کیا تھا میں نے جو حل پیش کیا تھا، اس میں مسلم لیگ کے اندیشہ کو دور کرے کی کوشش کی گئی تھی۔ اب جب کہ میں نے اپنی اسکیم پر اپنے ساتھیوں اور کیسٹ

مشن کے عہدوں سے گفتگو کر لی تھی، تو میں بے سوچا کہ اس کو ملک کے سامنے پیش کرے گا وقت آگیا ہے۔ چنانچہ ۱۵ اپریل ۱۹۴۶ء کو میں نے مسلمانوں اور دوسری اقلیتوں کے مطالبے کے بارے میں ایک بیاں جاری کیا۔ ہندوستان کی تقسیم ایک حقیقت ہے اور اس کو دس سال ہو چکے ہیں۔ اب حو میں اپنے بیاں پر دوبارہ نگاہ ڈالتا ہوں، تو معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت میں نے حو کچھ کہا تھا۔ وہی ہوا چونکہ اس بیاں میں ہندوستانی مسئلے کے حل کے متعلق مری قطعی رائے ظاہر کی گئی ہے، اس لئے میں سمجھتا ہوں کہ یہاں پر مجھے اس بیاں کو درج کر دینا چاہیے یہ سب میں نے اس وقت کہا تھا اور اب بھی کہوں گا

»مسلم لیگ نے پاکستان کی حو اسکیم تحویر کی ہے، اس پر میں نے ہر پہلو سے عور کیا ہے۔ ایک ہندوستانی کی حیثیت سے میں نے سوچا ہے کہ پورے ہندوستان کے مستقل پر اس کا کیا اثر ہوگا، ایک مسلمان کی حیثیت سے میں نے دیکھا ہے کہ مسلمانوں کے مستقل پر کیا اثر پڑسکتا ہے۔

»اسکیم کے تمام پہلوؤں پر عور کرے کے بعد میں اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ یہ نہ صرف بحیثیت مجموعی پورے ہندوستان کے لئے بلکہ خاص طور پر مسلمانوں کے لئے نقصان دہ ہوگی، اور دراصل حتمی مسئلے اس کے ذریعے حل ہوں گے، ان سے زیادہ نئے مسائل اٹھ کھڑے ہوں گے۔

»مجھے اس کا اعتراف ہے کہ پاکستان کا نام ہی میری حلق سے

ہمیں اترتا، اس سے یہ خیال پیدا کیا جاتا ہے کہ دیا کے کچھ حصے پاک اور کچھ ناپاک ہیں پاک اور ناپاک علاقوں کی یہ تقسیم سراسر غیر اسلامی ہے، بلکہ اسلام سے انحراف ہے اسلام ایسی کسی تقسیم کو تسلیم نہیں کرتا آنحضرت صلعم فرماتے ہیں۔  
’ خدا نے پوری دیا کو میرے لئے مسجد بنایا ہے۔‘

» اس کے علاوہ معلوم ہوتا ہے کہ پاکستان کی اسکیم شکست کی علامت ہے اور اس کا خیال اسی طرح پیدا ہوا ہے، جیسے یہودیوں میں قومی وطن کا خیال۔ یہ اس بات کا اعتراف ہے کہ ہندوستان مسلمان، ہندوستان میں اپنی حیثیت قائم نہیں رکھ سکتے اور اس پر راضی ہیں کہ ایک کوبے میں، حوان کے لئے مخصوص کر دیا گیا ہو، سمٹ کر بیٹھ جائیں۔

» یہودیوں کی اس آرزو سے ہمدردی کی جا سکتی ہے کہ ان کا ایک قومی وطن ہو، کیونکہ وہ پوری دیا میں منتشر ہیں اور کسی ایک علاقے میں بھی وہ حکومت کے انتظامات پر اثر نہیں ڈال سکتے۔ ہندوستانی مسلمانوں کی حالت اس سے بالکل مختلف ہے۔ ان کی تعداد نو کروڑ سے اوپر ہے اور کمیت اور کیفیت کے لحاظ سے وہ ہندوستانی زندگی کا اتنا اہم عنصر ہیں۔ کہ حکومت کے انتظامات اور پالیسی پر فیصلہ کن حد تک اثر ڈال سکتے ہیں۔ اس کے علاوہ قدرت نے ان کو چند مخصوص علاقوں میں بڑی تعداد میں یکجا بھی کر دیا ہے اور اس طرح انہیں تقویت پہنچائی ہے۔

» ان حالات میں پاکستان کے مطالبے میں کوئی حان نہیں رہتی،



کم از کم میں ایک مسلمان کی حیثیت سے ایک لمحہ کے لئے بھی اپنے اس حق کو چھوڑے پر تیار نہیں ہوں کہ پورے ہندوستان کو میدان عمل سمجھوں اور اس کی سیاسی اور معاشی زندگی کی تشکیل میں شرکت کروں۔ میرے نزدیک بردلی کی بات ہے کہ میں اپنی آبائی حائداد سے دست بردار ہو جاؤں اور اس کے ایک ٹکڑے پر قناعت کروں۔

»جب کہ سب کو معلوم ہے کہ مسٹر حاح کی پاکستان کی اسکیم دو قومی طریقہ پر مبنی ہے ان کا دعویٰ یہ ہے کہ ہندوستان میں بہت سی قومیں آباد ہیں، جس کے درمیان مذہب، نسل، امتیاز ہے۔ ان میں جو دو بڑی قومیں ہیں یعنی ہندو اور مسلمان ان کی اس اعتبار سے کہ وہ دو الگ قومیں ہیں، دو الگ ریاستیں بنونی چاہئیں، ڈاکٹر ایڈورڈ ٹامس نے ایک مرتبہ مسٹر حاح سے کہا کہ ہندو اور مسلمان ہندوستان کے ہزاروں شہروں، قصبوں اور گاؤں میں مل جل کر رہتے ہیں۔ تو مسٹر حاح نے جواب دیا کہ اس کا ان کی جداگانہ قومیت پر کوئی اثر نہیں پڑا۔ مسٹر حاح کے طریقے کے مطابق چونکہ یہ دونوں قومیں ہر نسل، ہر گاؤں اور ہر شہر میں ایک دوسرے سے دو چار ہوتی رہتی ہیں، اسی وجہ سے وہ چاہتے ہیں کہ ان کو دو ریاستوں میں تقسیم کر دیا جائے۔

»میں اس کے لئے تیار ہوں کہ اس مسئلے کے باقی تمام پہلوؤں کو نظر انداز کر دیا جائے اور اس پر صرف مسلمانوں کے مفاد کے نقطہ نظر سے غور کیا جائے۔ میں اس سے بھی آگے جانے اور یہ کہے کے لئے تیار ہوں کہ اگر یہ ثابت کر دیا جائے

کہ پاکستان کی اسکیم سے مسلمانوں کو کسی طرح سے بھی فائدہ پہنچ سکتا ہے تو میں خود اس کو منظور کر لوں گا اور دوسروں کو اسے منظور کرے پر آمادہ کرے کہ لٹے کوشش کروں گا مگر حقیقت یہ ہے کہ اگر میں اس اسکیم کا خود مسلمانوں کے جماعتی معاد کے نقطہ نظر سے حائر ہوں، تو عموداً اس نتیجہ پر پہنچتا ہوں کہ اس سے ان کو ذرا بھی فائدہ نہیں ہو سکتا، اور ان کے حائر اندیشے دور نہیں ہو سکتے۔

»آئیے درا ٹھنڈے دل سے ان نتائج پر غور کریں، جو پاکستان میں حائر سے برآمد ہوں گے ہندوستان دو ریاستوں میں تقسیم ہو جائیگا، جن میں سے ایک میں مسلمانوں کی اکثریت ہو گی، اور دوسری میں ہندوؤں کی ہندوستان میں ساڑھے تین کروڑ مسلمان باقی رہ جائیں گے، جو پورے ملک میں چھوٹی چھوٹی اقلیتوں کی شکل میں بکھرے ہوئے ہوں گے وہ یوپی میں ۱۷ فیصدی، ہار میں ۱۲ فیصدی اور مدراس میں ۹ فیصدی ہوں گے، یعنی آج کل کے مقابلے میں وہ ہندو اکثریت کے صوبوں میں اور زیادہ کمزور ہوں گے۔ انہوں نے تقریباً ایک ہزار سال سے ان علاقوں کو اپنا وطن سمجھا ہے اور ان میں اسلامی تہذیب اور تمدن کے مشہور مرکز تعمیر کئے ہیں۔

»ان لوگوں کی ایک روز صبح کو آنکھ کھلے گی تو وہ دیکھیں گے کہ راتوں رات احی اور پردیسی بن گئے ہیں۔ وہ صنعتی، تعلیمی اور معاشی لحاظ سے پس ماندہ ہوں گے اور ایسی حکومت کے رحم و کرم پر ہوں گے جو

حاصل ہندو راج سے گئی ہوگی۔

»دوسری طرف خود ریاست پاکستان میں وہ غیر محفوظ اور کمزور ہوں گے۔ پاکستان کے اندر کہیں بھی ان کی اتنی بڑی اکثریت نہیں ہوگی، حتیٰ ہندوستان کی ریاست میں ہندوؤں کی۔« دراصل مسلمانوں کی اکثریت اتنی کم ہوگی کہ ان علاقوں کے غیر مسلموں سے جو تعلیمی اور سیاسی سہولت حاصل کر لی ہے، وہ اس کو بے اثر کر دے گی۔ اگر ایسا نہ ہوتا اور پاکستان میں مسلمانوں کی بھاری اکثریت ہوتی، تب بھی اس کی وجہ سے ہندوستان کے مسلمانوں کا مسئلہ تو حل نہ ہوتا۔

»اس بات سے کہ دو ملک ایک دوسرے کے مدمقابل ہوں، ان دونوں کی اقلیتوں کا مسئلہ حل نہیں ہو سکتا، اس سے صرف یہ ہو سکتا ہے کہ اقلیتوں کو پرغمال سمجھے کا طریقہ جاری ہو جائے اور سزا دیے اور بدلہ لیے کی کارروائیاں ہونے لگیں۔ اس وجہ سے پاکستان کی اسکیم مسلمانوں کی کسی دشواری کا علاج نہیں ہے۔ جہاں وہ اقلیت میں ہیں، وہاں وہ ان کے حقوق کا تحفظ نہیں کرتی اور پاکستان کے شہری ہوتے ہوئے انہیں ہندوستانی یا، بین الاقوامی امور میں وہ حیثیت حاصل نہیں ہو سکتی جو کہ انڈین یونین جیسی کسی بڑی ریاست کے شہری سے کر وہ کر سکتے ہیں۔«

بحث کی خاطر یہ کہا جاسکتا ہے کہ اگر پاکستان خود مسلمانوں کے مفاد کے لئے اس قدر مضر ہے، تو مسلمانوں کی اتنی بڑی تعداد اس کے فریب جس میں کیونکر مبتلا ہو گئی؟ اس کا جواب

ہمیں اتنا پسند فرقہ پرست ہندوؤں کے رویہ میں ملتا ہے۔ جب مسلم لیگ نے پاکستان کی گفتگو چھیڑی تو انہیں اس میں اتحاد اسلامی کی ایک ناپاک سارش نظر آئے لگی اور انہوں نے اس خوف میں اس کی مخالفت شروع کی کہ یہ ہندوستانی مسلمانوں اور مسلمانوں کی ریاستوں کے درمیان حتھا ہدی کا پیش حیمہ ہے۔

»اس مخالفت نے لیگ کے حامیوں کو اور اُکسایا انہوں نے ایک سیدھے سادے مگر نا معقول منطقی استدلال سے کام لے کر کہا کہ چونکہ ہندو اتنی شدت سے پاکستان کی مخالفت کرتے ہیں، اس لئے یقیناً اس میں مسلمانوں کا فائدہ ہوگا۔ اس طرح جذباتی بیجان کی ایسی فضا پیدا ہوگئی جس میں سوچ سمجھ کر اچھے برے کے درمیان تمیز کرنا ناممکن ہو گیا اور خاص طور پر مسلمانوں کا نوحوان اور اثر پریر طبقہ جذبات کی رو میں بہ گیا۔ مگر مجھے اس میں ذرا بھی شبہ نہیں کہ جب موجودہ حوی کیفیت دور ہو جائے گی اور اصل مسئلے پر ٹھنڈے دل سے غور کیا جاسکے گا، تو جو لوگ اس وقت پاکستان کی حمایت کر رہے ہیں، وہ خود ہی اس کو مسلم معاد کے لئے مصر ٹھرا کر اس سے منہ پھیر لیں گے

» میں نے کانگریس کو حوامولاً قبول کرے پر راضی کرایا ہے، اس میں وہ تمام حویاں حو پاکستان کی اسکیم میں ہیں، حاصل ہوجائیں گی اور اس میں حو خامیاں اور خرابیاں ہیں، ان سے بچا جاسکے گا۔ پاکستان کی سیاد مسلمانوں کی اکثریت کے تلاقوں میں مرکز کی مداخلت کا حوف ہے، کیونکہ مرکز میں ہندوؤں

کی اکثریت ہوگی۔ کانگریس اس خوف کو اس طرح دور کرتی ہے کہ صوبوں کو پوری خود مختاری دی جائے گی اور حو اختیارات مرکز کو بہ دئے جائیں گے، وہ بھی صوبوں کو حاصل ہوں گے۔ اس سے مرکزی معاملات کی دو فہرستیں رکھی ہیں، ایک لارمی اور دوسری اختیاری۔ اس طرح اگر کوئی صوبہ چاہے تو سوائے ان اختیارات کے حو مرکز کے سپرد کئے جائیں گے اور کم سے کم ہوں گے، وہ باقی تمام معاملات اپنے انتظام میں رکھ سکتا ہے۔ اس سے کانگریس کی اسکیم کے دریغے اس کا یقین ہوحاتا ہے کہ مسلم اکثریت کے صوبوں کو اندرونی معاملات میں آزادی ہوگی کہ جس طرح چاہیں اپنی ترقی کی تدبیریں کریں اور اسی کے ساتھ ان معاملوں میں جس کا تعلق پورے ہندوستان سے ہے، وہ مرکز پر اپنا اثر ڈال سکیں،

» ہندوستان کی صورت حال کچھ ایسی ہے کہ مرکزیت پر پر مبنی وحدانی حکومت قائم کرے کی ہر کوشش لارمی طور پر ناکام ہوگی، اسی طرح ہندوستان کو دو ریاستوں میں تقسیم کرے کی کوشش بھی ناکام ہوکر رہے گی، اس مسئلے کے تمام پہلوؤں پر غور کرے کے بعد بالآخر میں اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ مسائل کا حل صرف اس طریقے پر ممکن ہے، حو کانگریس کے فارمولا میں مصمر ہے، اور جس میں صوبوں اور پورے ہندوستان کے لئے ترقی کی گنجائش ہے۔ کانگریس کا فارمولا، مسلم اکثریت کے علاقوں کے اس خوف کو دور کرے کے لئے بالکل کافی اور مناسب ہے، جس کی وجہ سے پاکستان کی اسکیم سائی گئی

ہے۔ دوسری طرف اس میں پاکستان کی اسکیم کی حرایاں نہیں ہیں اور اس کی بدولت وہ مسلمان جو اقلیت کے صوبوں میں ہیں، حالص ہندو حکومت کے ماتحت نہ ہوحائیں گے۔

» میں ان لوگوں میں سے ہوں، جو فرقہ وارانہ دلچی اور اختلافات کی موحودہ کیفیت کو ہندوستانی زندگی کا ایک عارضی دور سمجھتے ہیں مجھے پورا یقین ہے کہ یہ اختلافات اس وقت دور ہوحائیں گے، جب ہندوستان پر اپنے مستقل کی تعمیر کی ذمہ داری آجائے گی۔ مجھے اس وقت گلیڈ سٹون کا ایک قول یاد آرہا ہے کہ جو شخص پانی سے ڈرتا ہو اس کا سب سے اچھا علاج یہ ہے کہ اسے پانی میں ڈال دیا جائے ٹھیک اسی طرح حدشوں اور شہوں کو رفع کرے کے لئے ہندوستان کو اپنے معاملات کا انتظام و انصرام اپنے ہاتھ میں لیا ہوگا۔

» حب ہندوستان اپنی قسمت کا مالک ہوحائے گا، تو وہ فرقہ وارانہ بدگمانی اور کشمکش کی موحودہ کیفیت کو بالکل دھول جائے گا اور دور حدید کی زندگی کے مسائل کو جدید نقطہ نظر سے حل کرے گا، بلا شہ اختلافات باقی رہیں گے، مگر وہ معاشی ہوں گے، فرقہ وارانہ نہ ہوں گے۔ سیاسی پارٹیوں کی ناہمی مخالفتیں جاری رہیں گی مگر ان کی بنیاد مذہب پر نہیں بلکہ معاشی اور سیاسی مسائل پر ہوگی، مستقل کی جماعت ہدی کی بنیاد طبقہ واری ہوگی، فرقہ واری نہ ہوگی اور اسی لحاظ سے پالیسی کی تشکیل بھی ہوگی، اگر یہ کہا جائے کہ یہ محض ایک عقیدہ ہے، جو ممکن ہے بعد کے واقعات سے برحق

ثابت نہ ہو، تو میں اس کے جواب میں کہوں گا کہ بہر حال ۹ کروڑ مسلمان ایک عصر ہیں، جسے نظر انداز نہیں کیا جاسکتا اور حالات چاہے جیسے بھی ہوں، ان میں اتنی طاقت ہے کہ اپنے مستقل کو خطرات سے محفوظ رکھ سکیں «

لاہور ررولوشن کے بعد، لیگ تقسیم پسندی کی راہ پر کچھ قدم اور آگے بڑھا چکی تھی، مگر اس سے یہ بات پوری طرح واضح نہیں کی تھی کہ دراصل اس کا مطالبہ کیا ہے۔ ررولوشن کے الفاظ مبہم تھے اور اس کی کئی تاویلیں کی جاسکتی تھیں، مگر اس کا مشا صاف تھا۔ مسلم لیگ کا مطالبہ تھا کہ مسلم اکثریت کے صوبوں کو مکمل خود مختاری دی جائے۔ سکندر حیات حان سے اس ررولوشن کی تائید کرتے ہوئے اس کی یہی تاویل کی تھی، مگر اب لیگ کے لیڈروں سے اپنے مطالبے کے معنی میں بہت زیادہ وسعت پیدا کر دی تھی وہ ملک کی تقسیم اور مسلم اکثریت کے علاقوں میں ایک آزاد ریاست کے قیام کی مبہم باتیں کر رہے تھے۔ کینیٹ مشن اس مطالبہ کو مانے کے لئے تیار نہیں تھا اس کے برعکس مشن ایک ایسے حل کے حق میں تھا، جو کم و بیش میری تجویز کے مطابق تھا۔

گفتگو کا سلسلہ تقریباً آخر اپریل تک جاری رہا۔ مشن کے ساتھ ہماری ملاقاتیں ہوئیں اور مشن کے ارکان آپس میں بھی گفتگو کرتے رہے۔ اسی دوران میں مشن بے کام میں وقفہ کیا اور کشمیر چلا گیا۔ اب گرمی شروع ہو گئی تھی اور دہلی کی گرمی روز بروز بڑھتی جا رہی تھی۔ میں چاہتا تھا کہ ذرا آرام



کرلوں اور اس خیال سے کہ کشمیر حاؤں گا، وہاں کچھ احباب کو لکھ بھی دیا تھا۔ حب محھے معلوم ہوا کہ مش کشمیر جارہا ہے، تو میں بے اپنا پروگرام بدل دیا۔ میں بے سوچا کہ کشمیر حابے کا مطلب یہ نکالا جاسکتا ہے کہ میں مش سے رابطہ رکھا اور اس کی رائے پر اتر ڈالنا چاہتا ہوں، اس لئے میں مسوری چلا گیا۔

میں بیاں کرچکا ہوں کہ کرپس مش کی ناکامی کے بعد شری راج گوپال اچاری بے یہ تحریک شروع کی تھی کہ کانگریس کو مسلم لیگ کے مطالبے مطور کرلیا جاپیے۔ وہ یہاں تک کہتے تھے کہ ملک کی تقسیم کو اصولی طور پر ماں لیا جاپیے۔ اس کا سبب یہ ہوا کہ وہ ورکنگ کمیٹی سے علیحدہ ہو گئے اور عام کانگریسی اں سے حفا ہو گئے۔ گاندھی جی بے بھی راجا جی کی کوششوں کو پسند نہیں کیا تھا۔ اس لئے وہ چاہتے تھے کہ راجا جی ہماری گفتگو کے دوراں میں کیسٹ مش سے نہ ماں۔ انہوں بے راجا جی سے کہ دیا کہ وہ مدراس ہی میں رہیں۔ راجا جی کو یہ بات بہت ناگوار ہوئی۔ مگر کچھ عرصے تک وہ خاموش رہے۔ وقعہ کے رماے میں حب میں مسوری گیا تو میرے پاس اں کا خط آیا۔ اس وقت محھے پہلی مرتبہ معام ہوا کہ گاندھی جی بے اں کو دہلی آے سے روک دیا تھا۔ میں بے محسوس کیا کہ گاندھی جی اب بھی نہیں چاہتے ہیں کہ راجا جی دہلی آئیں، اس لئے اں سے مشورہ کنے بغیر میں بے اپنی ذمہ داری پر راجا جی کو لکھا کہ اگر وہ چاہتے ہوں تو آجائیں۔ راجا جی بے میری بات کو

قطعی سمجھا اور آگئے۔ گاندھی جی کو ان کا آنا کچھ ناگوار ہوا، مگر میں نے ان سے کہا کہ راجا جی میرے خط لکھے پر آئے ہیں۔ میں نے گاندھی جی کو یہ بھی سمجھایا کہ راجا جی کو دہلی آئے سے اس طرح روکا مناسب نہیں تھا۔

میں ۲۴ اپریل کو دہلی واپس آیا اور وائسرائے کے ساتھ مل کر دستور کے متعلق جو گفتگو ہوئی تھی اس پر نظر ثانی کی۔ کئی مرتبہ بحثیں کرے کے بعد، سر اسٹیوڈ کرپس مجھ سے ان مسائل کے بارے میں تبادلہ خیال کرے آئے، جو اس دوراں میں پیدا ہوئے تھے۔ ۲۷ اپریل کو میں نے ایک یاں جاری کیا کہ بڑی پارٹیوں کے درمیان باہمی رضامندی سے معاہدہ کرے کے لئے گفتگو کرنا مناسب ہوگا، اس لئے میں نے کانگریس اور لیگ کے صدر کو دعوت دی کہ وہ اپنی اپنی پارٹیوں کی ورکنگ کمیٹی کے نمائندے شملہ میں مش سے مل کر گفتگو کرے کے لئے نامزد کر دیں۔ ورکنگ کمیٹی نے کیٹ مش سے گفتگو کرے کے لئے نمائندوں کو مقرر کرے کا اختیار مجھے دے دیا۔ چنانچہ میں نے خواجہ لال اور سردار پٹیل کو اپنے رفیق کار کی حیثیت سے کانگریس کی نمائندگی کے لئے نامزد کیا۔ حکومت نے شملہ میں ہمارے قیام کا انتظام کر دیا۔ گاندھی جی باضابطہ طور پر گفتگو کرے والوں میں شامل نہیں تھے، مگر میں نے ان کو شملہ آئے کی دعوت دی، تاکہ ضرورت کے وقت ان سے مشورہ کیا جاسکے۔ انہوں نے مش کی دعوت قبول کر لی اور آکر «میورِ ولا» میں ٹھہر گئے۔ ہم وہاں ورکنگ کمیٹی کے غیر رسمی جلسے کرتے

رہے۔ تاکہ گاندھی جی بھی ان میں شریک ہوسکیں۔  
۲ مئی کو شملہ میں گفتگو شروع ہوئی اور ۱۲ مئی تک جاری رہی۔ باصاطہ کانفرس کے علاوہ ہم بے بہت سی بے صاطہ طور پر بحثیں بھی کیں میرا قیام » ریٹریٹ « (Retreat) میں تھا اور مش کے عمر کئی موقعوں پر مجھ سے ملائے وہاں آئے۔ میں بھی ان سے ملنے کے لئے گیا۔ کبھی انفرادی طور پر کبھی اجتماعی طور پر، جیسا بھی مناسب معلوم ہوا ان ملاقاتوں میں آصف علی یا ہمایوں کبیر کبھی میرے ساتھ گئے۔

کوئی دو ہفتے کے بعد ہم دہلی واپس آئے، مش کے عہدوں بے آپس میں مرید گفتگو کرے کے بعد اپنی تحاویر مرتب کیں ان کا ۱۶ مئی کو مسٹر اٹلی بے دارالعوام میں اعلان کیا۔ پارلیمنٹ میں عام اطلاع کے لئے ایک تحریر بھی شائع کی گئی، جس میں یہ پلان درج تھا اور یہ بیان کیا گیا تھا کہ ہندوستان کا ایک بیا دستر حلد سے حلد تیار کرے کے لئے برطانوی کیسٹ اس انتظام کو سب سے زیادہ مناسب سمجھتی ہے۔ میں بے کیسٹ مش پلان کو صمیمہ میں درج کردیا ہے اور اگر کوئی شخص چاہے تو اس کا میری اسکیم سے مقابلہ کرسکتا ہے، جسے میں بے اپنے ۱۵ اپریل کے بیاں میں پیش کیا تھا

میں چاہتا تھا کہ ہم کیسٹ مش پلان پر گفتگو کا سلسلہ شملہ میں جاری رکھیں۔ میں بے لارڈ ویول سے کہا کہ ہمارا شملہ میں اپنی گفتگو کو مکمل کرلیا بہتر ہوگا، اس لئے کہ دہلی کا موسم ان اہم مسائل پر حو ریر بحث تھے ٹھنڈے دل سے اور

مگر و احتیاط کے ساتھ غور کرے کے لئے موزوں نہیں ہے۔  
لارڈ ویول نے کہا کہ حکومت کا مرکز دہلی میں ہے اور اگر وہ  
ریادہ عرصے تک باہر رہے تو کام میں ہرج ہوسکا ہے، اس  
پر میں نے یہ کہا کہ دہلی میں انہیں کوئی دقت نہیں ہوتی، اس لئے  
کہ وائسرائیل لاج ایرکڈیشڈ ہے اور انہیں اس کے باہر نکلے  
کی ضرورت پیش نہیں آتی، مگر کیسٹ مش کے محروں اور ہمارے  
لئے صورت کچھ اور ہے۔ دہلی کی کیفیت ایک بھٹی کی سی ہوگئی  
ہے اور ہمارے لئے اس میں کام جاری رکھنا بہت دشوار ہوگا۔  
لارڈ ویول نے جواب دیا کہ یہ صرف چند دنوں کی بات ہے۔

آخر میں ہوا یہ کہ ہم نے مٹی کے باقی دن اور پورا خون  
دہلی میں گدارا۔ اس سال گرمی غیر معمولی تھی، کیسٹ مش کے  
محروں پر اس کا اثر ہوا اور سب سے ریادہ لارڈ پینزک لارس  
پر، جو ایک روز گرمی کی شدت سے بے ہوش ہوگئے وائسرائے  
نے میرے لئے ایک ایرکڈیشڈ کمرے کا انتظام کر دیا تھا، جس  
سے مدد ضرور ملی، مگر موسم ایسا صبر آرماتا تھا کہ ہر شخص  
چاہتا تھا کہ گفتگو کا سلسلہ حلد سے حلد تکمیل کو پہنچ جائے،  
بد قسمتی سے کانگریس اور لیگ کے اختلافات آسانی سے طے  
ہوئے والے نہیں تھے اور ہماری گفتگو سے یہ ظاہر نہیں ہوا کہ  
ہم کسی نتیجے پر پہنچ سکیں گے

کیسٹ مش اور اس کے پلان کی درد سری کچھ کم نہ تھی،  
کشمیر کے واقعات نے ایک اور درد سر کا اضافہ کر دیا۔ بیشنل  
کانگریس شیخ عبداللہ کی قیادت میں، کشمیر کے عوام کے سیاسی

حقوق کی لڑائی لڑ رہی تھی۔ جب کینٹ مشن ہندوستان آیا، تو انہوں نے سوچا کہ اپنے مطالبوں کو موابے کے لئے اس موقع سے فائدہ اٹھائیں۔ انہوں نے »کشمیر چھوڑ دو« کا نعرہ بلند کیا اور اپنے معاملے کو کینٹ مشن کے سامنے پیش کیا۔ ان کا مطالبہ یہ تھا کہ کشمیر کا مہاراجہ، شخصی حکومت کو ختم کر کے عوام کی خود مختاری حکومت قائم کرے۔ مہاراجا کی حکومت نے اس کے جواب میں شیخ عبداللہ اور ان کے ساتھیوں کو گرفتار کر لیا۔ اس سے کچھ عرصہ پہلے بیشنل کانفرس کا ایک نمائندہ حکومت میں شامل کر لیا گیا تھا اور سمجھوتا ہو جانے کا امکان نظر آرہا تھا شیخ عبداللہ اور ان کے ساتھیوں کی گرفتاری سے اس امید پر پانی پور گیا۔

جواہر لال نے کشمیر میں جمہوری حکومت قائم کرے کی جدوجہد میں ہمیشہ دلچسپی لی تھی۔ جب یہ واقعات رونما ہوئے، تو انہوں نے سوچا کہ ان کو کشمیر جانا چاہئے۔ یہ بھی ضروری سمجھا گیا کہ بیشنل کانفرس کے لیڈروں کی طرف سے مقدمے کی پیروی کا کوئی انتظام ہو۔ میں نے آصف علی سے کہا کہ وہ اس کام کو سنبھال لیں۔ جواہر لال نے کہا کہ وہ بھی آصف علی کے ساتھ جائیں گے اور اس طرح دونوں روانہ ہو گئے۔ مہاراجا کی حکومت اس فیصلے پر رہیم ہوئی اور کشمیر میں ان لوگوں کے داخلے کی ممانعت کر دی۔ جب یہ لوگ راولپنڈی سے چل کر کشمیر کی سرحد کے قریب پہنچے تو اوری میں ان کو روک دیا گیا۔ انہوں نے امتناعی حکم کو مابے سے انکار کر دیا

اور کشمیر کی حکومت نے ان کو گرفتار کر لیا۔ ظاہر ہے اس نے ملک میں غیر معمولی بیچان پیدا کر دیا۔

یہ حالات میرے لئے کچھ حوشی کا باعث نہ تھے۔ جہاں مجھے ایک طرف کشمیر کی حکومت کی اس کارروائی پر غصہ آرہا تھا وہاں دوسری طرف میں یہ بھی سمجھتا تھا کہ یہ کشمیر کے متعلق ایک نیا جھگڑا کھڑا کرنے کا وقت نہیں ہے۔ میں بے وائسرائے سے اس بارے میں گفتگو کی اور کہا کہ حکومت ہند کو اس کا انتظام کر دینا چاہئے کہ میں ٹیلیفون پر حواہر لال سے بات کر سکوں۔ حواہر لال ایک ڈاک سگاہ میں نظر بند تھے اور مجھے ان سے فون پر گفتگو کرے میں کچھ دیر لگی۔ میں بے حواہر لال سے کہا کہ میری رائے ہے کہ ان کو جس قدر جلد ممکن ہو، دہلی واپس آجانا چاہئے۔ موحودہ حالات میں ان کا کشمیر میں داخل ہونے پر اصرار کرنا مناسب نہیں ہے۔ جہاں تک کشمیر کے سوال کا تعلق ہے، میں نے بحیثیت صدر کانگریس کے، ان کو یقین دلایا کہ میں اس معاملے کو اپنے ہاتھ میں لوں گا۔ میں شیخ عبداللہ اور ان کے ساتھیوں کو رہا کرے کے لئے بھی کارروائی شروع کر دوں گا، مگر حواہر لال کو فوراً واپس آنا چاہئے۔

پہلے حواہر لال نے عذر کیا، مگر کچھ بحث کے بعد اور میرے یقین دلائے پر کہ میں کشمیر کے معاملے کو خود اپنے ہاتھ میں لوں گا، وہ واپس آئے پر راضی ہو گئے۔ پھر میں نے لارڈ ویول سے درخواست کی کہ حواہر لال اور آصف علی کو واپس

لاہے کے لئے ہوائی جہاز کا انتظام کر دیں۔ حب میں بے یہ درخواست کی اس وقت شام کے سات بج گئے تھے، مگر ابوں بے اسی رات کو ایک ہوائی جہاز بھیج دیا، جو سری نگر تقریباً دس بجے پہنچ گیا اور خواہر لال اور آصف علی کو لیکر دو بجے رات کو واپس آگیا اس پورے معاملے میں لارڈ ویول کا طور عمل انتہائی دوستانہ تھا اور مجھے بہت پسند آیا۔

میں بیاں کر چکا ہوں کہ کیسٹ مشن بے ۱۶ مئی کو اپنی اسکیم شائع کی۔ سیادی طور پر یہ وہی تھی، جس کا خاکہ میرے ۱۵ اپریل کے بیاں میں تھا کیسٹ مشن پلان کے مطابق صرف تین محکمے لارمی طور پر مرکزی حکومت کے ماتحت رکھے گئے تھے۔ یہ تھے دفاع، امور خارجہ اور رسل و رسائل، جنہیں میں بے اپنی اسکیم میں تحویر کیا تھا مگر مشن بے اپنے پلان میں ایک نئی تحویر کا اضافہ کر دیا تھا اس بے ملک کو تین حصوں میں تقسیم کیا تھا اے، بی اور سی۔ اس لئے کہ مشن کے ممبروں کا خیال تھا کہ اس سے اقلیتوں کے دلوں میں زیادہ اطمینان اور اعتماد پیدا ہوگا۔ حصہ «بی» پنجاب، سندھ، صوبہ سرحد اور برطانوی بلوچستان پر مشتمل تھا۔ یہ مسلم اکثریت کا علاقہ تھا۔ «حصہ سی» جس میں سکال اور آسام شامل تھے، ایسا حصہ تھا، جس میں مسلمانوں کی دوسروں کے مقابلے میں تھوڑی اکثریت تھی۔ کیسٹ مشن کا خیال تھا کہ یہ انتظام مسلم اقلیت کو مکمل طور پر مطمئن کر دیگا اور لیگ کے تمام حائر حدشوں کو دور کر دے گا۔



مشن بے میرے اس خیال کو بھی تسلیم کر لیا تھا کہ بیشتر امور صوبوں کے اختیار میں ہوں گے۔ اس طرح مسلمانوں کو مسلم اکثریت کے صوبوں میں تقریباً پوری خود مختاری حاصل ہوتی، محض چند امور، بہ شرط اتفاق علاقائی نظام کے ماتحت رکھے جاتے۔ اس لحاظ سے بھی سکشن بی اور سی میں مسلمانوں کی اکثریت یقینی بھی اور انہیں اس کا موقع تھا کہ اپنی تمام حائر توقعات کو پورا کریں۔ جہاں تک مرکز کا سوال تھا، اس کے ماتحت صرف تین امور تھے، جو اپنی نوعیت کے اعتبار سے صوبوں کے انتظام میں نہیں دئے جاسکتے تھے۔ چونکہ کیٹ مشن پلان کی روح وہی تھی، حورمیری اسکیم کی اور صرف تین حصوں یا سکشنوں کے قیام کا اضافہ کیا گیا تھا، اس لئے میری رائے تھی کہ ہمیں اس اسکیم کو منظور کر لیا جائے۔

پہلے پہل مسٹر جناح اسکیم کے بالکل خلاف تھے مسلم لیگ ایک الگ اور آزاد ریاست کے مطالبے میں اس قدر شدت دکھا چکی تھی کہ اب اس کے لئے کم یر راضی ہونا مشکل تھا مشن بے بالکل واضح اور غیر مبہم الفاظ میں کہہ دیا تھا کہ وہ ملک کی تقسیم اور آزاد ریاست کے قیام کی کسی حالت میں بھی سفارش نہیں کرسکتا۔ لارڈ پیتھک لارنس اور سر اسٹیفورڈ کرپس بے بار بار کہا تھا کہ ان کی سمجھ میں نہیں آتا کہ ایک پاکستان جیسی ریاست، جو مسلم لیگ کے مد نظر ہے کیسے زندہ رہ سکتی ہے اور پائدار ہوسکتی ہے۔ ان کا خیال تھا کہ مسئلے کو حل کرے کا واحد طریقہ میرا فارمولا ہے، جس کے مطابق صوبوں کو

زیادہ سے زیادہ خود مختاری حاصل ہوگی اور مرکزی حکومت کے لئے صرف تین امور مخصوص ہوں گے۔ لارڈ پیتھک لارنس بے ایک مرتبہ ہیں، کئی بار کہا کہ اس فارمولا کو منظور کرلیے کے معنی یہ ہوں گے کہ شروع میں مسلم اکثریت کے صوبے صرف تین امور مرکزی حکومت کے حوالے کریں گے اور اس طرح اپنی مکمل خود مختاری کا یقین کرلیں گے۔ دوسری طرف ہندو اکثریت کے صوبے خود سے مرکزی حکومت کو کئی اور معاملے منتقل کرے پر راضی ہوجائیں گے کیسٹ مش کا خیال تھا کہ اس میں کوئی حیرانی نہیں ہے۔ سچے وفاق میں شریک ہونے والے ارکان کو طے کرے کی آرا دی ہونی چاہیے کہ وہ کتے اور کس نوعیت کے اختیارات مرکزی حکومت کو تفویض کریں گے۔

مسلم لیگ کونسل تین روز تک اجلاس کرے کے بعد ہی کوئی فیصلہ کرپائی۔ آخری دن مسٹر جناح کو یہ تسلیم کرنا پڑا کہ اقلیتوں کے مسئلہ کا حوالہ حل کیسٹ مش پلان میں پیش کیا گیا ہے، اس سے زیادہ مصفاہ کوئی اور فیصلہ نہیں ہوسکتا۔ بہر حال وہ اس سے بہتر شرطیں نہیں موائے سکتے۔ انہوں نے کونسل سے کہا کہ کیسٹ مش بے حوالہ اسکیم پیش کی ہے، وہ زیادہ سے زیادہ ہے جسے وہ حاصل کرسکے ہیں۔ اس سا پر انہوں نے مسلم لیگ کو مشورہ دیا کہ اسکیم کو منظور کرلے اور کونسل بے بالاتفاق اس کے حق میں رائے دی۔

میں مسوری ہی میں تھا، جب مسلم لیگ کے کچھ اہم بھ سے ملے تھے اور اپنی حیرانی اور تعجب کی کیفیت بھ سے بیاں

کی تھی۔ انہوں نے صاف صاف کہا کہ اگر مسلم لیگ کو کیسٹ مشن پلان ہی منظور کرنا تھا، تو آخر اس سے ایک آزاد ریاست کا نعرہ بلند کر کے مسلمانوں کو گمراہ کیوں کیا؟ میں نے ان سے اس مسئلے پر تفصیل سے گفتگو کی۔ آخر میں ان کو تسلیم کرنا پڑا کہ مسلم لیگ کا نقطہ نظر جو بھی رہا ہو، ہندوستان کے مسلمانوں کو اس سے بہتر شرائط کی توقع نہیں ہونی چاہیے تھی، جو کیسٹ مشن میں پیش کی گئی ہیں۔

ورکنگ کمیٹی میں جو بحثیں ہوئیں ان میں، میں نے سمجھایا، کہ کیسٹ مشن پلان سیادی طور پر وہی اسکیم ہے جو کہ کانگریس منظور کرچکی ہے۔ اس طرح کانگریس کو پلان کے سیادی سیاسی فیصلہ کو منظور کرے میں کچھ زیادہ دشواری پیش نہیں آئی۔ البتہ کامس ویلتھ کے ساتھ ہندوستان کے تعلق کا سوال ابھی باقی تھا۔ میں نے مشن سے کہا کہ اس کا فیصلہ وہ ہندوستان پر چھوڑ دیں۔ مجھے یقین تھا کہ ہم صرف اسی طریقے سے صحیح فیصلہ کر سکیں گے۔ میں نے یہ بھی کہا کہ میرا خیال ہے کہ اگر یہ سوال ہندوستان پر چھوڑ دیا گیا، تو یہ ناممکن نہیں ہے کہ وہ کامس ویلتھ میں دستور شامل رہنے کا فیصلہ کرے گا۔ سراسٹیمرڈ کانگریس نے مجھے یقین دلایا کہ ایسا ہی کیا جائے گا۔ چنانچہ کیسٹ مشن پلان میں یہ معاملہ آزاد ہندوستان کے فیصلے پر چھوڑ دیا گیا تھا۔ اس وجہ سے بھی ہمیں کیسٹ مشن پلان کو منظور کرے میں آسانی ہوگئی۔ سمجھوتے کی طویل گفتگوؤں کے بعد ورکنگ کمیٹی نے اپے ۲۶ جوں کے ررولیشن میں کیسٹ

پلان کو مستقل کے لئے منظور کر لیا، البتہ وہ انٹرم حکومت کی تحویر کو منظور نہ کر سکی۔

میں چاہتا ہوں کہ اس موقع پر کیسٹ مش بے حس حوی کے ساتھ سمجھوتے کی گفتگو کی، اس پر بھی اسے حراح تحسین ادا کروں۔ سر اسٹیفرڈ کرپس میرے پرانے دوست ہیں اور ان کے بارے میں ابی رائے طاہر کرچکا ہوں۔ لارڈ پیتھک لارس اور مسٹر الکرڈر سے اس سے پہلے ملے کا اتفاق نہیں ہوا تھا، مگر ان دونوں کے بارے میں بھی میں بے بہت اچھی رائے قائم کی۔ لارڈ پیتھک لارس بے حس ہمدردی اور معاملہ فہمی کا ثبوت دیا اس سے میں خاص طور پر متاثر ہوا وہ تھے تو بڑے، مگر ان میں بوحوانوں کی رندہ دلی تھی، ان کا نمایاں خلوص، ہندوستان سے ان کی گہری محبت اور ہماری دشواریوں کا صحیح اندازہ کرے کی صلاحیت، ایسی باتیں تھیں جس کی وجہ سے ہم ان کی ہر رائے کی طرف بہت توجہ کرتے تھے مسٹر الکرڈر بولتے کم تھے، مگر جب کبھی وہ کوئی رائے دیتے تو اس میں ان کی قابلیت اور سیاسی بصیرت نمایاں ہوتی۔

کانگریس اور مسلم لیگ کا کیسٹ مش پلان کو منظور کرنا، ہندوستانی آرا دی کی تاریخ کا ایک شاندار واقعہ تھا۔ اس سے یہ ثابت ہوا تھا کہ ہندوستانی آرا دی کا پیچیدہ معاملہ گفتگو اور معاہدے کے ذریعے طے پایا، نہ کہ تشدد اور جنگ کے ذریعے۔ اس سے یہ ظاہر ہوتا تھا کہ فرقہ وارانہ مشکلات قطعی طور پر ماضی کی داسناں بن گئی ہیں۔ سارے ملک میں شادمانی کا

احساس تھا اور تمام لوگ آزادی کے مطالبے میں متحد ہو گئے  
تھے ہم حوشیاں ما رہے تھے، مگر اس وقت یہ نہیں معلوم  
تھا کہ ہماری شادمانی قتل ار وقت ہے اور تقدیر مایوسی کا  
کڑوا گھوٹ پلائے والی ہے

---

## تقسیم ہند کا پیش خیمہ

اب خیال ہو رہا تھا کہ سیاسی مسائل حل ہو گئے ہیں۔ مگر اس وقت مجھے ایک نئے معاملہ کی طرف توجہ کرنی پڑی۔ میں سہ ۱۹۳۹ء میں کانگریس کا صدر منتخب ہوا تھا کانگریس کے دستور کے مطابق میری مدت کار صرف ایک سال کی تھی معمولی حالات میں سہ ۱۹۴۰ء میں نئے صدر کا انتخاب ہونا چاہئے تھا، مگر اسی اثنا میں جنگ چھڑ گئی اور اس کے بعد انفرادی ستیہ گرہ کی تحریک شروع ہو گئی۔ ہمارے معمول کے کام بند ہو گئے۔ ہم لوگ سہ ۱۹۴۰ء اور پھر سہ ۱۹۴۲ء میں گرفتار کر لئے گئے۔ کانگریس بھی غیر قانونی جماعت قرار دیدی گئی، اس لئے ہمارے حانثیں کے انتخاب کا کوئی سوال ہی نہیں تھا اور میں اس پورے عرصہ میں صدر رہا۔

اب حالات غیر معمولی ہیں رہے تھے، اس لئے قدرتی طور پر یہ سوال پیدا ہوا کہ کانگریس کا کیا انتخاب کیا جائے اور دوسرا صدر چنا جائے جو وہی احکارات میں یہ سوال اٹھایا گیا، لوگوں نے مطالبہ کیا کہ مجھے مزید ایک سال کے لئے صدر منتخب کر لیا جائے۔ اس کے لئے خاص دلیل یہ تھی کہ کرپس، لارڈ ویول اور اس وقت کیسٹ مشن سے میں بے بی گفتگو کی تھی

تقسیم ہند کا پیش خیمہ

۳۰۹

اور شملہ کانفرنس کے موقع پر، سیاسی مسئلہ کا حل تلاش کرے میں پہلی مرتبہ مجھے کامیابی حاصل ہوئی تھی، اگرچہ فرقہ وارانہ اختلاف کی وجہ سے بالآخر گفتگو ناکام رہی تھی۔ کانگریس کے اندر عام خیال یہ تھا کہ چونکہ اب تک ہر گفتگو میری رہنمائی میں اور میری ذمہ داری پر ہوئی تھی، اس لئے اب تکمیل اور تعمیل کا کام بھی میرے ہی سپرد ہونا چاہئے۔ سگال، بمشی، مدراس بہار اور یوپی کے کانگریسی حلقوں میں کھلم کھلا یہ رائے طاہر کی جاری تھی کہ کیسٹ مش پلان کی تجویروں کو عملی جامہ پہناتے کی ذمہ داری مجھ پر ہوئی چاہئے

میں بے محسوس کیا کہ کانگریس ہائی کمانڈ کے حواس میں اس مسئلے پر اختلاف رائے ہے سردار پٹیل اور ان کے اصحاب کی خواہش ہے کہ انہیں کانگریس کا صدر منتخب کیا جائے۔ یہ میرے لئے بہت ہی باریک معاملہ ہو گیا۔ پہلے پہل میں یہ فیصلہ نہیں کر پایا کہ مجھے کیا کرنا چاہئے اس مسئلے کے پر پہلو پر عور کرے کے بعد میں بالآخر اس نتیجہ پر پہنچا کہ چونکہ میں سہ ۱۹۳۹ء سے ۱۹۴۶ء تک سات سال صدر رہ چکا ہوں، اس لئے مجھے ریٹائر ہو جانا چاہئے۔ اس بنا پر میں بے فیصلہ کیا کہ اپنا نام تحویر کرے کی احارت نہیں دوں گا۔

دوسری بات یہ طے کرنا تھی کہ میرا جانشین کون ہو۔ مجھے اس کی فکر تھی کہ میرے بعد جو صدر ہو، وہ میرے نقطہ نظر سے متفق ہو اور ایسی پالیسی پر عمل کرے، جسے میں بے اختیار کیا تھا اس کی موافقت اور مخالفت میں تمام دلیلوں کو جانچے



کے بعد میں بے فیصلہ کیا کہ خواہر لال کو صدر ہونا چاہئے۔ چنانچہ ۲۶ اپریل ۱۹۴۶ء کو میں نے ایک بیاں جاری کیا، جس میں ان کا نام صدارت کے لئے تحویر کیا اور کانگریس کے بھروسے سے اپیل کی کہ وہ خواہر لال کو بالاتفاق منتخب کریں۔ غالباً گاندھی جی کسی حد تک سردار پٹیل کو صدر بنانے کی طرف مائل تھے، لیکن جب میں نے خواہر لال کا نام تحویر کر دیا، تو انہوں نے پھر اپنی رائے کا پلک میں اظہار نہیں کیا۔ کچھ لوگوں نے سردار پٹیل اور آچاریہ کرپلائی کے نام تحویر کئے مگر آخر میں سب خواہر لال کو صدر بنانے پر متفق ہو گئے۔

میں نے اس سلسلے میں اپنی عقل سلیم کے مطابق عمل کیا، مگر اس کے بعد جو کچھ ہوا اسے دیکھتے ہوئے مجھے حیران ہوتا ہے کہ شاید میں غلطی پر تھا اور جو لوگ چاہتے تھے کہ میں کم سے کم ایک سال اور صدر رہوں، وہ حق بجانب تھے۔ میرے فیصلے سے پورے ملک میں کانگریس کے اندر ہاجل پیدا ہو گئی۔ کلکتہ، بمبئی اور مدراس سے کئی ہزار ایڈر مجھے اس پر راضی کر کے لئے آئے کہ میں اپنا بیان واپس لے لوں اور اپنے نام کو پیش کر کے اجازت دیدوں۔ احکامات میں بھی اسی قسم کی ایماں شائع ہوئیں۔ لیکن میں ایک فیصلہ کر چکا تھا اور اپنی رائے بدلنے کی کوئی وجہ نظر نہیں آئی۔

مسلم لیگ نے کیسٹ مش پلان کو منظور کر لیا تھا۔ ایسا ہی کانگریس ورکنگ کمیٹی نے بھی کیا تھا، مگر آل انڈیا کانگریس کمیٹی کی منظوری ضروری تھی۔ ہم نے سوچا تھا کہ یہ محض رسمی

کارروائی ہوگی، کیونکہ اب تک آل انڈیا کانگریس کمیٹی بے ہمیشہ ورکنگ کمیٹی کے فیصلوں کی تصدیق کی ہے چنانچہ ۷ جولائی ۱۹۴۶ء کو بمبئی میں آل انڈیا کانگریس کمیٹی کا اجلاس بلایا گیا جب ایک مرتبہ اس کا فیصلہ ہو گیا تو میں سمجھا کہ میرا دہلی میں قیام کرنا ضروری نہیں ہے یہاں گرمی ناقابل برداشت ہوتی جا رہی تھی، اس لئے میں ۳۰ جون کو کلکتہ واپس چلا گیا اور ۴ جولائی کو کلکتہ سے بمبئی کے لئے روانہ ہوا۔ سرت چندر بوس بھی اسی گاڑی میں سہر کر رہے تھے۔ تقریباً ہر اسٹیشن پر بہت سے لوگ جمع ہوتے اور سب کا کہا یہ تھا کہ مجھے کانگریس کی صدارت سے الگ نہیں ہونا چاہیے۔ سرت بابو تقریباً ہر بڑے اسٹیشن پر میرے ڈبے میں آتے اور بار بار کہتے کہ ”دیکھئے پبلک کیا چاہتی ہے اور اس کے باوجود آپ بے کیا کیا ہے“ ۶ جولائی کو ورکنگ کمیٹی کا جلسہ ہوا اور اس بے آل انڈیا کانگریس کمیٹی کے لئے تحویروں کے مسودے تیار کئے۔ پہلا رولوتس کیسٹ پلان سے متعلق تھا، اسے پیش کرنا میرے سپرد کیا گیا، کیونکہ سوسلسٹ خیال کے لوگوں کی طرف سے شدید مخالفت کا اندیشہ تھا۔

جب آل انڈیا کانگریس کمیٹی کا جلسہ شروع ہوا، تو میں بے خواہر لال سے کہا کہ نئے صدر کی حیثیت سے میری جگہ صدارت کے عہدے کو سنبھالیں۔ سردار پٹیل بے شکریہ کی تحویر پیش کی، جس میں انہوں نے میری ان خدمات کو سراہا، جو میں نے کانگریس کے صدر کی حیثیت سے اس پارک رمائے میں

انجام دی تھیں اور تفصیل کے ساتھ بتلایا کہ بہت سی ہمت شکن دشواریوں کو کس طرح دور کیا گیا۔ اس کے بعد میں نے کیسٹ مشن پلان کے بارے میں رزولیوشن پیش کیا اور احتصار کے ساتھ اس کی خاص خاص باتوں کا ذکر کیا۔ سوشلسٹ خیال کے لوگوں نے بڑی شد و مد سے اس کی مخالفت کی۔ کانگریس سوشلسٹوں نے مخالفت میں پیش قدمی کی، کیونکہ یہ ایک عام اور عامیہ طریقہ بن گیا تھا کہ اتنا پسندی کا نقطہ نظر اختیار کر کے ہر دلعزیزی حاصل کرنے کی کوشش کی جائے۔ ان سوشلسٹوں نے حقیقت کو پس پشت ڈال کر اداکاری کے انداز دکھائے۔ یوسف مہر علی اس وقت بہت بیمار تھے، مگر حاضریں جلسہ کی ہمدردی حاصل کرے کے لئے یہ لوگ ان کو اسٹریچر پر لے آئے۔ انہوں نے بھی کیسٹ مشن پلان کے خلاف تقریر کی۔ میں نے اپنے جواب میں تفصیل کے ساتھ پلان کے امکانات اور نتائج کو واضح کیا اور بتلایا کہ دراصل یہ پلان کانگریس کی فتح کی علامت ہے میں نے کہا کہ اس کے ذریعہ تشدد اور خوں ریزی کے بغیر آزادی حاصل ہو جائے گی۔ برطانیہ کا ہندوستان کے قومی مطالبے کو تسلیم کر لیا، جب کہ پر امن ایجنسی اور گفتگو کے سوا کوئی ذریعہ اختیار نہیں کیا گیا تھا، ایک ایسا واقعہ ہے، جس کی دنیا کی تاریخ میں مثال نہیں ملتی۔ چالیس کروڑ کی ایک قوم، فوجی اقدامات کی بدولت نہیں بلکہ گفتگو اور معاہدات کے ذریعہ آزاد ہو رہی ہے۔ صرف اس نقطہ نظر سے ہی دیکھا جائے تو یہ بڑی حماقت ہوگی، اگر ہم

اپنی کامیابی کی قدر و قیمت کا صحیح اندازہ نہ کریں۔ میں نے یہ بھی کہا کہ کیسٹ مشن پلان میں کانگریس کے تمام اہم اصولوں کو تسلیم کر لیا گیا ہے۔ کانگریس چاہتی تھی کہ ہندوستان آزاد ہو اور متحد رہے اور انتشار پیدا کرے والے رجحانات کو روکا جائے، اس لئے یہ بات سمجھ میں نہیں آتی کہ کانگریسی سوشلسٹوں جیسے لوگ کیسے کہتے ہیں کہ ہم بے فتح نہیں حاصل کی ہے، شکست کھائی ہے

میری تقریر کا حاصرین پر فیصلہ کن اثر ہوا، جب ووٹ لئے گئے تو ررولیوشن بھاری اکثریت سے منظور ہو گیا۔ اس طرح ورکنگ کمیٹی نے کیسٹ مشن پلان کو قبول کر لیا کا جو فیصلہ کیا تھا، اس پر منظوری کی مہر لگ گئی۔

چند دیوں کے بعد مجھے لارڈ پیتھک لارنس اور سر اسٹیوڈنٹ کرپس کے مارک باد کے تار موصول ہوئے۔ جس میں انہوں نے اس پر حوشی طاہر کی تھی کہ آل انڈیا کانگریس کمیٹی نے ررولیوشن منظور کر لیا اور مجھے مارک باد دیتے ہوئے کہا کہ میں نے کیسٹ مشن پلان کو بڑی خوبی کے ساتھ پیش کیا۔

اب ان افسوسناک واقعات میں سے ایک پیش آیا، جنہوں نے ہماری سیاست اور زندگی کے رخ کو پلٹ دیا۔ ۱۰ جنوری کو بمبئی میں خواہر لال نے ایک پریس کانفرنس بلائی۔ اس میں انہوں نے ایک ایسا بیان دیا، جو عام حالات میں قابل توجہ نہ سمجھا جاتا، مگر بدگمانی اور مافرت کی فضا میں اس سے انتہائی افسوسناک نتائج کا ایک سلسلہ شروع ہو گیا۔ کچھ پریس کے

نمایندوں نے خواہر لال سے سوال کیا کہ کیا آل انڈیا کانگریس کمیٹی کے اس ررولوش کو منظور کرے گا؟ معنی یہ ہیں کہ کانگریس نے پلان کو بحسبہ تسلیم کر لیا ہے اور اسی کے ساتھ انٹرم حکومت کی تشکیل بھی طے ہو گئی ہے۔

خواہر لال نے اس کے جواب میں کہا کہ کانگریس دستور ساز اسمبلی میں شرکت کرتے ہوئے اپنے آپ کو معاہدوں کا پابند نہ سمجھے گی اور جس قسم کے حالات پیدا ہوں گے، اس کے مطابق آرا دی کے ساتھ فیصلے کرے گی۔

اس پر پریس کے نمایندوں نے سوال کیا کہ کیا اس کا یہ مطلب ہے کہ کیسٹ مش پلان میں ترمیم کی جاسکتی ہے۔ خواہر لال نے پررور طریقے پر جواب دیا کہ کانگریس نے محض دستور ساز اسمبلی میں شرکت کا وعدہ کیا ہے اور وہ اپنے آپ کو کیسٹ مش پلان میں تبدیلی اور کمی بیشی کرے کی عمار سمجھتی ہے۔

میں یہاں صاف صاف لکھ دیا ضروری سمجھتا ہوں کہ خواہر لال کا بیان غلط تھا۔ یہ کہا صحیح نہیں تھا کہ کانگریس اپنی مرضی کے مطابق پلان میں جو ترمیم چاہتی کر سکتی تھی دراصل ہم نے یہ تسلیم کر لیا تھا کہ مرکزی حکومت وفاق ہوگی اور مرکز کے ماتحت تین محکمے لازمی طور پر ہوں گے، نقیہ محکمے صوبوں کے حدود اختیار میں رہیں گے ہم نے یہ بھی مان لیا تھا کہ صوبے کے تین گروپ، اے، بی، سی میں تقسیم کر دئے جائیں گے ان شرائط میں کانگریس اپنی طرف سے معاہدہ

میں شریک ہوئے والی دوسری جماعتوں کی رضامندی کے بغیر کوئی تبدیلی کرے کی عمار نہیں تھی۔

مسلم لیگ نے کیسٹ مشن پلان کو تسلیم کر لیا تھا، کیونکہ اس وقت یہ معلوم ہوتا تھا کہ برطانوی حکومت اس سے زیادہ رعایت نہیں کرے گی۔ مسٹر حجاج نے لیگ کونسل میں تقریر کرتے ہوئے پوری وضاحت کے ساتھ کہا تھا کہ وہ پلان کو منظور کر لینے کی سفارش صرف اس لئے کر رہے ہیں کہ اس سے بہتر چیز حاصل نہیں کی جاسکتی۔

اس لئے مسٹر حجاج مصالحت کی گفتگو کے نتائج سے کچھ بہت حوش نہیں تھے۔ وہ صرف اس لئے راضی ہو گئے تھے کہ اس کے سوا چارہ نظر نہیں آ رہا تھا۔ خواہر لال کا بیان اس کے لئے ایک غیر متوقع حادثہ ثابت ہوا۔ انہوں نے فوراً ہی ایک بیان جاری کیا کہ کانگریس کے صدر کے اس اعلان کے بعد پوری صورت حال پر دوبارہ غور کرے کی ضرورت پیدا ہو گئی ہے۔ چنانچہ انہوں نے لیاقت علی خاں کو لیگ کاؤنسل کا اجلاس طلب کرے کی ہدایت دی اور ایک بیان دیا کہ مسلم لیگ کاؤنسل نے دہلی میں کیسٹ مشن پلان کو اس لئے تسلیم کیا تھا کہ اس کو یقین دلایا گیا تھا کہ کانگریس نے بھی اس اسکیم کو منظور کر لیا ہے اور ہندوستان کا جو دستور ہے گا، اس کے لئے یہ پلان بنیاد کا کام دے گا۔ اب چونکہ کانگریس کے صدر نے اعلان کر دیا ہے کہ کانگریس دستور ساز اسمبلی میں اپنی اکثریت کے بل پر اسکیم میں تبدیلی کر سکے گی، اس لئے اقلیتیں اکثریت

کے رحم و کرم پر ہوں گی۔ انہوں نے کہا کہ خواہر لال کے اعلان کا مطلب یہ ہے کہ کانگریس نے کیسٹ مشن پلان کو مسترد کر دیا ہے اس لئے وائسرائے کو چاہئے کہ مسلم لیگ کو، جس نے پلان کو قبول کر لیا ہے، وزارتِ ہمارے کی دعوت دیں۔ مسلم لیگ کاؤنسل کا اجلاس ۲۷ جولائی کو بمبئی میں منعقد ہوا۔ مسٹر جناح نے اپنی افتتاحی تقریر میں پاکستان کے مطالبے کو دہرایا اور کہا کہ مسلم لیگ کے لئے اس کے علاوہ اور کوئی راستہ نہیں رہ گیا ہے تین روز کی بحث کے بعد کاؤنسل نے ایک رزلویشن منظور کیا، جس میں کیسٹ مشن پلان کو مسترد کر دیا گیا تھا۔ اس نے یہ بھی فیصلہ کیا کہ پاکستان کو حاصل کرے کے لئے ڈائریکٹ ایکشن کی پالیسی پر عمل کرے۔

میں اس نئی صورت حال سے سحت پریشان ہوا میں دیکھ رہا تھا کہ جس اسکیم کے لئے میں نے اتنی جدوجہد کی تھی، وہ خود ہمارے ہاتھوں برباد ہو رہی ہے۔ میں نے محسوس کیا کہ معاملہ کی موجودہ صورت پر غور کرے کے لئے ورکنگ کمیٹی کی مشگ فوراً طلب کرنی چاہئے۔ چنانچہ ۸ اگست کو ورکنگ کمیٹی کا جلسہ ہوا۔ میں نے کہا کہ اگر ہم صورت حال کو نگڑے سے مچانا چاہتے ہیں تو ہمیں یہ بات صاف کر دینا چاہئے کہ کانگریس کی رائے آل انڈیا کانگریس کمیٹی کے رزلویشن میں ظاہر کردی گئی ہے اور کوئی شخص، چاہے وہ کانگریس کا صدر ہی کیوں نہ ہو، اس کو بدلنے کا محار نہیں ہے۔

ورکنگ کمیٹی بڑی مشکل میں پڑ گئی۔ ایک طرف کانگریس



کے صدر کی عرت پر حرف آتا تھا، دوسری طرف جو سمجھوتہ اتنی مشکلوں سے حاصل کیا گیا، خطرے میں تھا۔ صدر کے بیان کی تردید کرے سے کانگریس کمزور ہوتی، لیکن کیسٹ مشن پلان کو چھوڑنا ملک کو تباہی کی بدر کرنا تھا۔ بالآخر ہم نے ایک ایسے رزلوشن کا مسودہ تیار کیا، جس میں پریس کانفرنس کا کوئی ذکر نہیں تھا، مگر آل انڈیا کانگریس کمیٹی کے فیصلے کی حسب ذیل الفاظ میں دوبارہ توثیق کی گئی تھی

» ورکنگ کمیٹی کو یہ دیکھ کر افسوس ہوا ہے کہ آل انڈیا مسلم لیگ کی کاؤنسل نے اپنے پچھلے فیصلے کو منسوخ کرتے ہوئے طے کیا ہے کہ وہ دستور ساز اسمبلی میں شریک نہیں ہوگی۔ ایسے دور میں جبکہ ہم بیرونی حکومت کی ماتحتی سے مکمل آزادی کی طرف تیزی سے جارہے ہیں اور حب وسیع اور پیچیدہ سیاسی اور معاشی مسائل کا سامنا کرنا اور ان کو حل کرنا ہے، ہندوستان کے عوام اور ان کے نمائندوں کے درمیان زیادہ سے زیادہ اشتراک عمل درکار ہے۔ تاکہ یہ تبدیلی خوشگوار طریقے پر عمل میں آئے اور تمام متعلقہ لوگوں کے لئے مفید ثابت ہو۔ کمیٹی اس بات سے واقف ہے کہ کانگریس اور مسلم لیگ کے مقاصد اور نقطہ نظر میں فرق ہے، پھر بھی ملک کے اجتماعی مفاد اور ہندوستانی قوم کی آزادی کی خاطر کمیٹی ان تمام لوگوں سے اشتراک عمل کی اپیل کرتی ہے۔ جو ملک کی آزادی اور یہودی چاہتے ہیں۔ اس امید میں کہ قومی فرائض کی ادائیگی میں اتحاد عمل کرنے سے ہندوستان کے بہت سے مسائل کو حل

کرے کی صِرت نکل آئے گی ۔

» کمیٹی کے علم میں مسلم لیگ کے اعتراضات آئے ہیں ، جس کا مشا یہ دکھانا ہے کہ کانگریس نے اس تحویروں کو جو ۱۶ مئی کے بیان میں درج تھیں ، مشروط طریقے پر تسلیم کر لیا ہے ، کمیٹی اس بات کو واضح کر دیا چاہتی ہے کہ اس سے اسکیم کو پورا پورا تسلیم کر لیا ہے ۔ اگرچہ وہ ان تمام تحویروں کو جو ۱۶ مئی کے بیان میں درج ہیں ، پسند نہیں کرتی ۔ اس سے اس کی تشریح اس مقصد سے کی ہے کہ اسکیم میں جو تضاد نظر آئے ہیں ، ان کو دور کر دیا جائے اور ان اصولوں کی روشنی میں ، جو حکومت کے »بیان« میں درج ہیں ، ان باتوں کا ذکر کر دیا جائے ، جو عاقلی سے نظر انداز کر دی گئی ہیں ۔ کمیٹی یہ سمجھتی ہے کہ صوبہ جاتی خود مختاری کو بنیادی حیثیت حاصل ہے اور ہر صوبے کو یہ اختیار حاصل ہے کہ وہ کسی »گروپ« میں شامل ہو یا نہ ہو ۔ تشریح کے سلسلے میں جو سوالات پیدا ہوں گے ، ان کا فیصلہ اس طریق کار کے مطابق کیا جائے گا جو »بیان« میں مقرر کیا گیا ہے ۔ اور کانگریس دستور ساز اسمبلی میں اپنے نمائندوں کو ہدایت دے گی کہ وہ اس کے مطابق عمل کریں ۔

» ورکنگ کمیٹی نے اس بات پر زور دیا ہے کہ دستور ساز اسمبلی کو فرماں روا کی حیثیت سے آخری فیصلہ کرے گا اختیار ہوگا ، یعنی اسے حق ہوگا کہ کسی بیرونی طاقت یا اقتدار کی مداخلت کے بغیر ہندوستان کے لئے ایک دستور وضع کرے لیکن یہ

تقسیم ہند کا پیش حیمہ ۳۱۹

قدرتی بات ہے کہ وہ اپنے مصب کو ادا کرتے وقت ان حدود کا لحاظ رکھے گی، جو اس کے عمل کے ساتھ وابستہ ہیں۔ اس لئے وہ آزاد ہندوستان کا دستر مرتب کرے میں زیادہ سے زیادہ لوگوں کا تعاون حاصل کرے کی کرشمہ کرے گی اور اس کی گنجائش رکھے گی کہ ان تمام لوگوں کو جس کے مطالبے یا اعتراض حق بحال معام ہوتے ہوں، زیادہ سے زیادہ آزادی اور اطمینان حاصل ہو اس مقصد کی خاطر اور اسی خواہش کے تحت کہ وہ دستور ساز اسمبلی میں با عمل شرکت کرے اور اس کو کامیاب رائے، ورکنگ کمیٹی ہے اپنا رزلوشن ۲۶ جنوری ۱۹۴۷ء کو منظور کیا تھا، جس کی بعد میں ۷ جولائی ۱۹۴۶ء کو آل انڈیا کانگریس کمیٹی نے تصدیق کر دی کانگریس، آل انڈیا کانگریس کمیٹی کے اس فیصلے پر قائم ہے اور اس کے مطابق وہ دستور ساز اسمبلی میں کام کرے گی

ورکنگ کمیٹی کو توقع ہے کہ مسلم لیگ اور دوسری پارٹیاں قوم کے اور خود اپنے معاد کی خاطر اس عظیم کام میں شریک ہوں گی

ہمیں امید تھی کہ ورکنگ کمیٹی کا یہ رزلوشن معاملے کو نگزے سے بچا لے گا اب اس میں شک و شبہ کی گنجائش باقی نہیں رہی تھی کہ کانگریس نے کیسٹ مش پلان کو پورا پورا منظور کر لیا ہے۔ اگر مسلم لیگ ہمارے رزلوشن کو تسلیم کر لیتی تو وہ اپنے وقار کو صدمہ پہنچائے بغیر اپنے پچھلے مقام پر واپس آسکتی تھی مگر مسٹر جناح نے اس کو منظور نہیں کیا اور کہا

کہ خواہر لال کا بیان ہی کانگریس کے ذہن کی صحیح ترجمانی کرتا ہے۔ ان کی دایل یہ تھی کہ اگر کانگریس اس قدر جلد جلد اپنی رائے بدل سکتی ہے، حکمہ انگریز انوی ملک میں موحود ہیں اور اس کے ہاتھوں میں اختیار ہیں آیا ہے، تو اقلیتیں کس بھروسے پر یقین کر لیں کہ جب انگریز چلے جائیں گے، تو کانگریس پھر بدل نہیں جائے گی اور اس کا نقطہ نظر وہی رہے ہو جائے گا، جو خواہر لال نے اسے بیان میں اختیار کیا ہے

ورکنگ کمیٹی کے رزولوشن نے کیسٹ مش پلان کو مکمل طور پر تسلیم کر لیا تھا۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ انٹرم حکومت اور وہ تحاویر جن پر بعد کو عمل ہوئے والا تھا دونوں تسلیم کی گئی تھیں ورکنگ کمیٹی کی طرف سے کیسٹ مش پلان کی اس غیر مبہم منظوری کا وائسرائے نے فوراً جواب دیا اور ۱۲ اگست کو ان الفاظ میں خواہر لال کو مرکز میں انٹرم حکومت قائم کرے کی دعوت دی گئی۔

» ہر اکسلسی وائسرائے، ہر محشی کی حکومت کی منظوری سے کانگریس کے پریزیڈنٹ کو دعوت دی ہے کہ وہ انٹرم حکومت کے فوری قیام کے بارے میں تحاویر پیش کریں اور صدر کانگریس نے اس دعوت کو قبول کر لیا ہے۔ پڈت خواہر لال بھرو جلد ہی شی دہلی آکر ہر اکسلسی وائسرائے سے اس تحویز پر گفتگو کریں گے۔

مسٹر خضاح نے اسی دن ایک بیان جاری کیا، جس میں انہوں نے کہا کہ ورکنگ کمیٹی کے تازہ ترین رزولوشن سے، جو ۱۵ اگست کو وردھا میں منظور کیا گیا ہے، کوئی بات نہیں بنتی،

کیونکہ اس میں ان ہی خیالات کی تکرار ہے ، جن کا اظہار کانگریس بالکل شروع میں کرچکی ہے ، اس العاط بدل گئے ہیں۔ انہوں نے خواہر لال کی دعوت کو کہ انٹرم حکومت کے قیام میں تعاون کریں ، نامعلوم کر دیا۔ اس کے بعد ۱۵ اگست کو خواہر لال ، مسٹر حجاج سے ان کے مکان پر ملے ، مگر ان کی گفتگو کا کوئی نسخہ نہیں نکلا اور صورت حال بہت جلد سے بدتر ہوئے لگی۔

جب حوالائی کے اواخر میں مسلم لیگ کونسل کا جلسہ ہوا اور اس نے ڈائریکٹ ایکشن کا فیصلہ کیا تو اس نے مسٹر حجاج کو محار کیا کہ پروگرام کی تعمیل میں جو اقدام مناسب سمجھیں کریں۔ مسٹر حجاج نے اعلان کیا کہ ۱۶ اگست ڈائریکٹ ایکشن کا دن ہوگا۔ مگر انہوں نے یہ واضح نہیں کیا کہ اس دن کا پروگرام کیا ہوگا۔ یہ عام طور پر خیال کیا جاتا تھا کہ تفصیلات طے کرنے کے لئے مسلم لیگ کونسل کی دوسری میٹنگ ہوگی ، مگر یہ نہیں ہوئی ، دوسری طرف میں نے کلکتہ میں دیکھا کہ عجیب و غریب صورت حال پیدا ہو رہی ہے۔ اس سے قبل مخصوص دن مابے کے لئے سیاسی پارٹیاں ہڑتال کیا کرتی تھیں ، جلوس نکالتی تھیں اور جلسے کرتی تھیں ، مگر لیگ کا «ڈائریکٹ ایکشن» کا دن کچھ اور ہی قسم کا مہاوم ہوتا تھا۔ کلکتہ میں میں نے دیکھا کہ لوگ عام طور پر سمجھتے ہیں کہ ۱۶ اگست کو مسلم لیگ ، کانگریسیوں پر حملے کریں گے اور کانگریس کی املاک لوٹیں گے۔ سکال کی حکومت نے ۱۶ اگست کو سرکاری چھٹی کا دن قرار دیا تو

سراسیمگی کی کیفیت اور پھیل گئی۔ سگال اسمبلی کی کانگریس پارٹی نے اس فیصلہ کے خلاف احتجاج کیا اور حب اس کا کوئی اثر نہیں ہوا، تو احتجاجاً واک آؤٹ کیا کہ حکومت نے پالیسی کے طور پر ایک پارٹی کے فیصلے کو نافذ کرے کے لئے سرکاری وسائل کو استعمال کیا ہے۔ کلکتہ میں عام طور پر بے اطمینانی اور پریشانی اس وجہ سے اور بھی زیادہ تھی کہ وہاں حکومت مسلم لیگ کے اختیار میں تھی اور مسٹر ایچ۔ ایس۔ سہروردی چیف مسٹر تھے

کانگریس ورکنگ کمیٹی نے ۹ اگست کو ایک پارلیمنٹری سب کمیٹی مقرر کی تھی، جو سردار ولہہ بھائی پٹیل، ڈاکٹر راجندر پرشاد اور محمد یر مشتمل تھی ۱۳ اگست کو ہم نے اس کی ایک میٹنگ کی، جس میں انٹرم حکومت کے قیام کے سلسلے میں وائسرائے کو پیش کرے کے لئے تحویر پر گفتگو ہوئی ۱۷ کو خواہر لال نے پارلیمنٹری کمیٹی کی میٹنگ طلب کی اس میں شرکت کے لئے میں ۱۶ کو ہوائی جہاز سے دہلی روانہ ہوا ۱۶ اگست کا دن ہندوستان کی تاریخ میں ماتمی دن رہے گا۔ کلکتہ کے عظیم الشان شہر میں عوام کے تشدد ہے، جس کی کوئی بطور نہیں ملتی، خوف، قتل اور عارت گری کا طوفان برپا کیا۔ سیکڑوں حابیں صانع ہوئیں، ہزاروں رخمی ہوئے اور کروڑوں روپے کی جائداد برباد ہوگئی۔ لیگ نے لوگوں کے حلوس نکالے، جہوں نے لوٹا اور آگ لگا کر شروع کر دیا۔ بہت حاد پورے شہر پر مسلمان اور ہندو عذوں کا قبضہ ہو گیا۔

بگال کانگریس کے لیڈر، سرت چندر بوس گورنر سے ملے اور صورت حال پر قابو حاصل کرے کے لئے فوری اقدام کا مطالبہ کیا۔ انہوں نے گورنر کو یہ بھی بتلایا کہ انہیں اور مجھے ورکنگ کمیٹی کی میٹنگ میں شرکت کے لئے دہلی جانا ہے۔ گورنر نے وعدہ کیا کہ وہ ہوائی اڈے تک ہماری حفاظت کے لئے فوجی دستے کا انتظام کر دیں گے۔ میں نے کچھ دیر انتظار کیا اور جب کوئی نہیں آیا تو میں تنہا روانہ ہو گیا۔ سڑکیں سنسان تھیں اور شہر پر موت کا سناٹا چھایا ہوا تھا۔ جب میں اسٹریٹ روڈ سے گزر رہا تھا، تو میں نے دیکھا کہ بہت سے ٹھیلے والے اور چوکیدار لٹھے لئے کھڑے ہیں۔ انہوں نے میری کار پر حملہ کیا میرے ڈرائیور نے چلا کر کہا کہ یہ کانگریسی لیڈر کی کار ہے پھر بھی انہوں نے پروا نہیں کی۔ عرصہ کہ میں بڑی مشکلوں سے ہوائی جہاز کی روانگی سے چند منٹ پہلے ڈم ڈم پہنچا میں نے وہاں دیکھا کہ ایک بہت بڑا فوجی دستہ ملٹری لاریوں میں انتظار کر رہا ہے۔ جب میں نے پوچھا کہ اس و اماں حال کرے ہیں وہ مدد کیوں نہیں کر رہے ہیں، تو انہوں نے جواب دیا کہ انہیں تیار رہنے کا حکم دیا گیا ہے، مگر کچھ کرے کا حکم نہیں ہے۔ کلکتہ کے پورے شہر میں فوج اور پولیس تیار کھڑی تھی اور بے قصور مردوں اور عورتوں کے قتل کا ہمارا منظر دیکھتی رہی۔

۱۶ اگست ۱۹۴۶ء کا دن صرف کلکتہ ہی کے لئے نہیں۔

ملکہ پورے ہندوستان کے لئے سیاہ دن تھا۔ حالات بے حوصلہ پلٹا کھایا تھا، اس کی وجہ سے کانگریس اور مسلم لیگ کے درمیان

معاہمت کے دربعہ مسائل کے پُر اس طریقے پر حل ہونے کی امید حاتی رہی۔ یہ ہندوستان کے تاریخ کے عظیم ترین حادثات میں سے ہے اور مجھے انتہائی افسوس کے ساتھ کہا پڑتا ہے کہ یہ لارمی اور ناگیرر نتیجہ تھا اس کا کہ مسلم لیگ کو سیاسی اور فرقہ وارانہ سمجھوتے کے مسئلے کو دوبارہ بحث میں لانے کا موقع دیا گیا۔ مسٹر حجاج بے اس غلطی سے پورا پورا فائدہ اٹھایا اور لیگ بے شروع میں کیسٹ مش پلان کو منظور کرے کا حوصلہ کیا تھا اس سے وہ بری ہو گئی۔

حواہر لال میرے عزیز ترین دوست ہیں۔ انہوں نے ہندوستان کی قومی زندگی کو ترقی دیے میں کسی سے کم حصہ نہیں لیا ہے انہوں نے ہندوستان کی آرا دی کے لئے محنت کی ہے اور تکیہیں اٹھائی ہیں اور آرا دی کے بعد وہ ہمارے قومی اتحاد اور ترقی کی علامت بن گئے ہیں۔ پھر بھی مجھے افسوس کے ساتھ کہا پڑتا ہے کہ وہ کبھی کبھی اپنے جذبات کی رو میں نہ جاتے ہیں۔ یہی نہیں، سا اوقات وہ ماملوں کے خالص نظری پہلو سے اس درجہ متاثر ہوتے ہیں کہ واقعی صورت حال کا صحیح اندازہ نہیں کر پاتے۔

دستور ساز اسمبلی کے بارے میں انہوں نے حویاں دیا، اس کا ذمہ دار بھی یہی محرد علمی بحث کا شوق ہے۔ اسی نظری رحمان کی وجہ سے انہوں نے اسی قسم کی غلطی سے ۱۹۳۷ء میں کی تھی۔ ان انتخابات میں ہمنی اور یو پی کے علاوہ ملک میں مسلم لیگ بری طرح ناکام رہی تھی۔ سگال میں گورنر بے لیگ کی حکومت بنانے کا تقریباً فیصلہ کر لیا تھا، مگر کریشک پر جا پارٹی



کی کامیابی نے ما سیا کھیل نگاڑ دیا۔ لیگ نے اس طرح دوسرے مسلم اکثریت کے صوبوں میں جیسے کہ پنجاب، سندھ اور صوبہ سرحد، بڑا نقصان اٹھایا تھا۔ بمبئی میں اس نے کئی نشستیں حاصل کیں، مگر سب سے بڑی کامیابی یو پی میں ہوئی، جس کی خاص وجہ یہ تھی کہ یہاں لیگ کو جمعیت علمائے ہند کی حمایت حاصل ہوگئی۔ جمعیت نے اس خیال کے ماتحت لیگ کی حمایت کی تھی کہ انتخابات کے بعد مسلم لیگ کانگریس کے ساتھ اشتراک عمل کرے گی

چودھری حلیق الرحمان اور نواب اسماعیل حان اس وقت یو پی مسلم لیگ کے لیڈر تھے۔ جب میں وزارت بنائے کے سلسلے میں لکھنؤ آیا تو ان دونوں سے بات کی۔ ان دونوں نے مجھے یقین دلایا کہ وہ نہ صرف کانگریس سے تعاون کریں گے، بلکہ کانگریس کے پروگرام کی پوری پوری حمایت کریں گے۔ قدرتی طور پر ان کو امید تھی کہ نئی حکومت میں مسلم لیگ بھی شریک کی جائے گی۔ مقامی حالات کچھ ایسے تھے کہ ان میں سے کوئی ایک بھی دوسرے کو چھوڑ کر وزارت میں شامل نہیں کیا جاسکتا تھا، یا دونوں لٹے حائے یا دونوں چھوڑ دئے جاتے۔ اس لئے میں نے امید دلائی تھی کہ دونوں لے لٹے جائیں گے۔ اگر وزارت صرف سات ارکان پر مشتمل ہوئی، تو ان میں دو مسلم لیگی ہوتے اور باقی سب کانگریسی۔ اگر کابینہ نو عمروں کی ہوتی تو کانگریس کی اکثریت میں اور اضافہ ہوجاتا۔ مجھ سے گفتگو کے بعد ایک بوٹ تیار کیا گیا تھا کہ مسلم لیگ پارٹی کانگریس سے اشتراک

عمل کریگی اور کانگریس کا پروگرام قبول کرے گی بواب اسماعیل حان اور چودھری خلیق الرمان دووں بے اس پر دستخط کردئے۔ اس کے بعد بہار کی وزارت کے قیام کے لئے وہیں لکھنؤ سے پٹنہ کے لئے روانہ ہر گیا۔

کچھ دیوں کے بعد میں الہ آباد واپس آیا اور یہ معلوم کر کے سحت افسوس ہوا کہ حواہر لال بے چودھری خلیق الرمان اور بواب اسماعیل حان کو لکھ دیا ہے کہ ان میں سے صرف ایک ہی کو وزارت میں لیا جاسکے گا۔ انہوں نے لکھا تھا کہ مسلم لیگ پارٹی طے کر سکتی ہے کہ ان میں سے کون آیا جائے لیکن جیسا کہ میں کہ چکا ہوں صورت حال کچھ ایسی تھی کہ ان میں سے صرف ایک شامل نہیں ہوسکا تھا، اس لئے ان دووں بے معدرت کردی اور لکھا کہ وہ حواہر لال کی پیش کش قبول نہیں کر سکتے

یہ واقعہ بہت ہی افسوسناک تھا مگر یو پی مسلم لیگ کی طرف سے تعاون کی حو پیش کش کی گئی تھی وہ منظور کر لی جانی، تو عملی طور پر مسلم لیگ کانگریس میں مدغم ہو گئی ہوتی۔ حواہر لال نے اپنے عمل سے یو پی میں لیگ کو نئی زندگی بخش دی۔ ہندوستانی سیاست کا جس نے بھی مطالعہ کیا ہے، وہ جانتا ہے کہ مسلم لیگ کی دوبارہ تنظیم یو پی میں کی گئی۔ مسٹر حجاج بے صورت حال سے پورا پورا فائدہ اٹھایا اور جارحانہ اقدامات کا ایک سلسلہ شروع کر دیا، جس کا آخری نتیجہ پاکستان کا قیام تھا۔ مجھے معلوم ہے کہ پرشوتم داس ٹڈن بے ان تمام معاملات

میں نمایاں حصہ لیا تھا۔ اور خواہر لال کی رائے اور فیصلہ پر اثر ڈالا تھا۔ مجھے ٹنڈن کے خیالات کبھی قابل لحاظ نہیں معلوم ہوئے اور میں بے خواہر لال کو اس پر آمادہ کرے کی کوشش کی کہ وہ اپنی رائے پر سختی سے عمل نہ کریں۔ میں بے ان سے کہا کہ مسلم لیگ کو وزارت میں شامل نہ کرنا ان کی بہت بڑی غلطی ہے۔ میں بے ان کو اس سے بھی آگاہ کیا کہ ان کے اس طرح عمل کا نتیجہ یہ نکالے گا کہ مسلم لیگ میں شی خان پیدا ہو جائے گی اور اس طرح ہندوستان کی آزادی کی راہ میں شی مشکلات کھڑی ہو جائے گی۔ خواہر لال بے مجھ سے اتفاق نہیں کیا اور ایسے نقطہ نظر کو صحیح قرار دیا۔ انہوں نے یہ دلیل دی کہ حب مسلم لیگ کے کل چھ بیس ہیں تو وہ کیٹ میں ایک سیٹ سے زیادہ کا مطالبہ نہیں کر سکتی۔ حب میں بے دیکھا کہ خواہر لال اپنی جگہ سے حسش کرے کے لئے تیار نہیں ہیں، تو میں وردھا گیا اور گاندھی جی سے ہدایت حاصل کر لی چاہی حب میں بے ان سے پوری صورت حال وضاحت کے ساتھ بیان کی، تو انہوں نے مجھ سے اتفاق کیا اور کہا کہ وہ خواہر لال کو مشورہ دیں گے کہ اپنے فیصلہ میں مناسب ترمیم کریں۔ جب خواہر لال بے معاملہ کو دوسرے رنگ میں پیش کیا تو گاندھی جی ان کی بات مان گئے اور حتماً اصرار ان کو کرنا چاہیے تھا، نہیں کیا۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ یو پی میں مسلم لیگ سے سمجھوتا نہیں ہو سکا۔ مسٹر جناح بے اس صورت حال سے پورا فائدہ اٹھایا اور پوری لیگ کو کانگریس کا مخالف بنا دیا۔ انتخابات

کے بعد مسٹر جناح کے بہت سے حامی ان کو چھوڑنے کے لئے تیار ہو گئے تھے، مگر اب وہ دوبارہ ان کو اپنے حلقہ میں شامل کرنے میں کامیاب ہو گئے۔

جواہر لال کی ۱۹۳۷ء کی غلطی کافی اہم تھی، مگر ۱۹۴۶ء کی غلطی اس سے بھی زیادہ نقصان دہ ثابت ہوئی۔ جواہر لال کی مدافعت میں کہا جاسکتا ہے کہ ان کو اس کی توقع نہیں تھی کہ مسام لیگ ڈائرکٹ ایکشن شروع کر دے گی مسٹر جناح عوامی تحریک کے کبھی بھی قائل نہیں تھے میں بے حود بھی اس بات کو سمجھنے کی کوشش کی ہے کہ مسٹر جناح میں یہ تبدیلی کس طرح ہو گئی غالباً ان کو توقع تھی کہ جب مسام لیگ، کیسٹ مشن پلان کو نامعلوم کر دے گی، تو برطانوی حکومت پورے معاملہ پر ار سر ہو غور کرے گی اور گفتگو کا سلسلہ پھر شروع ہوگا۔ وہ وکیل تھے اور غالباً انہوں نے سوچا ہوگا کہ اگر دوبارہ گفتگو ہوئی تو وہ اپنے مطالبوں کو اصرار کے ساتھ پیش کر کے کچھ اور حاصل کر لیں گے۔ مگر ان کا اندازہ غلط ثابت ہوا۔ برطانوی حکومت نے مسٹر جناح پر احسان کرنا مناسب نہیں سمجھا اور ار سر ہو گفتگو نہیں شروع کی۔

سر اسٹیفنڈ کرپس اس پوری مدت میں مجھ سے خط و کتابت کرتے رہے تھے۔ میں نے ان کو لکھا تھا کہ کیسٹ مشن نے کانگریس اور مسلم لیگ سے کچھ اوپر دو ماہ تک بحث و گفتگو کی ہے اور اس کے بعد ایک پلان مرتب کیا ہے، جس کو کانگریس اور لیگ دونوں نے منظور کر لیا ہے۔ یہ افسوس کی بات

ہے کہ مسلم لیگ اپنے اقرار سے ہٹ گئی، مگر اس کی ذمہ داری خود اسی پر ہے۔ اس کا نتیجہ یہ نہیں ہونا چاہئے کہ تمام مسائل پر دوبارہ گفتگو ہو۔ اگر ایسا کیا گیا تو اس کے معنی یہ ہوں گے کہ برطانیہ سے ہماری گفت و شنید کبھی کوئی آخری شکل اختیار نہیں کرے گی۔ اس کا رائے عامہ پر بہت برا اثر پڑے گا اور اس سے نئے مسائل اٹھ کھڑے ہوں گے۔ سر اسٹیفورڈ کرپس بے جواب دیا کہ انہیں مجھ سے اتفاق ہے۔ اور ان کا خیال ہے کہ حکومت کا رویہ بھی یہی ہوگا۔ جیسا میں سمجھتا تھا ویسا ہی ہوا۔ میں دکر کرچکا ہوں کہ ۱۲ اگست ۱۹۴۶ء کو وائسرائے نے ایک سرکاری اطلاع کے ذریعہ خواہر لال کو انٹرم حکومت سارے کی دعوت دی۔

ہم ۱۷ اگست کو ایسے حالات میں دہلی میں جمع ہوئے حکمہ کلکتہ اور دوسرے مقاموں کے فسادات بے دھا کو تاریک کر دیا تھا۔ ہم حاسے تھے کہ مسٹر حناح، حکومت میں شامل ہونے کی حو دعوت خواہر لال نے دی تھی، اسے قبول نہ کریں گے۔ دراصل، ان کا جواب، جس میں انہوں نے دعوت کو نامطور کیا تھا، ۱۶ ہی کو آچکا تھا۔ خواہر لال نے تعاون کے لئے دوبارہ درخواست کی اور کہا کہ مسلم لیگ کے لئے ہمیشہ دروازہ کھلا رہے گا، مگر اب بات اس قدر بڑھ گئی تھی کہ دوستانہ سمجھوتے کی گنجائش نہیں رہی تھی۔

## انٹرم حکومت

میں ذکر کر چکا ہوں کہ کانگریس نے انٹرم حکومت کی تشکیل کا کام پارلیمنٹری پارٹی کے سپرد کیا تھا۔ چنانچہ میں، خواہر لال، سردار پٹیل اور راجندر پرشاد اس سلسلے میں ۱۷ تاریخ کو ملے۔ میرے ساتھیوں کا اصرار تھا کہ مجھے انٹرم حکومت کی کابینہ میں شامل ہونا چاہئے، گاندھی جی کا بھی یہی خیال تھا۔ میرے لئے یہ مسئلہ بہت بڑا تھا لیکن بہت سوچنے کے بعد میں اس نتیجے پر پہنچا کہ مجھے الگ رہنا چاہئے۔ اس لئے میں نے مشورہ دیا کہ آصف علی کو کابینہ میں لے لیا جائے۔ آصف علی نے حبس میں رہنے کا اصرار کیا کہ خود مجھے کو کابینہ میں شامل ہونا چاہئے لیکن میں راضی نہ ہوا۔ میرے کئی احباب اس وقت سمجھتے تھے اور اب بھی سمجھتے ہیں کہ میرا فیصلہ غلط تھا۔ ان کا خیال تھا کہ جس بڑے دور سے ہم گزر رہے ہیں اس کا اور ملک کے مفاد کا تقاضہ یہی ہے کہ میں حکومت میں شامل ہوں۔ میں اس پر اکثر غور کرتا رہا ہوں اور اب میں یقین کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ میرا فیصلہ واقعی درست تھا۔ ممکن ہے کہ الگ رہنے کے بجائے حکومت میں شامل ہو کر میں ملک کی زیادہ خدمت انجام دے سکتا۔ اس وقت میرا خیال تھا کہ میں الگ

رہ کر زیادہ خدمت کر سکوں گا۔ لیکن اب میں یہ ضرور محسوس کرتا ہوں کہ اس وقت کابینہ کی رکنیت، کام کا زیادہ موقع فراہم کرتی۔

شملہ کانفرنس کے وقت میں بے اس بات پر اصرار کیا تھا کہ کابینہ میں پارسیوں کا بھی ایک نمائندہ ہونا چاہئے۔ اب جب کہ کانگریس حکومت بنا رہی تھی، میں بے اس بات پر پھر زور دیا۔ کچھ بحث و مباحثے کے بعد میرے ساتھیوں نے تحویر ماں لی۔ چونکہ پارسی زیادہ تر بمبئی اور آس پاس کے علاقوں میں رہتے ہیں، اس لئے ہم نے سوچا کہ پارسی نمائندے کے انتخاب میں سردار پٹیل زیادہ صحیح مشورہ دے سکتے ہیں چنانچہ ہم نے پارسی رکن کا انتخاب پٹیل پر چھوڑ دیا انہوں نے مسٹر ایچ۔ سی بھانہا کا نام تحویر کیا بعد کو پتہ چلا کہ مسٹر بھانہا سردار پٹیل کے لڑکے کے دوست ہیں اور کسی طرح بھی پارسیوں کے لیڈر یا ان کے نمائندہ نہیں تصور کئے جاسکتے ہیں۔ ہمارا انتخاب غلط ثابت ہوا اور کچھ ہی دنوں بعد وہ کابینہ سے الگ ہو گئے۔ ہم نے یہ بھی طے کیا کہ حکومت میں کوئی تجربہ کار ماہر معاشیات بھی ہونا چاہئے جو ہندوستان کا پہلا وزیر مالیات ہو۔ اس کے لئے ہم نے ڈاکٹر حان متھانی کو منتخب کیا اگرچہ وہ کسی لحاظ سے بھی کانگریسی نہیں تھے لیکن اس وقت صرف پارٹی کے لوگوں کو لینے کی کوئی سحت پابندی نہیں تھی۔

مسلم لیگ کو صرف مایوسی ہی نہیں تھی بلکہ اُس پر انتہائی عصبے کی کیفیت طاری تھی اس کو محسوس ہو رہا تھا کہ برطانیہ

بے اُس کو دھوکا دیا ہے۔ اس بے دلی اور دوسرے مقامات پر مظاہرے کرنے کی کوشش کی لیکن کامیاب نہ ہوئی بہر حال ملک میں ہر طرف تلخی اور بے چینی تھی اور لارڈ ویول سمجھے کہ لیگ کو انٹرم حکومت میں شامل ہونے پر راضی کرنا ضروری ہو گیا ہے اس لئے انہوں نے مسٹر حساح کو دلی بلایا وہ آئے اور لارڈ ویول سے اُن کی کئی ملاقاتیں ہوئیں آخر کار ۱۵ اکتوبر کو مسلم لیگ نے انٹرم حکومت میں شامل ہونے کا فیصلہ کر لیا اس عرصے میں لارڈ ویول سے میں کئی بار ملا اُن کا کہا تھا کہ انٹرم حکومت میں لیگ شامل نہ ہوئی تو کیسٹ مش کے منصوبے میں رحمہ پڑ سکا ہے انہوں نے کہا کہ فرقہ وارانہ فسادات ہو رہے ہیں اور جب تک لیگ حکومت میں نہیں شامل ہوگی یہ ہوتے رہیں گے میں نے کہا کہ کانگریس کی طرف سے لیگ کے شامل ہونے پر کبھی کوئی اعتراض نہیں تھا۔ درحقیقت میں نے اس بات پر بار بار زور دیا تھا کہ لیگ کو مرکزی حکومت میں شامل ہونا چاہئے خواہر لال بے حکومت میں شامل ہونے سے قبل اور بعد میں بھی کئی بار مسٹر حساح سے اشتراک عمل کی اپیل کی تھی۔ اس موقع پر میں نے انک اور بیاں شائع کیا جس میں میں نے کہا کہ کیسٹ مش کی تحاویر سے مسلم لیگ کے تمام وہ ابدیشے، جنہیں حق بحاب کہا جا سکتا ہے، دور ہو جاتے ہیں مجلس دستور ساز میں مسلم لیگ آرا دی کے ساتھ کام کر سکتی تھی اور اپنا نظریہ اُس کے سامنے پیش کر سکتی تھی۔ اس لئے مسلم لیگ کے پاس مجلس دستور ساز کو بائی کاٹ کرنے کا مطلق



کوئی حواری نہیں تھا۔ اس کے بعد حب میں لارڈ ویول سے ملا تو اُنہوں نے مجھ سے کہا کہ اُنہیں میری بات بہت پسند آئی تھی اور اُنہوں نے میرے بیان کی ایک نقل لیاقت علی خاں کو بھیجی تھی، اس درخواست کے ساتھ کہ اُسے مسٹر حجاج کو دکھلا دیں۔ اس موقع پر چند العاط اُن لوگوں کے بارے میں کہا چاہتا ہوں کہ مسٹر حجاج نے کابینہ کے لئے نامزد کیا تھا۔ لیاقت علی خاں کے علاوہ مسلم لیگ کے سب سے ممتاز اور تجربہ کار ایڈروں میں بنگال کے خواجہ باطم الدین اور یوپی کے نواب اسماعیل خاں تھے۔ یہ تقریباً ایک طے شدہ بات سمجھی جاتی تھی کہ اگر لیگ نے حکومت میں شریک ہونا منظور کیا تو یہی تیسوں لیگ کے نمائندے ہوں گے شملہ کانفرنس کے دوروں میں یہی تین نام بار بار لئے جاتے تھے اب جب کہ لیگ نے حکومت میں شامل ہونے کا فیصلہ کر لیا تو مسٹر حجاج نے ایک عجیب حرکت کی۔ خواجہ باطم الدین اور نواب اسماعیل خاں نے کانگریس اور لیگ کے جھگڑوں میں کبھی اتنا پسندی کا رویہ نہیں اختیار کیا تھا مسٹر حجاج اس پر ناحوش ہو گئے انہوں نے سوچا کہ یہ دونوں ان کے اشاروں پر چلنے سے انکار کریں گے۔ اس لئے انہوں نے فیصلہ کیا کہ وہ ان دونوں کو نہیں لیں گے۔ لیکن اگر یہ بات قبل از وقت معلوم ہو جاتی تو لیگ کی کونسل میں ہنگامہ برپا ہو سکتا تھا اس لئے انہوں نے پہلے لیگ کی کونسل سے ایک تحویر منظور کرائی جس کے مطابق اُن کو نامزدگی کا اختیار کلی سوپ دیا گیا۔ اس کے بعد انہوں نے ناموں کی فہرست لارڈ ویول کے پاس

بھیج دی ، نام یہ تھے ، لیاقت علی خاں ، چندریگر ، عبدالرب شتر  
غضنفر علی خاں اور حوگیدر ناتھ منڈل . منڈل کے بارے میں  
تو میں بعد میں کچھ کہوں گا ، لیکن دوسرے تین آدمی بالکل غیر  
معروف تھے . یہ ایسے چھپے رستم تھے جس کے بارے میں خود  
لیگ کے عمر کچھ نہیں جانتے تھے . اس میں شک نہیں کہ ایگ  
میں قومی حیثیت کے چند ہی لیڈر تھے اس لئے کہ اس بے  
سیاسی حدود و حدود میں شرکت نہیں کی تھی . تاہم اس کے عمروں  
میں حواہ ناظم الدین اور نواب اسماعیل خاں جیسے تحریر کار  
حاکم تھے . ان سب کو مسٹر حجاج کے تین ہی حضوریوں کی  
خاطر نظر انداز کر دیا گیا .

انٹرم حکومت کے لئے لیگ کے عمروں کے نام کا اعلان  
۲۵ اکتوبر کو ہوا ، حواہ ناظم الدین اور نواب اسماعیل خاں ایگ  
کے دوسرے لیڈروں کے ساتھ امیریل ہوٹل میں اس اعلان کا  
بے چینی سے انتظار کر رہے تھے . انہیں اور ان کے حامیوں کو  
پورا یقین تھا کہ انہیں گے نام پیش کئے جائیں گے اور مسلم  
لیگ کے بہت سے عمر ہار اور گلدستے لیکر آئے تھے . جب  
ناموں کا اعلان ہوا تو ہم سمجھ سکتے ہیں کہ ان کے غصے اور  
مایوسی کی کیا کیفیت ہوگی . مسٹر حجاج بے ان کی ساری امدادوں  
پر پانی ہی نہیں برف کا پانی پھیر دیا تھا .

اس سے بھی زیادہ مضحکہ خیز حرکت یہ تھی کہ مسلم لیگ  
بے اس فہرست میں - حوگیدر ناتھ منڈل کا نام شامل کیا . مسٹر  
حجاج بے ہر امکانی کوشش کی تھی کہ کانگریس صرف ہندو

کو نامرد کرے لیکن اس کے باوجود کانگریس بے ہندؤں کے  
کے علاوہ مسلمان، سکھ، پارسی، عیسائی اور شیڈیول کاسٹ کے  
نمائندوں کو ایکریکیوٹیو کونسل کے لئے نامرد کیا۔ مسٹر حناح بے  
سوچا کہ انہیں یہ ظاہر کرنا چاہئے کہ لیگ بھی دوسرے فرقوں  
کی نمائندگی کر سکتی ہے اس لئے انہوں نے ایک غیر مسلم کو  
اپنے نمائندوں میں شامل کرے کا فیصلہ کیا۔ اس خیال سے  
انہوں نے ہوگیڈر ہاتھ منڈل کو منتخب کیا یہ بات ان کے  
ذہن میں نہیں آئی کہ وہ اس طرح اپنے ہی مطالبے کی تردید  
کر رہے ہیں کہ کانگریس کو صرف ہندو اور مسلم لیگ کو  
صرف مسلمان نامرد کرے چاہئیں اس کے علاوہ ان کے انتخاب  
پر لوگوں کو ہنسی بھی آئی اور عصہ بھی۔ سگال میں حب مسٹر  
سپروردی نے مسلم لیگ کی وزارت سٹائی تھی تو اس میں  
ہوگیڈر ہاتھ منڈل تھا غیر مسلم عمر تھے اس وقت سگال میں  
یہ بالکل غیر معروف تھے اور ہندوستان میں ان کی کوئی حیثیت  
ہی نہیں تھی لیکن اب چونکہ لیگ نے انہیں نامرد کیا تھا اور  
انہیں کوئی نہ کوئی پورٹ فولیو دیا ضروری تھا اس لئے انہیں  
عمر قابوں پایا گیا اس زمانے تک بیشتر محکموں کے سیکریٹری  
انگریز تھے منڈل صاحب کو بھی ایک انگریز سیکریٹری ملا تھا  
جو برابر شکایت کیا کرتا تھا کہ منڈل جیسے عمر کے ساتھ کام  
کرنا بڑا مشکل ہے۔

اب چونکہ لیگ نے حکومت میں شامل ہونا منظور کر لیا تھا  
اس لئے کانگریس کو لیگ کے نمائندوں کے لئے جگہ نکالنے

کی خاطر حکومت کی اس سر نو تشکیل کرنی تھی، اور یہ فیصلہ کرنا تھا کہ کانگریس کے موحودہ اراکین میں سے کوئی عایدہ ہوجائے۔ مناسب سمجھا گیا کہ سرت چندر بوس، علی ظہیر اور سر شفاعت احمد خان مستعفی ہوجائیں تاکہ لیگ کے نمائندوں کو جگہ دی جاسکے۔ لارڈ ویول کی تجویز تھی کہ ایک اہم پورٹ فولیو لیگ کے نمائندے کو ملا چاہئے۔ وہ چاہتے تھے کہ ہم داخلی امور کے محکمے کو چھوڑ دیں لیکن سردار پٹیل نے جو اس وقت داخلی امور کے سر تھے، اس تجویز کی شدت سے مخالفت کی۔ میرا خیال تھا کہ اس و امان در اصل صوبائی ذمہ داری ہے اور کیسٹ مشن پلان میں جو خاکہ بنایا گیا تھا، اس میں مرکز کو اس و امان سے متعلق امور میں رائے نام ہی دخل تھا۔ اس لئے مرکزی وزارت داخلہ کو نئی تنظیم میں کوئی اہم حیثیت حاصل نہیں تھی۔ اس لئے میں لارڈ ویول کی تحویر کو منظور کرلیے کہ حق میں تھا لیکن سردار پٹیل اپنی بات پر اڑے رہے۔ انہوں نے کہا کہ اگر ہم نے اس پر اصرار کیا تو وہ حکومت سے دست بردار ہوجائیں گے مگر اس محکمے کو چھوڑنے پر راضی نہ ہوں گے۔

تب ہم لوگوں نے دوسرے امکانات پر غور کیا، رفیع احمد قدوائی نے تحویر کیا کہ محکمہ مالیات لیگ کو دیدیا جائے۔ اس میں شک نہیں کہ مالیات اہم ترین شعبوں میں سے ہے لیکن اس کے لئے خصوصی علم اور تجربہ درکار ہے اور لیگ کے پاس کوئی ایسا سر نہیں تھا جو اس کام کو سنبھال سکے۔ قدوائی

سمجھتے تھے کہ اس دقت کے پیش نظر لیگ اس پیش کش کو منظور نہیں کرے گی اگر ایسا ہوا تو کانگریس کا کوئی نقصان نہ ہوگا۔ اس کے برعکس اگر لیگ نے منظور کر لیا تو حو بھی اس کا عمر ہوگا وہ خود حماقتیں کر لے گا۔ دونوں شکلوں میں کانگریس کا فائدہ تھا۔

سردار پٹیل بے اس تحویر کو عیبت سمجھا اور انہوں نے اس کی پرزور تائید کی۔ میں بے اس بات کی طرف توجہ دلائی کہ مالیات بہت اہم شعبہ ہے اور اگر اسے لیگ کو دیدیا گیا تو ہمیں بڑی مشکلات کا سامنا کرنا پڑے گا۔ لیکن سردار پٹیل بے اس کا حواب یہ دیا کہ چونکہ لیگ اس شعبے کو سسہال ہی نہیں سکے گی اس لئے وہ اسے منظور نہیں کرے گی۔ میں اس فیصلے پر حوش نہیں تھا لیکن چونکہ سب متفق تھے اس لئے میں خاموش ہو گیا۔ چنانچہ وائسرائے کو اطلاع دیدی گئی کہ کانگریس مالیات کا شعبہ لیگ کے ہمر کو دیے پر تیار ہے۔

لارڈ ویول بے مسٹر جناح کو یہ اطلاع دیدی۔ انہوں نے کہا کہ وہ اس بارے میں اپنا حواب دوسرے روز دیں گے۔ عالاں شروع میں مسٹر جناح کو تامل تھا کہ اس پیش کش کو قبول کریں یا نہ کریں۔ انہوں نے فیصلہ کیا تھا کہ کابینہ میں لیگ کے خاص نمائندے لیاقت علی حاں ہوں گے۔ لیکن انہیں شک تھا کہ وہ مالیات کے کام کو مناسب طریقے سے کر بھی سکیں گے۔ محکمہ مالیات کے چودھری محمد علی بے جیسے ہی یہ خبر سنی ویسے ہی انہوں نے مسٹر جناح سے کہا کہ کانگریس کی پیش کش ایک

نعمت غیر متوقع اور لیگ کے لئے بہت بڑی فتح ہے۔ ان کو بالکل امید نہ تھی کہ کانگریس مالیات کا محکمہ لیگ کو سوپے پر تیار ہو جائے گی مالیات کا محکمہ لیگ کے ہاتھ میں ہوا تو اس کا حکومت کے ہر شعبے میں دخل ہو جائے گا۔ انہوں نے مسٹر حناح کو یقین دلایا کہ ڈریے کی قطعی کوئی بات نہیں ہے وہ لیاقت علی حان کی پوری مدد کریں گے اور اس کے ذمہ دار ہوں گے کہ لیاقت علی حان اپنے فرائض موثر طریقے سے انجام دیں چنانچہ مسٹر حناح نے اس تحویر کو منظور کر لیا اور لیاقت علی حان مالیات کے عہدہ سے گئے حلد ہی کانگریس نے محسوس کر لیا کہ لیگ کو مالیات کا شعبہ دیدیا بہت سہولت عطا تھی۔

ساری دنیا کے ملکوں میں وزیر مالیات کی حیثیت سیادی ہوتی ہے ہندوستان میں اسکی اہمیت اور بھی زیادہ تھی کیونکہ برطانوی حکومت وزیر مالیات کو اپنے معاد کا امین سمجھتی تھی یہ شعبہ ہمیشہ متحجب انگریزوں کے ہاتھ میں رہا جو خاص کر اس کام کے لئے لائے جانے تھے وزیر مالیات ہر شعبے میں دخل دے سکتا تھا اور اس کی پالیسی طے کرتا تھا لیاقت علی حان مالیات کے عہدہ پر ہو گئے تو حکومت کی ناگ ڈور ان کے ہاتھ میں آگئی۔ ہر شعبے کی ہر تحویر جہاں میں کے لئے ان کے پاس آتی تھی اس کے علاوہ انہیں ہر تحویر کو نامطور کرے کا حق تھا ان کے شعبے کی مطوری کے بغیر ایک چیراسی بھی کہیں نہیں رکھا جاسکتا تھا۔

سردار پٹیل امور داخلہ اپنے پاس رکھے پر مصر تھے۔ اب

وہ محسوس کرے لگے کہ لیگ کو محکمہ مالیات دیکر انہوں نے اپنے آپ کو اس کے حوالے کر دیا ہے۔ لیاقت علی حاں ان کی ہر تحویر کو یا تو نا منظور کر دیتے یا اس میں اتنے رد و بدل کر دیتے کہ وہ اصل سے بالکل محتاف ہوجاتی ان کی اس مسلسل مداخلت کی وجہ سے کانگریسی عمروں کے لئے موثر طریقے سے کام کرنا ناممکن ہو گیا۔ شعبوں کے درمیان اختلافات ہوئے لگے جو دن بدن بڑھتے رہے۔

حقیقت یہ ہے کہ انٹرم حکومت نے اُس وقت حم لیا حب لیگ اور کانگریس کو ادک دوسرے پر درا بھی اعتماد اور اعتبار نہ تھا لیگ کے انٹرم حکومت میں شریک ہوئے سے پہلے ہی وہ سہات جو لیگ کو کانگریس کی طرف سے تھے، شی کوسل کی تشکیل پر اثر انداز ہوئے لگے تھے ۱۹۴۶ء میں پہلی بار حب کوسل کی تشکیل ہوئی تو یہ سوال اٹھا تھا کہ محکمہ دفاع کس کے تحت ہو، ہم بیاں کر چکے ہیں کہ دفاع کے معاملے میں اختلاف، کریس مش کی ناکامی کا ایک بڑا سبب تھا کانگریس جانتی تھی کہ دفاع اس کے کسی معتبر آدمی کے اختیار میں ہو، لیکن لارڈ ویول کا کہنا تھا کہ اس کی وجہ سے مشکلات پیدا ہونگی ان کی خواہش تھی کہ دفاع کے مسئلے کو سیاست سے بالکل الگ رکھا جائے۔ اگر یہ محکمہ کسی کانگریسی کے تحت رہا تو مسلم لیگ کو بے بیاد الرامات تراشے کا بہانہ مل جائے گا ساتھ ہی انہوں نے یہ بات بھی واضح کر دی کہ اگر لیگ حکومت میں شامل ہوئی تو وہ دفاع کا محکمہ لیگ کے نمائندے کو سونپے

پر رصامد نہ ہوں گے۔ ان کی تحویز تھی کہ دفاع کا عمر نہ  
ہندو ہونا چاہئے اور نہ مسلمان۔ سردار بلدیو سنگھ اس وقت  
پنجاب کے ایک وزیر تھے ہم نے لارڈ ویول کی یہ تحویر مائل  
کہ انہیں دفاع کا عمر نہ دیا جائے۔

اس موقع پر ایک اور جھوٹے سے واقع کا ذکر کرنا چاہتا ہوں  
جس سے اندازہ ہوگا کہ لیگ کے نمائندوں کے دفاع میں کس  
قدر شہادت تھے، انٹرم حکومت بننے کے بعد یہ طے پایا تھا کہ  
کابینہ کے رسمی جلسوں سے پہلے سارے عمروں کا غیر رسمی جلسہ ہوا  
کرے گا۔ خیال تھا کہ اگر عمر غیر رسمی طور پر تبادلہ خیال کر لیا  
کریں گے تو ایک طرح کی رسم سی پڑ جائے گی کہ وائسرائے کی  
حیثیت صرف ایک آئینی صدر کی سی ہے۔ یہ جلسے باری باری سے  
عمران کونسل کے کمروں میں ہوا کرتے تھے۔ لیکن اکثر خواہر لال عمروں  
کو چائے پر مدعو کیا کرتے تھے۔ عموماً دعوت نامہ خواہر لال کا  
پرائیویٹ سکریٹری بھیجتا تھا۔ مسام لیگ کے حکومت میں شامل ہونے  
کے بعد پرائیویٹ سکریٹری نے دعوت نامہ کو دوسرے عمروں کے  
ساتھ لیگ کے نمائندوں کو بھی بھیجا۔ لیاقت علی خاں کو اس  
پر بڑا اعتراض ہوا۔ انہوں نے کہا کہ اس میں ان کی بڑی توہین  
ہوئی کہ خواہر لال کے سکریٹری نے انہیں چائے پر بلایا۔ اس کے  
علاوہ وہ سمجھتے تھے کہ کونسل کے نائب صدر کی حیثیت سے  
خواہر لال کو اس کا حق نہیں پہنچتا تھا کہ ایسے غیر رسمی جلسے  
کریں۔ اگرچہ انہوں نے خواہر لال کو یہ حق نہیں دیا لیکن خود  
لیگ کے نمائندوں کے ایسے ہی جلسے اپنے یہاں کرنے لگے۔



یہ ایک معمولی واقعہ ہے۔ لیکن اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ ایگ کس حد تک کانگریس کے ساتھ عدم تعاون پر متلی ہوئی تھی۔ آخری نصف اکتوبر میں خواہر لال بے ایک ایسا قدم اٹھایا جو غیر ضروری تھا اور جس سے میں بے اختلاف کیا۔ مگر ان کی طبیعت کچھ ایسی ہے کہ وہ اکثر باتیں حدبات سے متاثر ہو کر کر ڈالتے ہیں۔ عام طور پر وہ دوسروں کی رائے سے پر آمادہ رہتے ہیں لیکن کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ معاملے کے ہر پہلو پر عور کتے معیر وہ کوئی ویساہ کرتے ہیں اور اس پر عمل کرتے وقت اس کی پرواہ نہیں کرتے کہ نتیجہ کیا ہوگا۔

• صوبہ سرحد میں مسلمان بہت بڑی اکثریت میں تھے ۱۹۳۷ء اور ۱۹۴۶ء میں وہاں جو وزارتیں دیں ان پر کانگریس حاوی تھی۔ یہ خوش آئند صورت حال عبدالعبار حان اور حدائی خدمت گاروں کی وجہ سے پیدا ہوئی تھی حقیقت یہ ہے کہ صوبہ سرحد کے ہر معاملے میں ہم عبدالعبار حان اور ان کے بھائی ڈاکٹر حان صاحب پر بھروسہ کرے کے عادی ہو گئے تھے۔

عارضی حکومت کے قائم ہوتے ہی احکام جاری کتے گئے کہ وریرستان کے قنائیلیوں پر ہمساری سد کی جائے۔ اس اثنا میں خواہر لال کو سرکاری اطلاعات مل رہی تھیں کہ صوبہ سرحد کا کافی بڑا طبقہ کانگریس اور حان بھائیوں کے خلاف ہے۔ مقامی افسر بار بار یہ کہتے تھے کہ کانگریس کی مقبولیت کم ہوگئی ہے اور بہت سے لوگ کانگریس کی جگہ لیگ کی حمایت کرے لگے ہیں۔ خواہر لال ان اطلاعات کو غلط اور ان انگریز افسروں

کی اختراع سمجھتے تھے جو کانگریس کے دشمن تھے لارڈ ویول  
خواہر لال سے متفق نہیں تھے لیکن ساتھ ہی وہ ان اطلاعات کو  
حرف بہ حرف صحیح بھی نہیں سمجھتے تھے۔ ان کا خیال تھا کہ  
صوبہ سرحد میں دونوں پارٹیوں کی مقبولیت تقریباً برابر برابر ہے  
لیکن کانگریس یہ سمجھتی تھی کہ صوبہ سرحد کی بہت بڑی اکثریت  
خان بھائیوں کے ساتھ ہے خواہر لال نے کہا کہ وہ صوبہ سرحد  
کا دورہ کریں گے اور خود حالات کا جائزہ لیں گے

مجھے جب معلوم ہوا تو میں نے خواہر لال سے کہا کہ انہیں  
عجلت میں کوئی قدم نہیں اٹھانا چاہئے۔ صوبہ سرحد کی صحیح  
صورت حال کا اندازہ لگانا بہت مشکل ہے، تقریباً ہر صوبے میں  
فرقہ بندی ہے اور صوبہ سرحد میں بھی خان بھائیوں کے خلاف  
کوئی جماعت ہوگی حال ہی میں کانگریس نے مرکزی حکومت  
کی دمہ داری سنبھالی ہے اور انہی اس کے قدم ٹھیک سے حمے  
بھی نہیں ہیں، اس موقع پر اگر انہوں نے صوبہ سرحد کا دورہ  
کیا تو محالوں کو کانگریس کے خلاف بطیم کا اچھا موقع مل  
جائے گا۔ چونکہ افسروں کی اکثریت بھی کانگریس کے خلاف ہے  
اس لئے یہ لوگ اگر عملاً ان عناصر کی مدد نہیں کریں گے تو  
ان سے ہمدردی ضرور کریں گے، اس لئے مناسب ہے کہ وہ اپنا  
دورہ آئندہ کسی مناسب وقت کے لئے اٹھا رکھیں۔ گاندھی جی  
کی بھی یہی رائے تھی لیکن خواہر لال اپنے فیصلے پر قائم رہے  
اور انہوں نے کہا کہ نتیجہ چاہیے جو کچھ بھی ہو وہ جائیں گے ضرور  
خان بھائیوں کا دعویٰ بھی غلط نہیں تھا کہ سرحد کی اکثریت

ان کی حامی ہے لیکن انہوں نے اپنے اثر کا اندازہ کرے میں کچھ سالے سے کام لیا تھا یہ بات قدرتی تھی، عموماً لوگ اپنی طاقت کو حقیقت سے زیادہ سمجھتے ہیں غالباً حاکم بھائی ہم لوگوں پر یہ بھی حتمی چاہتے ہوں گے کہ ہندوستان کے دوسرے صوبوں میں اختلافات ہیں مگر صوبہ سرحد مکمل طور پر کانگریس کے ساتھ ہے ہر کیف حقیقت یہ تھی کہ وہاں کا کافی بڑا اور با اثر طبقہ حاکم بھائیوں کے خلاف تھا ان کے مخالف عناصر کو حاکم صاحب کی وزارت کے رعبے میں اور بھی طاقت پیدا کرے کا موقع مل گیا تھا حاکم صاحب کو پورے صوبے کو اپنا حامی بنانے کا بڑا اچھا موقع ملا تھا لیکن ان کی کچھ غلطیوں کی وجہ سے ان کے محالوں کے ہاتھ بہت مضبوط ہو گئے تھے ان میں سے بعض غلطیاں حاکم ذاتی اور آداب زندگی سے متعلق تھیں سرحد کا پنہاں بہت حیات مشہور ہے وہ اپنی روٹی کے ٹکڑے میں بھی مہمان کو خوشی سے شریک کرتا ہے اور اس کا دسترخوان ہر شخص کے لئے بچھا رہتا ہے وہ دوسروں سے بھی اور خصوصاً ان لوگوں سے جو سوسائٹی میں اعلیٰ حیثیت رکھتے ہیں ایسی ہی تواضع کی توقع کرتا ہے کجحوسی اور اخلاق کی کمی پنہاں کو بہت جلد برگشتہ کر دیتی ہے بد قسمتی سے اس معاملے میں حاکم بھائی اپنے پیروؤں کی توقعات کسی طرح پوری نہ کر سکے

یہ دونوں کھاتے پیتے لوگ تھے لیکن بد قسمتی سے ان میں اخلاق کا مادہ نہیں تھا۔ ڈاکٹر حاکم صاحب بے چیف مسٹر سے

کے بعد بھی شاید ہیں کسی کو کھانا کھلایا ہو۔ اگر اتفاق سے کوئی شخص کھانے یا چائے کے وقت آجاتا تو اس سے بھی اخلاقاً کھانے پینے کے لئے نہ کہا جاتا۔ ان کی طبیعت کا نخل سرکاری روپے کے خرچ میں بھی ظاہر ہوتا تھا۔ عام انتخابات کے زمانے میں کانگریس بے خرچ کے لئے انہیں کافی بڑی رقم دی لیکن اس میں سے انہوں نے کم سے کم خرچ کیا۔ بہت سے امیدوار صرف اس لئے ہار گئے کہ انہیں وقت سے مالی مدد نہیں ملی۔ بعد کو جب ان لوگوں کو معلوم ہوا کہ روپیہ تھا اور بیکار پڑا رہا تو یہ حان بھائیوں کے کٹر دشمن ہو گئے۔ ایک بار پیشاور سے کچھ لوگ انتخابات کے احراحات کے سلسلے میں کلکتہ آئے۔ چائے کا وقت تھا اس لئے میں بے چائے اور بسکٹ پیش کئے۔ ان میں سے کچھ لوگ سکٹوں کو حیرت سے دیکھے لگے۔ ایک شخص بے سکٹ ہاتھ میں لے کر عھ سے اس کا نام پوچھا۔ معلوم ہوتا تھا انہیں یہ سکٹ بہت پسند آئے تھے۔ ان لوگوں نے کہا کہ ایسے ہی سکٹ انہوں نے ڈاکٹر خان صاحب کے یہاں بھی دیکھے تھے لیکن وہاں انہیں کبھی یہ سکٹ یا ایک پیالی چائے تک نہیں پیش کی گئی۔

سہ ۱۹۴۶ء میں واقعی صورت حال یہ تھی کہ حان بھائیوں کو سرحد کے اتنے لوگوں کی حمایت حاصل نہیں تھی جتنی کہ دلی میں ہم سب سمجھتے تھے۔ خواہر لال جب پیشاور پہنچے تو ان پر یہ حقیقت بہت ناحوشگوار طریقے سے ظاہر ہوئی۔ اس وقت ڈاکٹر خان صاحب چیف منسٹر تھے اور صوبے کی وزارت کانگریسی

وزارت سمجھی جاتی تھی۔ میں پہلے ذکر کر چکا ہوں کہ انگریز افسر کانگریس کے خلاف تھے اور انہوں نے لوگوں کو وزارت کے خلاف لوگوں کو کافی اُکسا رکھا تھا۔ چنانچہ جب جواہر لال پیشاور کے ہوائی اڈے پر اترے تو پٹھانوں نے مخالفانہ نعروں اور کالی جھنڈیوں سے ان کا استقبال کیا۔ ڈاکٹر حان صاحب اور دوسرے وررا جواہر لال کے حیر مقدم کے لئے پولیس کی پاب میں آئے تھے اور ان کی موحودگی بالکل بے اثر ثابت ہوئی۔ جواہر لال کے باہر نکلتے ہی نعرے بلند کئے گئے اور مجمع میں سے کچھ لوگوں نے جواہر لال کی کار پر حملہ کرنا چاہا۔ ڈاکٹر حان صاحب اتنے پریشان ہوئے کہ انہوں نے اپنا ریوالور نکال لیا۔ صرف اس دھمکی سے ڈر کر لوگوں نے راستہ دے دیا۔ لیکن کار کو پولیس کی ساد میں جانا پڑا۔

دوسرے ہی روز جواہر لال قناتی علاقے کے دورے پر روانہ ہو گئے انہوں نے ہر جگہ لوگوں کی ایک بڑی تعداد کو اپنا مخالف پایا۔ ان کے خلاف جو مظاہرے کئے گئے ان کے ذمہ دار وریرستان کے ملک تھے۔ بعض مقامات پر تو ان کی کار پر پتھر پھینکے گئے، اور ایک پتھر جواہر لال کی پیشانی پر لگا۔ ڈاکٹر حان صاحب اور ان کے ساتھی اتنے بے س معلوم ہوتے تھے کہ جواہر لال کو حالات پر قابو پانے کی تدبیریں خود کرنی پڑیں۔ انہوں نے نہ کمزوری دکھائی، نہ خوف بلکہ بڑی جرات سے کام لیا اور پٹھان ان کی مردانہ ہمت سے بہت متاثر ہوئے۔ وہاں سے واپسی پر لارڈ ویول نے ان واقعات پر اظہار افسوس کیا۔ وہ چاہتے تھے

کہ افسروں کے روئے کے بارے میں باقاعدہ تحقیقات کی جائے۔  
خواہر لال اس پر راضی نہیں ہوئے کہ ان افسروں کے خلاف  
کوئی کارروائی کی جائے۔ لارڈ ویول اس سے بہت متاثر ہوئے اور  
مجھے بھی خواہر لال کی فراح دلی بہت پسند آئی

کانگریس اور مسلم لیگ دونوں بے شروع میں کیسٹ مش کے  
پلان کو منظور کیا تھا۔ جس کا مطلب یہ تھا کہ مجلس دستور ساز  
کی تحویر بھی انہیں منظور ہے کانگریس اب بھی اس پلان کے  
حق میں تھی اس کی طرف سے صرف ایک اعتراض آسام کے  
کچھ لیڈروں بے گروپ ”سی“ کی تشکیل کے بارے میں کیا  
تھا ان کے دہس پر یہ حابے کیوں سگال کا خوف طاری تھا۔  
ان کا کہا تھا کہ اگر سگال اور آسام کو ایک گروپ میں رکھا  
گیا تو اس پورے علاقے پر مسلمانوں کا تسلط ہو جائے گا آسام  
کے لیڈروں بے یہ اعتراض کیسٹ مش پلان کا اعلان ہوتے ہی  
کیا تھا شروع میں گاندھی جی بے کیسٹ مش کے پلان کو منظور  
کر لیا تھا اور یہ کہا تھا کہ یہ پلان اس بدقسمت خطہ زمین کو  
مصائب اور آلام سے نجات دلائے کے امکانات رکھتا ہے۔  
ابوں بے یہ ہریس میں لکھا تھا کہ ”کیسٹ مش کے اعلان  
پر چار رور تک عور کرے کے بعد مجھے یقین ہو گیا ہے کہ  
موجودہ حالات میں برطانوی حکومت اس سے بہتر تحویر تیار  
نہیں کر سکتی تھی“

آسام کے چیف مسٹر گوپی ناتھ نارڈولی پلان کی مخالفت پر  
قائم رہے اور ابوں بے آسام اور سگال کو ایک گروپ میں

رکھے کی تحویر کے خلاف ورکگ کمیٹی میں ایک میمورینڈم پیش کیا کمیٹی میں ہم لوگوں کا خیال تھا کہ اب اس مسئلے کو نہیں اٹھانا چاہیے اپنے آسام کے ساتھیوں کے اعتراض کو ایک حد تک دور کرے کے لئے، مگر بیشتر اصول کی بنا پر، ہم بے مجلس دستور سار کے اسحانات میں یوروپین عمروں کی شرکت کا سوال اٹھایا۔ میں بے وائسرائے کو لکھا کہ اگر مجلس دستور سار کے اسحانات میں سگال اور آسام کی اسمایوں کے یوروپین عمر امیدوار کی حیثیت سے کھڑے ہوئے یا انہوں نے انتخاب میں حصہ لیا، تو شاید کانگریس اس پورے پلان ہی کو نامعلوم کر دے۔ یہ اعتراض اس طرح سمجھا ہوا کہ یوروپین عمروں نے خود اتلان کیا کہ وہ اپنی نمائندگی نہیں چاہیں گے مگر اس اتنا میں گاندھی جی کے خیالات بدل گئے تھے اور اب وہ باردولی کی پوری حمایت کرے لگے تھے حواہر لال عھ سے متفق تھے کہ آسام کے لیڈروں کے شہات بے حا ہیں اور انہوں نے ان لیڈروں کو سمجھایا کہ اپنی اس بھر کوشش بھی کی بدقسمتی سے یہ لوگ نہ میری بات سے پر راضی تھے اور نہ حواہر لال کی۔ اس کی خاص وجہ یہ بھی تھی کہ گاندھی جی ان کے ساتھ تھے اور ان کی حمایت میں بیانات جاری کر رہے تھے۔ ہر حال حواہر لال ثابت قدم رہے اور میری حمایت کرتے رہے۔

میں کہہ چکا ہوں کہ کیسٹ مش کے پلان کو ایگ کے نامعلوم کر دیے کی وجہ سے ہم بہت متفکر تھے۔ لیگ کے اعتراضات کو رفع کرے کے لئے ورکگ کمیٹی نے جو قدم اٹھایا اس کا بھی ذکر

آچکا ہے۔ ۱۰ اگست کی قرارداد میں ہم بے واضح کر دیا تھا کہ اگرچہ اس پلان کی بعض تجاویز سے ہم مطمئن نہیں ہیں لیکن اس کے باوجود ہمیں پوری اسکیم منظور ہے۔ مسٹر حجاج کے لئے یہ بھی کافی نہیں تھا۔ دلائل کے علاوہ، جن کا ذکر آچکا ہے، ان کا یہ بھی کہا تھا کہ ورکنگ کمیٹی بے صاف الفاظ میں اس بات کو نہیں تسلیم کیا ہے کہ صوبے اسی گروپ میں شامل ہوں گے جس میں شامل ہونا پلان میں مدِ نظر تھا۔ برطانوی حکومت اور لارڈ ویول دونوں اس معاملے میں لیگ کے ہم خیال تھے

میں برابر کوشش کرتا رہا کہ متادلہ خیالات کے درمیان حتمی اختلافات مٹائے جاسکیں مٹائے جائیں۔ لارڈ ویول نے اس سلسلے میں میری پوری مدد کی اسی وجہ سے وہ مسلم لیگ کو انٹرم حکومت میں شریک کرنا چاہتے تھے۔ انہوں نے میرے اعلان کو بہت پسند کیا۔ انہیں دل سے اس بات کا یقین تھا کہ ہندوستان کے مسائل کا کیسٹ مشن کے پلان سے بہتر حل ناممکن ہے۔ وہ مجھے بار بار کہتے تھے کہ مسلم لیگ کے راویہ نگاہ سے بھی اس سے بہتر حل ناممکن ہے۔ چونکہ کیسٹ مشن کا پلان زیادہ تر میرے ۱۵ اپریل کے بیان پر مبنی تھا اس لئے ظاہر ہے میں بے ان سے اتفاق کیا۔

مسٹر ایٹلی ہندوستان کی سیاسی سرگذشت میں ذاتی دلچسپی لے رہے تھے۔ ۲۶ نومبر ۱۹۴۶ء کو انہوں نے لارڈ ویول اور کانگریس اور لیگ کے نمائندوں کو لندن بلایا تاکہ گتھی کو سلجھانے کی ایک اور کوشش کی جائے، شروع میں تو کانگریس اس دعوت



کو منظور کرے پر آمادہ نہیں تھی در حقیقت خواہر لال نے لارڈ ویول سے کہہ بھی دیا کہ مرید گھنگو کے لئے لندن جانے سے کچھ حاصل نہ ہوگا۔ تقریباً سارے ہی مسائل پر بار بار گھنگو ہوجکی ہے اور اب ان کو پھر اٹھائے سے فائدے کے بجائے نقصان پہنچے گا۔

لارڈ ویول خواہر لال سے متفق نہیں تھے اور انہوں نے مجھ سے اور تفصیلی گھنگو کی انہوں نے کہا کہ اگر مسلم لیگ کا موحودہ رویہ قائم رہا تو اس کا اثر صرف انتظامی امور ہی پر نہیں پڑے گا بلکہ ہندوستان کے مسائل کا پُر امن حل رور رور مشکل ہوتا جائے گا۔ لندن میں گھنگو سے ایک یہ فائدہ بھی ہوگا کہ وہاں لیڈروں کو حقیقتوں کو سامنے رکھ کر ٹھنڈے دل سے غور کرے کا موقع ملے گا۔ یہ ان پر مقامی دباؤ پڑے گا اور یہ ان کے حامی بیچ بیچ میں دحل دے سکیں گے۔ لارڈ ویول نے یہ بھی کہا مسٹر ایٹلی ہندوستان کے دوست ہیں اور گھنگو میں ان کی شرکت معید ہوسکتی ہے۔

میں لارڈ ویول کی دلیلوں سے متاثر ہوا اور میں نے اپنے ساتھیوں کو اپنا طریقہ بدلنے پر آمادہ کر لیا۔ تب یہ طے پایا کہ خواہر لال کانگریس کی نمائندگی کریں۔ مسٹر حناح اور ایافت علی لیگ کے نمائندے تھے اور سردار بلدیو سنگھ سکھوں کے نمائندے بن کر گئے۔ ۳ دسمبر سے ۶ دسمبر تک گھنگو ہوتی رہی لیکن اس سے کوئی خاص نتیجہ برآمد نہیں ہوا۔

بڑے اختلافات اُن شقوں کی تشریح کے بارے میں تھے جو

پلان کی محورہ گروپ بندی سے متعلق تو ہیں مسٹر حجاج کا کہا تھا کہ مجلس دستور ساز کو پلان کے ڈھانچے میں کسی قسم کی تبدیلی کا حق نہیں ہے۔ گروپ بندی پلان کا لازمی حصہ ہے اور اس میں اگر کسی قسم کی تبدیلی ہوئی تو معاہدے کی سیاد ہی بدل جاتی ہے۔ منصوبے میں اس کی رعایت رکھی گئی تھی کہ جب گروپ ملک کا دستور بنا لیں گے تو کسی بھی صوبے کو اختیار ہوگا کہ اس سے الگ ہو جائے۔ مسٹر حجاج کے خیال میں ان صوبوں کے لئے جو اپنے گروپ سے الگ ہونا چاہتے تھے، تحفظ کافی تھا لیکن آسام کے کانگریسی لیڈروں کا یہ نظریہ تھا کہ اگر کوئی صوبہ چاہے تو شروع ہی سے اپنے محورہ گروپ سے الگ رہ سکتا ہے۔ یہ الفاظ دیگر مسٹر حجاج کا کہا تھا کہ پہلے صوبوں کو اپنے اپنے گروپ میں شامل ہونا چاہیے اور بعد میں اگر ان کی خواہش ہو تو وہ الگ ہوسکتے ہیں۔ اس کے برعکس آسام کے لیڈروں کا کہا تھا کہ صوبے شروع میں الگ رہ سکے ہیں اور بعد میں اگر وہ چاہیں تو گروپ میں شامل ہوسکیں گے۔ کیسٹ مشن اس مسئلے میں لیگ کی تشریح کو درست مانتا تھا۔ مسٹر حجاج نے کہا کہ انہوں نے مرکز، صوبوں اور گروپوں کے درمیان اختیارات کی تقسیم کی سیاد پر ہی لیگ کو یہ پلان منظور کرے پر آمادہ کیا ہے۔ آسام کے لیڈر اس سے متفق نہیں تھے۔ تھوڑی سی بچکچاہٹ کہے بعد گاندھی جی بھی اس تشریح کی تائید کرے لگے جو ان لیڈروں نے کی تھی۔ مجھے اس کا اعتراف کرنا پڑتا ہے کہ مسٹر حجاج کے دعوے میں حاصی صحت تھی۔

۶ دسمبر کو کیسٹ مش بے ایک اور بیاں جاری کیا جس میں گروپ بندی سے متعلق لیگ کے نظرئے کو صحیح ٹھہرایا، ایک اس سے لیگ اور کانگریس کے درمیان اختلاف کم میں ہوا۔

۱۱ دسمبر سے ۱۹۴۶ء کو محاس دستور سار کی پہلی نشست ہوئی۔ سوال اٹھا کہ محاس کا صدر کون ہو۔ خواہر لال اور پٹیل چاہتے تھے کہ کسی ایسے آدمی کو صدر بنایا جائے جو وزارت میں نہ ہو۔ ان دونوں نے مجھ پر زور دیا کہ میں اس عہدے کو قبول کر لوں ایک میں اس پر راضی نہیں تھا۔ اور کئی نام تحویر ہوئے لیکن کسی پر اتفاق رائے نہ ہوسکا آخر کار ڈاکٹر راجندر پرشاد کو منتخب کیا گیا اگرچہ یہ حکومت کے رکن تھے یہ بہت مناسب انتخاب ثابت ہوا کہ کیونکہ انہوں نے بہت امتیاز کے ساتھ اپنے فرائض انجام دئے اور کئی بارک معاملوں میں بہت قیمتی مشورے دئے

میں دکر کر چکا ہوں کہ ستمبر سے ۱۹۴۶ء میں جب اثرم حکومت بنی تو گاندھی جی اور میرے ساتھیوں نے اصرار کیا کہ میں اس میں شریک ہو جاؤں۔ لیکن میرا خیال تھا کہ کانگریس کے لیڈروں میں سے کم از کم ایک پرانے آدمی کو حکومت سے باہر رہنا چاہیے۔ میں سمجھتا تھا کہ اس طرح میں مصفاہ طریقے سے حالات کا حائرہ لے سکوں گا۔ جنانچہ میں نے آصف علی کو وزارت میں شامل کر دیا۔ اثرم حکومت میں لیگ کی شرکت کے بعد نئی مشکلات پیدا ہو گئیں اور اب میری شمولیت کا سوال پھر اٹھا۔

گاندھی جی اب پہلے سے بھی زیادہ مُصر تھے۔ انہوں نے کہا میرا ذاتی طریقہ جو بھی ہو، ملک کے معاد کی خاطر وزارت میں شامل ہونا میرا فرض ہے۔ انہوں نے یہ بھی کہا کہ میرے وزارت میں نہ ہوئے سے نقصان پہنچ رہا تھا۔ حواہر لال کا بھی یہی خیال تھا۔

گاندھی جی کی رائے تھی کہ محکمہ تعلیم میرے لئے نہایت موروں رہے گا اور ملک کا اصل معاد بھی اسی میں ہے۔ انہوں نے کہا کہ آزاد ہندوستان کا یہ بنیادی مسئلہ ہے کہ مستقبل میں تعلیم کا نظام کیا ہو۔ چنانچہ ۱۵ جنوری ۱۹۴۷ء کو میں نے محکمہ تعلیم کی ذمہ داری سسہال لی اس وقت تک تعلیم کے ممبر راج گوپال آچاری تھے۔

میں نے تعلیم کے میدان میں جس پالیسی اور پروگرام پر عدل کیا وہ ایک الگ کتاب کا موضوع ہوگا۔ ان مسائل پر میرے خیالات یکجا کر کے کتابی شکل میں شائع کئے جا چکے ہیں، اس لئے میں یہاں اس بارے میں کچھ نہیں کہوں گا، بلکہ صرف ملک کے تمام سیاسی حالات سے بحث کرنا چاہتا ہوں جو لیگ اور کانگریس میں نا اتفاق کی وجہ سے روز بروز نازک تر اور مشکل تر ہوتے جا رہے تھے۔

میں بیان کر چکا ہوں کہ لیگ کے عمروں کی وجہ سے اگریکیوٹیو کونسل میں ہمارے لئے قدم قدم پر کتنی رکاوٹیں پیدا ہو رہی تھیں۔ یہ لوگ حکومت بھی کر رہے تھے۔ اور حکومت کے مخالف بھی تھے اور واقعی صورت کچھ ایسی تھی کہ وہ ہماری

ہر کارروائی کی بیخ کی کر سکتے تھے۔ وزیر مالیات کے اختیارات کی وسعت کو اتنا تک پہنچا دیا گیا تھا اور ہم کو ایک بیا صدمہ اس وقت پہنچا جب لیاقت علی بے اگلے سال کا بجٹ پیش کیا۔ یہ علاوہ کانگریس کی پالیسی تھی کہ معاشی اویچ بیچ کو ختم کیا جائے اور رفتہ رفتہ سرمایہ دارانہ نظام کی جگہ ایک سوشلسٹ نظام قائم کیا جائے۔ کانگریس کے الکس میو فیسٹو میں بھی یہی کہا گیا تھا۔ دوراں جنگ میں مختلف قسم کے سرمایہ داروں بے حو مافع کمایا تھا اُس کے بارے میں حواہر لال بے اور میں بے بیانات بھی جاری کئے تھے۔ یہ بات عام طور پر معلوم تھی کہ اس رقم کا بہت بڑا حصہ چھپا دیا گیا ہے اور اُس پر انکم ٹیکس نہیں ادا کیا گیا ہے، جس کا مطالبہ یہ تھا کہ حکومت اس بڑی رقم سے محروم ہو گئی ہے۔ ہمارا خیال تھا کہ حکومت ہند کو ان ٹیکسوں کو وصول کرے کے لئے، حو واحد تھے مگر ادا نہیں کئے گئے تھے، سخت کارروائی کرنی چاہئے

ایاقت علی حان نے ایک ایسا بحث مرتب کیا حو بظاہر کانگریس کے اعلانات کے مطابق تھا، لیکن دراصل اُس کا مقصد کانگریس کو بدنام کرنا تھا، اس طرح کہ کانگریس کے مطالبات بالکل ناقابل عمل صورت میں پیش کئے گئے۔ ان کی ٹیکس کی تجاویز بے ملک کے دولت مند طبقے کو مجلس بنا کر، صعت و حرقت کو ایک مستقل نقصان پہنچایا ہوتا ساتھ ہی انہوں بے یہ بھی تحویز کیا کہ ایک کمیشن مقرر کیا جائے حو غیر ادا شدہ ٹیکسوں کے بارے میں تحقیقات اور ان کی وصولی کا انتظام کرے۔

یہ تو ہم سب چاہتے تھے کہ دولت کی تقسیم میں زیادہ سے زیادہ مساوات پیدا کی جائے، اور ان لوگوں سے محاسبہ کیا جائے۔ جنہوں نے ٹیکس نہیں ادا کئے تھے اس لئے ہم لوگ اصولی طور پر لیاقت علی کے بحث کے خلاف نہیں تھے کابینہ کے جلسے میں اس سوال کو اٹھاتے ہوئے لیاقت علی حاکم نے کہا کہ ان کی تحاویر کانگریس کے ذمہ دار لیڈروں کے بیانات پر مبنی ہیں۔ انہوں نے اس کا اعتراف کیا کہ اگر حواہر لال نے بیانات نہ دئے ہوتے تو ان کا ذہن اس طرف جاتا بھی نہیں اس موقع پر انہوں نے بحث کی تفصیلات نہیں بتائیں۔ جہاں تک عام امور کا تعلق تھا ہم نے ان سے اتفاق ظاہر کیا۔ اس طرح کابینہ کی منظوری حاصل کر لیں کے بعد انہوں نے بحث ایسی تحاویر کی بنا پر مرتب کرنا شروع کیا جس میں صرف انتہا پسندی ہی نہیں تھی بلکہ قوم کے معاشی نظام کو نقصان پہنچانے کی نیت بھی تھی۔

لیاقت علی حاکم کی تحاویر سب کر ہمارے کچھ ساتھی حیران رہ گئے۔ کچھ ایسے تھے جو حمیہ طریقے سے سرمایہ داروں سے ہمدردی رکھتے تھے کچھ ایسے تھے جو ایمانداری سے یہ سمجھتے تھے کہ لیاقت علی کے بحث میں معاشی مسائل نہیں بلکہ سیاسی مقاصد مدبّر ہیں۔ سردار پٹیل اور راجہ گوپال آچاری تو اس کے بہت ہی شدید مخالف تھے، کیونکہ ان کے خیال میں لیاقت علی ملک کو فائدہ پہنچانے سے زیادہ سرمایہ داروں اور کاروباری لوگوں کو ستانے کے درپے تھے، اور ان کی نیت دراصل یہ تھی کہ کاروباری

طبقے کو نقصان پہنچے کیونکہ اس کی اکثریت ہندو تھی۔ راجہ جی بے کابینہ میں علانیہ اس کی مخالفت کی اور یہ بھی اشارتاً کہا کہ اس میں فرقہ واریت کی بو آتی ہے۔ میں بے اپنے ساتھیوں کو سمجھایا کہ تجاویز کانگریس کی اعلان کردہ پالیسی کے مطابق ہیں اس لئے ہم ان کے اصول پر اعتراض نہیں کر سکتے۔ ہمیں چاہئے کہ ہم ان تجاویز کو الگ الگ جانچیں اور ان میں سے جو ہمارے اصول کے مطابق ہوں ان کی حمایت کریں۔

صورت حال بہت نازک تھی۔ مسلم لیگ بے پہلے کیسٹ مشن پلان کو منظور اور پھر نامعلوم کیا تھا۔ مجلس دستور ساز کے اجلاس ہو رہے تھے لیکن لیگ بے اس کا بائیکاٹ کر دیا تھا، اگرچہ سارا ملک آزادی کے مطالبے پر متفق اور متحد تھا۔ ایک طرف لوگ آزادی حاصل کرے کے لئے بے چین تھے دوسری طرف فرقہ وارانہ مسائل کا کوئی حل نہیں نظر آ رہا تھا اس کا واحد حل کیسٹ مشن پلان تھا مگر اس کے باوجود ہم ایک دھماکے سے طے کر کے اپنے اختلافات دور نہیں کر پاتے تھے۔

برطانیہ کی لبر حکومت اس شش و پنج میں تھی کہ اسے موجودہ حالات کو قائم رہنے دینا چاہئے یا خود اپنی ذمہ داری پر کوئی قدم اٹھانا چاہئے۔ مسٹر ایٹلی کا خیال تھا کہ معاملات ایسی منزل پر پہنچ گئے ہیں کہ اب تعطل بہت نقصان دہ ہوگا اور اس لئے ضروری ہے کہ کوئی صاف اور قطعی فیصلہ کر لیا جائے۔ چنانچہ انہوں نے فیصلہ کیا کہ برطانوی حکومت کے اقتدار سے دست بردار ہونے کی ایک تاریخ مقرر کر دی جائے۔ لارڈ ویول

کو ایسی کسی تاریخ کا اعلان کرے کی رائے سے اتفاق نہیں تھا ان کی خواہش تھی کہ کیسٹ مش کے پلان پر قائم رہا جائے کیونکہ وہ صرف اسی کو ہندوستان کے مسائل کا ممکن حل تصور کرتے تھے۔ ان کا یہ بھی خیال تھا کہ برطانوی حکومت اپنا فرض نہیں ادا کرے گی، اگر اس بے فرقہ وارانہ مسائل کے حل ہونے سے پہلے سیاسی اختیارات منتقل کر دئے۔ ہندوستان میں جذبات اس حد تک مشتعل ہو چکے تھے کہ ذمہ دار لوگ بھی ان کی رو میں نہ گئے تھے۔ ایسی فضا میں برطانیہ کی دست برداری کا نتیجہ یہ ہوگا کہ سارے ملک میں بلوے اور فسادات بڑے پیمانے پر شروع ہو جائیں گے اس لئے انہوں نے مشورہ دیا کہ موجودہ صورت حال برقرار رکھی جائے اور دونوں بڑی پارٹیوں کے درمیان معاہدہ کی ہر طرح سے کوشش جاری رکھی جائے، ان کو یقین راسخ تھا کہ اگر انگریز کانگریس اور لیگ میں معاہدہ کرائے بغیر ہندوستان سے رحمت ہو گئے۔ تو یہ ہندوستان کے لئے خطرناک اور خود ان کی شاں کے خلاف ہوگا۔

مسٹر ایٹلی اس سے متفق نہیں تھے۔ ان کا خیال تھا کہ اگر ایک بار تاریخ مقرر ہو جائے گی تو ذمہ داری ہندوستانیوں کے ہاتھ میں منتقل ہو جائے گی اور جب تک یہ نہیں کیا جائے گا یہ مسئلہ کبھی حل نہ ہو سکے گا۔ مسٹر ایٹلی کو اس کا بھی ڈر تھا کہ موجودہ صورت حال کے برقرار رہنے سے ہندوستانیوں کو برطانیہ پر اعتبار نہ رہے گا۔ ہندوستان کے حالات ایسے تھے کہ برطانوی اقتدار حاصی کوشش کے بغیر قائم نہیں رکھا جا سکتا تھا۔ اور





مولانا آزاد اور بینٹ خواہر لال اس موقع پر حب مولانا بے سٹرل  
اسٹیٹیوٹ آف ایجوکیشن دہلی کا سنگ بنیاد رکھا۔

مولانا آزاد پالم کے ہوائی اڈے پر، انگلستان اور دوسرے یورپی  
ممالک کے دورے سے واپسی کے وقت





مولانا آزاد، آل انڈیا کانگریس کمیٹی کے اجلاس میں، بمبئی جولائی ۱۹۴۶ء

راج کمار امیت کور لارڈ اور لیڈی ماؤت ہنس، آرسل یمیل  
ماؤت ہنس، مولانا آزاد اور چینی سمیر ڈاکٹر اوجیا لوئیس، مہاتما گاندھی  
کی آخری رسم کے موقع پر



اس کے لئے برطانوی قوم تیار نہیں تھی۔ اب یا تو انگریز سختی کے ساتھ حکومت کر کے ہنگاموں کو دبا سکتے تھے یا پھر اقتدار ہندوستانوں کو سوپ سکتے تھے ہندوستان پر برطانیہ کی حکومت برقرار رکھی جا سکتی تھی لیکن اس کے لئے جس اہتمام کی ضرورت تھی اس سے برطانیہ کے تعمیری منصوبوں میں خلل پڑتا، اس لئے چارہ صرف یہ تھا کہ ایک تاریخ مقرر کر دی جائے اور پوری پوری ذمہ داری ہندوستانوں کے کندھوں پر ڈال دی جائے۔

لارڈ وول اس سے قائل نہیں ہوئے۔ وہ برابر یہ کہتے رہے کہ اگر فرقہ رانہ مسائل کی وجہ سے تشدد ہوا تو آئے والی سلاہیں برطانیہ کو کبھی معاف نہ کریں گی۔ انگریز سو برسوں سے زیادہ سے ہندوستان پر حکومت کر چکے تھے اور اب اگر ان کے ہٹے کی وجہ سے کسی قسم کی بیچینی، تشدد یا گڑبڑ ہوئی تو اس میں انہیں کا قصور ہوگا۔ لارڈ وول حب مسٹر ایٹلی کو یہ قائل کر سکے تو انہوں نے اپنا استعفیٰ پیش کر دیا

اب دس سال بعد جب میں ان واقعات پر غور کرتا ہوں تو بھی یہ نہیں سمجھ میں آتا کہ کس کا خیال درست تھا معاملات اس قدر پیچیدہ تھے اور حالت اتنی تاریک تھی کہ کوئی قطعی رائے دینا مشکل ہے۔ مسٹر ایٹلی کے فیصلے کا محرک یہ عزم تھا کہ ہندوستان کو آزاد ہونے میں مدد کرنی ہے کوئی شخص جس کی ذہنیت ذرا بھی امپیریلسٹ ہوتی وہ ہندوستان کی کمزوری سے فائدہ اٹھا سکتا تھا واقعہ یہ ہے کہ ہندوستان کی نااتفاقی سے برطانوی حکومت بے ہمیشہ فائدہ اٹھایا اور یہی ہندوستان کے

مطالبہ آرا دی کے خلاف سب سے بردست حربہ تھا مسٹرا یٹلی عہد کر چکے تھے کے لیر حکومت کوئی بھی ایسی بات نہیں کرے گی جس سے اس پر الرام عائد ہو سکے۔

ہمیں اس کا اعتراف کرنا پڑتا ہے کہ اگر ان کی بیت صاف نہ ہوتی اور انہوں نے ہندوؤں اور مسلمانوں کی نا اتفاقی سے فائدہ اٹھانا چاہا ہوتا تو وہ اٹھا سکتے تھے اور ہماری مخالفت کے باوجود دس سال تک اور حکومت کر سکتے تھے۔ اس میں شک نہیں کہ ہنگامے اور تصادم ہوئے رہتے کیونکہ ہندوستانیوں کے جذبات اس حد تک رانگیختہ ہو چکے تھے کہ برطانیہ کا بدم قدم پر مقابلہ کیا جاتا تاہم اگر انگریز چاہتے تو ہمارے اختلافات کی آڑ لیکر ابھی چند سال حکومت کر سکتے تھے ہمیں یہ نہ بھولنا چاہئے کہ فرانس برطانیہ سے کمزور ہوتے ہوئے دس سال تک انڈیا چائنا پر حکومت کرتا رہا۔ اس لئے ہمیں لیہ حکومت کی بیک بیتی کو تسلیم کرنا چاہئے کیونکہ اس نے ہماری کمزوری سے فائدہ نہیں اٹھانا چاہا۔ تاریخ میں اس کے ان فیصلے پر اس کی عرت کی حائیکی اور ہمیں بھی کسی قسم کے محفوظات ذہنی کے بغیر اس کا اعتراف کرنا چاہئے۔

دوسری طرف یہ بھی کہا مشکل ہے کہ لارڈ ویول غلطی پر تھے۔ انہیں مستقل میں حو حطرات نظر آرہے تھے ہ حقیقی تھے بعد کے واقعات سے ان کی رائے صحیح ثابت ہوئی۔ ہر حال یہ کہنا مشکل ہے کہ وہ شکل ہندوستان کے لئے بہتر تھی حو لارڈ ویول نے تجویز کی تھی یا وہ حو مسٹرا یٹلی نے اختیار کی۔ اگر لارڈ ویول کی

تحویر پر عمل کیا گیا ہوتا اور ہندوستان کے مسئلے کا حل دو سال کے لئے اٹھا رکھا گیا ہوتا تو ممکن ہے کہ مسلم لیگ مخالفت سے عاجز آکر مصالحت کر لیتی اگر مسلم لیگ تعمیری طریقہ کار اختیار نہ کرتی تو غالباً خود مسلمان عوام اس کے تحریری رویے سے دل برداشتہ ہو کر اسے رد کر دیتے ہو سکتا ہے کہ ہندوستان کی تقسیم کا دل فگار حادثہ پیش نہ آتا۔ ظاہر ہے یقین کے ساتھ نہیں کہہ سکتے، لیکن قوموں کی زندگی میں ایک دو برس کی کوئی حیثیت نہیں ہوتی۔ غالباً آجے والی ساری یہ کہیں گی کہ لارڈ ویول کی پالیسی پر عمل کرنا زیادہ صحیح ہوتا۔

حب یہ معلوم ہوا کہ لارڈ ویول مستعفی ہو رہے ہیں تو میں بے ایک بیان شائع کیا جس سے معلوم کیا جاسکتا تھا کہ ان کے بارے میں میری رائے کیا تھی میں جانتا تھا کہ خواہر لال اور میرے دوسرے ساتھی اس بارے میں مجھ سے متفق نہیں ہیں۔ وہ لارڈ ویول کو پسند نہیں کرتے تھے۔ لیکن میں بے یہ اپنا فرض سمجھا کہ لارڈ ویول کے کام کے بارے میں اپنی رائے عوام کے سامنے رکھ دوں میں بے اس بیان میں کہا تھا

» ہندوستان کے بارے میں مسٹر اٹلی کے بیان بے میرے دل میں ملے حلے احساسات پیدا کئے ہیں ایک طرف تو مجھے حوشی ہے کہ میں بے حوں سے ۱۹۴۵ء میں حالات کا جو اندازہ کیا تھا، اُسے واقعات بے صحیح ثابت کیا ہے ساتھ ہی مجھے افسوس ہے کہ لارڈ ویول جنہوں نے ہندوستان اور برطانیہ کے درمیان

تعلقات کا ایک یا باب کھولا، وہ اب میدان سے کنارہ کش ہو رہے ہیں۔

» شملہ کانفرس کے وقت برطانیہ کی بیت کے بارے میں ہر طرف شہرے اور عدم اعتماد طاہر کیا جا رہا تھا۔ میں تسلیم کرتا ہوں کہ میں بھی بدطی تھا اور پچھلے تین برسوں کے واقعات کی تاحی کا اثر میرے دل میں باقی تھا اسی ذہنی کیفیت کے ساتھ میں شملہ کانفرس میں شرکت کے لئے گیا۔ لیکن لارڈ ویول سے ماہے کے بعد میرے خیالات اچانک بدل گئے میں نے انہیں ایک اُن گھڑ اور بے ریا سپاہی پایا جو بات کو طول دینا نہیں چاہتا تھا اور انداز و گفتار میں سیدھا تھا لارڈ ویول میں سیاست دانوں کی ہرکاری نہیں تھی وہ فوراً معاملے پر آجائے تھے اور اُن کا انداز اتنا بے لاگ تھا کہ دل پر ان کے خلوص کا نقش بیٹھ جاتا تھا چنانچہ میں بے مالک کو یہ مشورہ دینا اپنا فرض سمجھا کہ اپنے سیاسی مقصد کو حاصل کرے کے لئے تعمیر پسندانہ رویہ اختیار کرنا چاہئے اس وقت سے آج تک شبہات اور اختلافات کی فضا کے باوجود میں اُس راہ سے نہیں ہٹا ہوں۔ یہ سب جانتے ہیں کہ شملہ کانفرس کے بعد سے کم از کم چار بار خارجی اور اندرونی دباؤ ڈال کر یہ کوشش کی گئی کہ کانگریس کوئی سیاسی تحریک شروع کرے پر مجبور ہو جائے اور عملی احتجاج کا طریقہ اختیار کرے۔ لیکن مجھے پورا یقین تھا کہ برطانوی حکومت کے مصالحتی رویے کے پیش نظریہ راستہ غلط ہوگا۔

» میں نے کانگریس کو استقلال کے ساتھ ایک راہ پر چلتے

رکھے کے لئے اپنے پورے اثر سے کام لیا اور آج مجھے اطمینان ہے کہ حالات کا جو تحریرہ میں ہے کیا تھا وہ غلط نہیں تھا۔ شملہ کانفرس یا کام رہی لیکن اس کے بعد جلد ہی انگلستان میں عام انتخابات ہوئے اور لیبر پارٹی برسر اقتدار آئی اس نے اعلان کیا کہ ہندوستان کے بارے میں اس نے پہلے جو کچھ کہا تھا وہ اُس پر عمل کرے گی بعد کے واقعات نے یہ ثابت کر دیا کہ ان کا اعلان خلوص نیت پر مبنی تھا

مجھے نہیں معلوم کہ پچھلے تین ہفتوں میں لارڈ ویول اور حکومت برطانیہ کے درمیان کیا گفت و شنید ہوئی ہے لیکن ظاہر ہے ایسے اختلاف ہوئے ہوں گے جن کی وجہ سے لارڈ ویول کو استعفا دینا پڑا۔ صورت حال کے بارے میں اُن کی حورائے ہے ہم اُس سے اختلاف کر سکتے ہیں لیکن اُن کے خلوص اور اُن کی ایمانداری پر شبہ نہیں کیا جاسکتا میں یہ بھی نہیں بھول سکتا ہوں کہ آج ہندوستان اور برطانیہ کے تعلقات کی بدلی ہوئی دھما دراصل اس دلیرانہ قدم کی وجہ سے پیدا ہوئی جو لارڈ ویول نے حوں سے ۱۹۴۵ء میں اٹھایا تھا۔ کرپس مشن کی ناکامی کے بعد چرچل کی حکومت نے یہ فیصلہ کر لیا تھا کہ احتتام جنگ تک کے لئے ہندوستان کے مسئلے کو بالائے طاق رکھ دیا جائے گا۔ خود ہندوستانیوں کو کوئی راہ نظر نہیں آرہی تھی اور سے ۱۹۴۲ء کے واقعات نے تلخی اور بھی بڑھا دی تھی۔ اس سد دروازے کو کھولنے کا سہرا بھی لارڈ ویول ہی کے سر ہے برطانوی وزارت نے اگرچہ شروع میں اس بات کی مخالفت کی تھی تاہم لارڈ ویول

بے اسے ہندوستان کے سامنے ایک نئی پیش کش رکھے پر آمادہ کر لیا اس کا نتیجہ شملہ کانفرنس تھی یہ کامیاب نہیں ہوئی لیکن اس کے بعد سے آج تک جو کچھ ہوا وہ اسی دلیرانہ اقدام کا منطقی نتیجہ ہے

» مجھے یقین ہے کہ ہندوستان لارڈ ویول کی اس خدمت کو کبھی فراموش نہ کرے گا۔ اور جب اس کا وقت آئے گا کہ آزاد ہندوستان کا مورخ ہندوستان اور برطانیہ کے تعلقات کا جائزہ لے گا تو وہ لارڈ ویول کو اس بنا پر تعریف کا مستحق سمجھے گا کہ انہوں نے ہندوستان اور برطانیہ کے تعلقات میں ایک نیا باب کھولا۔«

اس تمام کو لارڈ ویول سے رحمت ہوئے کے لئے اگریکویو کوئسل کے محروں کی کھانے پر دعوت تھی کہ یہ ظاہر ہو رہا تھا کہ میرے اُس بیان کا لارڈ ویول پر بہت اثر ہوا ہے انہوں نے ایک دوست سے کہا »مجھے حوشی ہے کہ ہندوستان میں کم از کم ایک ایسا آدمی تو ہے جس نے میری بات کو سمجھے کی کوشش کی ہے۔«

روانگی سے ایک روز پہلے انہوں نے کابینہ کے جلسے کی آخری مرتبہ صدارت کی۔ کارروائی ختم ہوئے پر انہوں نے ایک مختصر سا بیان دیا جس سے میں بہت متاثر ہوا لارڈ ویول نے کہا »میں ایک بہت ہی مشکل وقت میں وائسرائے بنا میں نے اپنی ذمہ داری کو پورا کرے کی امکانی کوشش کی۔ اب ایسی صورت پیدا ہو گئی ہے کہ مجھے مستعفی ہونا پڑا ہے تاریخ تلاتے گی



کہ اس مسئلے پر میرا استعفا دیا صحیح تھا یا نہیں بہر حال میری آپ سے درخواست ہے کہ عجلت میں کوئی فیصلہ نہ کریں۔ آپ لوگوں سے میرے ساتھ جو تعاون کیا ہے اس کا میں شکرگزار ہوں «

یہ کہہ کر لارڈ ویول سے اپنے کا عدات سسہالے اور اٹھ کر چلے گئے۔ ہمیں حواب میں کچھ کہے کا موقع بھی نہ دیا۔ دوسرے ہی روز وہ دلی سے روانہ ہو گئے۔

---

## ماؤنٹ بیٹن مشن

لا رڈ ماؤنٹ بیٹن کو پہلے پہل دوراں حگ میں شہرت حاصل ہوئی۔ وہ کچھ مہینے ہندوستان میں رہے پھر ان کا ہڈ کوارٹر سیلوں منتقل ہو گیا حگ کے حتم ہوئے پر وہ برطانیہ لوٹ گئے لیکن لارڈ ویول کے مستعفی ہوئے کے بعد انہیں ہندوستان کا گورنر جنرل مقرر کیا گیا ہندوستان آئے سے قبل لیبر وزارت ہے انہیں تمام مسائل میں اپنی رائے اور خواہش سے مطلع کیا اور مسٹر ایٹلی ہے انہیں ہدایت دی کہ ۳۰ جون ۱۹۴۸ء سے پہلے اقتدار متعل ہوجائے

۲۲ مارچ کو وہ دلی پہنچے اور ۲۴ مارچ کو انہوں نے وائسرائے اور گورنر جنرل کے عہدے کا حلف اٹھایا حلف اٹھانے کے بعد انہوں نے ایک مختصر سی تقریر کی جس میں انہوں نے اس ضرورت پر زور دیا کہ اگلے چند مہینوں کے اندر مسائل کا کوئی حل نکالا جائے

اس کے بعد حلد ہی میں پہلی بار ان سے ملا۔ پہلی ہی ملاقات میں انہوں نے مجھ سے کہا کہ برطانوی حکومت اقتدار منتقل کرے کا قطعی ارادہ کرچکی تھی۔ لیکن اس سے قبل فرقہ وارانہ مسائل کا کوئی حل نکالا ضروری ہے، اور ان کی خواہش ہے کہ اس

مسئلے کو حل کرے کی آخری فیصلہ کن کوشش ہوئی چاہیے۔ انہیں اس معاملے میں مجھ سے پورا اتفاق تھا کہ کانگریس اور مسلم لیگ کے درمیان اختلافی مسائل کی تعداد بہت کم ہوگئی ہے کیسٹ مشن کے پلان میں آسام اور سگال ایک گروپ میں رکھے گئے تھے۔ کانگریس کا مطالبہ تھا کہ کسی صوبے کو بھی کسی گروپ میں شامل ہونے پر محور نہیں کرنا چاہیے اور ہر صوبہ ووٹ کے ذریعے یہ فیصلہ کر سکتا ہے کہ وہ کسی گروپ میں شامل ہوگا یا نہیں۔ لیگ کا کہا تھا کہ اس بے کیسٹ مشن کے پلان کو اس سا پر تسلیم کیا ہے کہ گروپ بحیثیت مجموعی ووٹ دے گا اور کوئی صوبہ گروپ کا دستور سے خارج ہے بعد ہی اس سے الگ ہو سکتا ہے۔ لیگ کا یہ بھی کہا تھا کہ پلان کی تحاویر میں کسی قسم کی تبدیلی سے پورا معاہدہ مسخ ہو جائے گا اور اس کی رائے میں کانگریس کے عمل سے واقعی معاہدے کو مسخ کر دیا ہے۔ اس سا پر لیگ بے کیسٹ مشن کے پلان کو نامعلوم کر دیا تھا۔ یہ کوئی نہیں سمجھ سکتا کہ لیگ بے آسام کے مسئلے پر اتنا زور کیوں دیا جب کہ آسام مسلمانوں کی اکثریت کا صوبہ بھی نہیں تھا۔ خود لیگ کے طریقے کے مطابق آسام کو سگال کے ساتھ شامل ہونے پر محور کرے کی کوئی وجہ نہیں تھی۔ بہر حال وجہ جو بھی رہی ہو، قاعدے کے لحاظ سے مسلم لیگ حق بجانب تھی اگرچہ اخلاقی اور سیاسی اعتبار سے اس کا دعویٰ کمزور تھا۔ میں بے کئی موقعوں پر لارڈ ماؤنٹ بیٹن سے اس مسئلے پر تبادلہ خیال کیا۔ میرا خیال تھا کہ کانگریس اور لیگ

کے اختلافات اس مرل پر پہچ چکے ہیں جہاں کسی تیسرے کی وساطت کے بغیر مصالحت ناممکن ہے۔ میری رائے تھی کہ ہمیں اس معاملے کو لارڈ ماؤنٹ بیٹن پر چھوڑ دیا چاہیے۔ کانگریس اور لیگ دونوں کو چاہیے کہ معاملہ ان کے سپرد کر دیں اور ان کے فیصلے کو تسلیم کر لیں لیکن سردار پٹیل اور جواہر لال دونوں میری تجویز سے متفق نہیں تھے۔ یہ دونوں معاملات کو کسی ثالث پر چھوڑنے کے خلاف تھے چنانچہ میں نے بھی اس بات پر اصرار نہیں کیا۔

اس اثنا میں صورت حال مگڑتی جا رہی تھی۔ کلکتے کے فسادات کے بعد بواکھالی اور ہمارے فساد شروع ہو گئے۔ اس کے بعد بمبئی میں گڑ بڑ ہوئی۔ پنجاب اب تک خاموش تھا لیکن وہاں بھی بے چینی اور تناؤ کے آثار نمایاں تھے۔ ملک حصر حیات خان بے ۲ مارچ کو چیف مسٹر کے عہدے سے استعفا دے دیا تھا۔ ۴ مارچ کو لاہور میں پاکستان کے خلاف مظاہروں میں تیرہ آدمی ہلاک اور بہت سے زخمی ہو چکے تھے۔ آہستہ آہستہ فسادات کی آگ صوبے کے دوسرے حصوں میں پھیل گئی۔ امرتسر، راویپنڈی اور ٹیکسیلا میں بڑے پیمانے پر فسادات ہوئے۔

ایک طرف فرقہ وارانہ حدبات تیز ہو رہے تھے، دوسری طرف حکومت کا انتظام ڈھیلا پڑ رہا تھا۔ یورپین سرکاری ملازموں کا اب کام میں ہی نہیں لگ رہا تھا۔ انہیں یقین تھا کہ حلد ہی اقتدار ہندوستانی ہاتھوں میں منتقل ہو جائے گا۔ جس کی وجہ سے انہیں کام میں دلچسپی نہیں رہی تھی۔ اب وہ صرف وقت گزار رہے

تھے۔ یہ لوگ اعلائیہ کہتے تھے کہ اب انتظامی امور کے دمہ دار وہ نہیں ہیں اس کی وجہ سے لوگوں میں اور بھی بے چینی اور بے اطمینانی پھیل رہی تھی اور لوگوں کو حکومت پر اعتماد نہیں رہا تھا

اگر بکیوٹیو کونسل میں کانگریس اور مسلم لیگ کے درمیان عدم تعاون کی وجہ سے حالات اور بھی حراب ہو رہے تھے مرکزی حکومت کے ارکان ہر وقت ایک دوسرے کو اس طرح رک دیے کی فکر میں رہتے تھے کہ حکومت بالکل معالوج ہو گئی تھی۔ لیگ کے پاس مالیات کا محکمہ تھا جس پر حکومت کی سیاد ہوتی ہے یاد رہے کہ اس کی تمام تر دمہ داری سردار پٹیل پر تھی جنہوں نے امور داخلہ کو اپنے پاس رکھے گی فکر میں مالیات کا محکمہ مسلم لیگ کو پیش کر دیا تھا اتفاق سے محکمہ مالیات میں کئی بہت قابل سینئر مسلمان افسر موجود تھے جنہوں نے لیاقت علی حاں کی ہر ممکن طریقے سے مدد کی۔ ان کے مشورے سے لیاقت علی حاں ہر اس تحویر کو رد کرے یا التوا میں ڈالے میں کامیاب ہوتے جو کونسل کے کانگریسی ارکان کی طرف سے پیش ہوتی سردار پٹیل نے دیکھا کہ وہ وزیر داخلہ ہوتے ہوئے بھی اتنے محبور ہیں کہ لیاقت علی حاں کے مسطوری کے بغیر ایک چہرہ اسی کا عہدہ تک قائم نہیں کر سکتے عرصہ کہ کانگریسی ممبروں کی سمجھ میں نہ آتا تھا کہ کیا کریں کانگریس نے لیگ کو مالیات کا محکمہ دے کر جو غلطی کی تھی اس کی وجہ سے واقعی ایک افسوس ناک صورت حال پیدا

ہوگئی تھی۔ اسی عدم معاہمت کی وجہ سے لارڈ ماؤنٹ بیٹن کو ملک کی تقسیم کے لئے رفتہ رفتہ زمین ہموار کرے کا موقع ملا۔ سیاسی مسائل کا رح بدلے کے ساتھ ساتھ انہوں نے کانگریس کے عمروں پر یہ اثر ڈالا شروع کیا تقسیم ناگزیر ہے، اور اس طرح رفتہ رفتہ انہوں نے ایکریکیوٹیو کونسل کے عمروں کے دہن میں تقسیم کا خیال ڈال دیا۔

یہ صط تحریر میں لانا ضروری ہے کہ ماؤنٹ بیٹن کے دام خیال میں سب سے پہلے سردار پٹیل گرفتار ہوئے۔ تقسیم بالکل آخر تک، مسٹر حساح کے لئے سودا کرے کے لئے ایک مال تھا۔ لیکن پاکستان کا مطالبہ کر کے یہ حد سے تجاوز کر گئے تھے۔ ایکریکیوٹیو کونسل میں جو کیفیت تھی اس سے سردار پٹیل اس قدر تنگ آگئے تھے کہ اب وہ تقسیم کے حامی ہوگئے۔ خود سردار پٹیل ہی کی وجہ سے مالیات کا محکمہ لیگ کو ملا تھا اس لئے انہیں لیاقت علی حاں کے سامنے اپنی محوری پر اور نئی جھجھلاہٹ ہوتی تھی۔ ان حالات میں جب ماؤنٹ بیٹن نے تحویز کیا کہ تقسیم اس مسئلے کو حل کرسکتی ہے تو انہوں نے سردار پٹیل کو ذہنی طور پر اس کے لئے آمادہ پایا۔ سردار پٹیل کو یقین ہوگیا تھا کہ وہ مسلم لیگ کے ساتھ کام نہیں کرسکتے ہیں۔ وہ کھلم کھلا کہتے تھے کہ وہ مسلم لیگ کو ہندوستان کا ایک حصہ دے دیے پر تیار ہیں اگر اس طرح انہیں اس سے نجات مل جائے۔

ماؤنٹ بیٹن بہت ہی ذہین آدمی تھے اور اپنے تمام ہندوستانی

ساتھیوں کے دل کا حال معلوم کر لیتے تھے۔ جب انہوں نے دیکھا کہ سردار پٹیل ان کا نظریہ قبول کرے پر آمادہ ہیں تو انہوں نے سردار پٹیل کو مٹھی میں کرے کے لئے اپنی شخصیت کی ساری دھری اور طاقت صرف کردی۔ رنج کی گفتگو میں وہ اکثر سردار پٹیل کو آخروٹ سے تشبیہ دیتے تھے جس کا چھلکا بہت سکتا ہوتا ہے لیکن ایک مرتبہ توڑ دیئے تو اندر سے نرم گودا نکلتا ہے۔

سردار پٹیل کی تسخیر کے بعد ماؤنٹ بیش خواہر لال کی طرف متوجہ ہوئے۔ پہلے تو خواہر لال تقسیم کی بات نہیں سنا چاہتے تھے اور اس کا ردِ عمل بہت شدید ہوا۔ لیکن ماؤنٹ بیش لگے رہے یہاں تک کہ رفتہ رفتہ خواہر لال کی مخالفت کا زور ٹوٹ گیا۔ ماؤنٹ بیش کے ہندوستان آئے کے ایک ماہ کے اندر وہی خواہر لال جو تقسیم کے اتنے سخت مخالف تھے اگر پوری طور پر اس کے حامی نہیں بن گئے تو کم از کم اس خیال کو گوارا کرے پر تیار ہو گئے۔

مجھے اکثر تعجب ہوتا ہے کہ خواہر لال کو ماؤنٹ بیش نے کیوں کر اپنی طرف کرایا۔ خواہر لال یا اصول آدمی ہیں مگر ساتھ ہی جذباتی بھی ہیں اور اشخاص کا اثر قبول کرتے ہیں۔ ان پر سردار پٹیل کی دلیلوں کا کچھ اثر ضرور ہوا ہوگا لیکن یہ فیصلہ کن نہ ہو سکتا تھا۔ خواہر لال ماؤنٹ بیش سے بہت متاثر تھے اور شاید ان سے بھی زیادہ لیڈی ماؤنٹ بیش سے۔ یہ خاتون نہایت ذہین تھیں اور اس کے علاوہ ان کی طبیعت اور انداز میں

بڑی دلکشی اور ہمدردی تھی۔ یہ اپنے شوہر کی بہت مداح تھیں اور اکثر ان لوگوں کے لئے اپنے شوہر کے خیالات کی ترجمانی کرتی تھیں جو شروع میں ان سے اتفاق نہیں کرتے تھے

اس مسئلے میں خواہر لالہ جس دوسرے شخص سے متاثر ہوئے وہ کرشنا میں تھے۔ کرشنا میں آپ کو خواہر لال کا بڑا مداح طاہر کرتے تھے اور مجھے معلوم تھا کہ خواہر لال اکثر ان کے مشورے پر چلتے تھے۔ مجھے یہ بات پسند نہیں تھی کیونکہ میں محسوس کرتا تھا کہ کرشنا میں اکثر غلط مشورے دیتے ہیں سردار پٹیل میں اور مجھ میں ہمیشہ اتفاق رائے نہ ہوتا، لیکن اس بات پر ہم دونوں ایک رائے کے تھے۔ حیر اس مسئلے پر تفصیلی بحث میں اپنی سوانح حیات کی تیسری جلد میں کروں گا

جب مجھے معلوم ہوا کہ ماؤنٹ بیش کا خیال ہندوستان کو تقسیم کرے کی طرف جارہا ہے اور انہوں نے خواہر لال اور سردار پٹیل کو راضی کر لیا ہے تو میں بہت ہی پریشان ہوا۔ میں نے دیکھا کہ ملک کے لئے ایک بڑا خطرہ پیدا ہو رہا ہے کیونکہ تقسیم میں صرف مسلمانوں ہی کے لئے نہیں، سارے ملک کے لئے بڑا نقصان ہے۔ میں پہلے ہی سمجھتا تھا اور اب بھی مجھے یقین ہے کہ کیسٹ مش کا پلان پر اعتبار سے سے ہمارے مسائل کا بہترین حل تھا۔ اس سے ہندوستان کا اتحاد بھی قائم رہتا تھا اور ہر فرقے کو آرادی اور عرت سے رندگی گدارنے کا موقع ملتا تھا۔ صرف مسلمانوں کے معاد کو سامنے رکھ کر دیکھا جائے تو بھی اس سے بہتر صورت کی توقع نہیں



کی جا سکتی تھی۔ حر صوبوں میں ان کی اکثریت تھی، وہاں انہیں اندرونی معاملات میں پوری خود مختاری ملتی تھی اور مرکز میں بھی تناسب سے زیادہ نمائندگی مل رہی تھی۔ جب تک فرقہ وارانہ رقابتیں اور شہات قائم رہے اس وقت تک کہ ان کے حقوق کے تحفظ کا کافی انتظام تھا۔ مجھے اس کا بڑی یقین تھا کہ اگر اسی بنیاد پر ہندوستان کا دستور تیار ہوا اور ایمانداری سے اس پر عمل درآمد ہوا تو شہات بہت جلد دور ہوجائیں گے کیونکہ ملک کے اصل مسئلے معاشی تھے، فرقہ واری نہیں تھے، اور اختلافات حقیقتاً جماعتوں کے درمیان نہیں بلکہ طبقوں کے درمیان تھے ملک کے آزاد ہونے کے بعد ہندو مسلمان اور سکھ اپنے اصل مسائل کو سمجھنے لگتے اور فرقہ وارانہ اختلافات دور ہوجاتے۔

میں بے بہت کوشش کی کہ میرے ساتھی اس سلسلے میں آخری قدیم یہ اٹھائیں لیکن میں بے دیکھا کہ سردار پٹیل اس حد تک تقسیم پر تلے ہوئے ہیں کہ اور کوئی رائے سے پر تیار نہیں ہیں۔ میں بے تقریباً دو گھنٹے اس سے بحث کی۔ میں بے کہا کہ تقسیم کو مان کر ہم ایک مستقل دشواری پیدا کر دیں گے۔ تقسیم سے فرقہ واری مسئلہ حل نہ ہوگا بلکہ ملک کی ایک دائمی خصوصیت بن جائے گا۔ حاح بے دو قوموں کا معرہ بلند کیا ہے۔ تقسیم پر راضی ہوجانے کا مطلب یہ ہوگا کہ ہم اس نظریے کو صحیح مانتے ہیں۔ میں نے کہا کہ کانگریس ہندوؤں اور مسلمانوں کے درمیان تقسیم کرنے پر کیسے رضامند ہوسکتی ہے؟ تقسیم سے

ایک دوسرے کا خوف دور نہ ہوگا بلکہ یہ فرقہ واری نفرت کی وحہ سے دو ریاستوں کو وجود میں لا کر خوف کی کبھیت کو ہمیشہ کے لئے قائم کر دے گی، جب ایک مرتبہ نفرت کے سب سے الگ ریاستیں بنا دی گئیں تو پھر کوئی نہیں کہہ سکتا کہ احام کیا ہوگا۔

سردار پٹیل کا جواب سن کر مجھے تعجب بھی ہوا اور تکلیف بھی کہ چاہے ہم پسند کریں یا نہ کریں لیکن ہندوستان میں دو قومیں ہیں اب انہیں یقین ہو گیا ہے کہ ہندوؤں اور مسلمانوں کو متحد کر کے ایک قوم نہیں بنایا جاسکتا اس حقیقت کو تسلیم کر کے سوا کوئی چارہ نہیں ہے اور ہندوؤں اور مسلمانوں کا جھگڑا اس طرح ختم کیا جاسکتا ہے۔ پھر انہوں نے کہا کہ اگر دو بھائی ایک ساتھ نہیں رہ سکتے تو انہیں الگ بھاجا چاہئے جب الگ ہوئے پر انہیں اپنا اپنا حصہ مل جائیگا تو یہ پھر ایک دوسرے کے دوست بھوجائیں گے۔ اس کے برعکس اگر انہیں ساتھ رہنے پر مجبور کیا جائے تو وہ ہمیشہ ایک دوسرے سے لڑنے پر آمادہ رہیں گے۔ آئے دن کی تو میں میں سے تو بہتر ہے کہ ایک مرتبہ ہی کھول کر لڑ لیا جائے اور پھر علیحدگی اختیار کی جائے۔

اب میں حواہر لال کی طرف رجوع ہوا۔ انہوں نے اس طرح تقسیم کے حق میں باتیں نہیں کیں جیسے پٹیل نے، بلکہ انہوں نے کہا کہ تقسیم فی نفسہ غلط ہے لیکن مرکزی حکومت میں لیگ کے عمروں کے رویے نے ان کو بھی اشتراک عمل کی طرف

سے مایوس کر دیا تھا۔ کانگریس اور لیگ دونوں میں کسی بات پر بھی اتفاق رائے نہ ہوسکا تھا اور آئے دن جھگڑے ہوتے رہتے تھے حواہر لال بے کامل نا اُمیدی کے انداز میں مجھ سے سوال کیا کہ ایسی صورت میں تقسیم کے علاوہ کیا چارہ ہے؟

حواہر لال رنجیدہ تھے لیکن مجھے اس بارے میں کوئی شک نہیں رہا کہ ان کا دہس کس طرح کام کر رہا تھا۔ انہیں تقسیم کے خیال سے سحت بھرت تھی لیکن اس کے باوجود اب وہ اس نتیجے پر پہنچے تھے کہ اس کے سوا کوئی تدبیر ممکن نہیں۔ وہ تقسیم کو بہت برا سمجھتے تھے لیکن ان کا خیال تھا کہ حالات ہمیں مجبور کر کے اُسی کی طرف لے جا رہے ہیں۔

کچھ دنوں بعد حواہر لال میرے پاس آئے، کافی لمبی تمہید میں پہلے انہوں نے اس بات پر رور دیا کہ اب حوش فہمی میں مبتلا ہونے کے بجائے حقیقت کو دیکھا جائے۔ پھر وہ اصل مطلب پر آئے اور انہوں نے مجھ سے کہا کہ مجھے تقسیم کی مخالفت ترک کر دینا چاہئے۔ ان کے خیال میں تقسیم نا گریز تھی اور عقلمندی کا تقاضا یہ تھا کہ ہونے والی بات کی مخالفت نہ کی جائے اس مسئلے میں میرا ماؤنٹ بیش کی مخالفت کرنا مصلحت کے خلاف ہوگا۔

میں نے جواب دیا کہ میرے لئے ان کی بات کو تسلیم کرنا بالکل ممکن نہیں ہے۔ میں دیکھ رہا ہوں کہ یکے بعد دیگرے ہم غلط قدم اٹھا رہے ہیں اور بجائے اس کے کہ اپنی غلطیوں کا تدارک کریں، ہم اپنے آپ کو ان کے نتائج میں اور زیادہ

الچھاتے جارہے ہیں۔ مسلم لیگ نے کیسٹ مش کے منصوبے کو منظور کر لیا تھا اور ہندوستان کے مسائل کا ایک اطمینان بخش حل نظر میں تھا۔ بدقسمتی سے صورت حال کچھ ایسی بدلی کہ مسٹر جناح کو اپنی مسطوری واپس ایسے کا موقع مل گیا۔

میں نے کہا کہ دوسری غلطی اس وقت ہوئی جب لارڈ ویول نے یہ تحویر کیا کہ داخلی امور کا محکمہ لیگ کو دیدیا جائے۔ اس سے ہمارے لئے مشکلوں کا کوئی پہاڑ نہ کھڑا ہو جاتا لیکن چونکہ سردار پٹیل اس محکمے کو اپنے قصے میں رکھنے پر مصر تھے اس لئے ہمیں مالیات کا محکمہ لیگ کو دینا پڑا۔ ہماری موجودہ مشکلات کا اصل سبب یہی ہے۔ میں نے خواجہ لال کو آگاہ کیا کہ اگر ہم ملک کی تقسیم پر راضی ہو گئے تو آئے والی سلیں ہمیں کبھی معاف نہیں کریں گی۔ اور یہ کہا جائیگا کہ ہندوستان کو تقسیم کرنے کی ذمہ داری حتیٰ لیگ پر تھی اتنی ہی کانگریس پر بھی تھی

اب حکمہ خواجہ لال اور سردار پٹیل دونوں تقسیم کے موافق ہو گئے تھے، میری آس گاندھی جی پر لگی ہوئی تھی۔ اس زمانے میں وہ پٹنہ میں مقیم تھے۔ اس سے پہلے کچھ مہینے انہوں نے بواکھالی میں گزارے تھے جہاں کے مقامی مسلمان ان سے بہت متاثر ہوئے تھے اور ہندو مسلم اتحاد کی ایک نئی فضا پیدا ہو گئی تھی۔ ہمارا خیال تھا کہ وہ لارڈ ماؤنٹ بیٹن سے ملے دلی آئیں گے۔ وہ ۳۱ مارچ کو دلی آ بھی گئے۔ میں فوراً ان سے ملے گیا۔ پہلا جملہ جو انہوں نے مجھ سے کہا وہ یہ تھا »تقسیم اب واقعی ایک

حطرہ س گئی ہے . ولہ بھائی اور خواہر لال نے تو شاید ہتھیار ڈال دئے ہیں تمہارا کیا ارادہ ہے . تم بھی بدل گئے ہو یا تم میرا ساتھ دو گے . «

میں بے جواب دیا » میں ہمیشہ تقسیم کے خلاف تھا اور اب بھی ہوں میں تو کہوں گا کہ تقسیم کا حتا سحت مخالف میں آج ہوں اتنا پہلے کہی نہیں تھا مگر میں اس بات سے بے حد پریشان ہوں کہ خواہر لال اور سردار پٹیل بے ہار ماں لی بے یا حیسا آپ سے فرمایا ، ہتھیار ڈال دئے ہیں . اب مجھے حو امید ہے وہ آپ سے ہے . اگر آپ بے استقلال کے ساتھ تقسیم کی مخالفت کی تو ہم اب بھی سچ سکتے ہیں ، لیکن آپ بھی دب گئے تو مجھے ڈر ہے کہ ہندوستان تباہ ہو جائے گا «

گاندھی جی سے کہا » یہ بھی کوئی پوچھنے کی بات ہے اگر کانگریس تقسیم کو تسلیم کریگی تو وہ صرف میری لاش کو روند کر کرے گی حب تک کہ میرے جسم میں حاں ہے میں تقسیم پر کبھی راضی نہ ہوں گا اور اگر میرا س چلا تو کانگریس کو بھی راضی نہیں ہوئے دوں گا . «

اسی رور بعد میں گاندھی جی ماؤنٹ بیٹ سے ملے . دوسرے دن ان کی پھر ملاقات ہوئی ۲ اپریل کو . ایک مار پھر ملے . پہلی ملاقات سے واپسی کے فوراً بعد پٹیل گاندھی جی کے پاس آئے اور دو گھنٹے سے زیادہ تحلیلہ میں گفتگو کرتے رہے . مجھے کچھ علم نہیں ان دونوں میں کیا باتیں ہوئیں لیکن میں حب اس کے بعد گاندھی جی سے ملا تو مجھے اپنی زندگی کا سب سے بڑا صدمہ

پہنچا۔ میں بے دیکھا کہ گاندھی جی بھی بدل گئے ہیں۔ ابھی وہ کھلم کھلا تقسیم کی موافقت تو نہیں کر رہے تھے لیکن ان کی مخالفت میں پہلی جیسی شدت نہیں تھی۔ اس سے بھی زیادہ حیرانی اور دکھ مجھ کو اس بات سے ہوا کہ اب وہ بھی وہی دلیاں پیش کرے لگے تھے جو میں سردار پٹیل کی رہائی سے چکا تھا تقریباً دو گھنٹے تک میں ان کی مت سماعت کرتا رہا لیکن اس کا کوئی اثر نہیں ہوا۔

آخر ناامید ہو کر میں نے کہا »اگر آپ کا یہی طریقہ ہے تو مجھے ہندوستان کو عذاب سے بچانے کی کوئی امید نظر نہیں آتی« گاندھی جی بے میری بات کا کوئی جواب نہیں دیا لیکن انہوں نے یہ کہا کہ میں یہ تحویر کر چکا ہوں کہ مسٹر جاج کو وزارتِ مائے اور کابینہ کے عمروں کو نامرد کرے کی دعوت دی جائے۔ انہوں نے کہا کہ وہ یہ بات لارڈ ماؤنٹ بیٹن سے بھی کہ چکے ہیں اور ماؤنٹ بیٹن اس سے بہت متاثر ہوئے ہیں۔ مجھے معلوم تھا کہ ایسا ہوا ہے۔ گاندھی جی کی اس ملاقات کے دوسرے روز جب میں ماؤنٹ بیٹن سے ملا تو انہوں نے مجھ سے کہا کہ اگر کانگریس گاندھی جی کی تحویر کو مان لے تو تقسیم سے اب بھی بچا ممکن ہے۔ لارڈ ماؤنٹ بیٹن اس سے متفق تھے کہ کانگریس کی طرف سے ایسی پیش کش مسلم لیگ کو مطمئن کر دے گی اور شاید مسٹر جاج کو اعتماد بھی ہو جائے گا۔ بدقسمتی سے یہ بات آگے نہیں بڑھ سکی۔ جواہر لال اور پٹیل دونوں نے اس کی شدت سے مخالفت کی بلکہ گاندھی جی کو مجبور

کیا کہ وہ اپنی تحویر واپس لے لیں۔

گاندھی جی بے اس بات کو یاد دلاتے ہوئے مجھ سے کہا کہ اب صورت ایسی ہے کہ تقسیم تو ناگزیر معلوم ہوتی ہے۔ طے صرف یہ کرنا ہے کہ اس کی شکل کیا ہو، یہ مسئلہ تھا جس پر گاندھی جی کی جائے قیام پر رات دن بحث ہونے لگی تھی۔ میں بے ان سارے مسائل پر بہت غور کیا۔ میں سوچ رہا تھا کہ گاندھی جی بے اپنی رائے اتنی جلدی کیسے بدل دی۔ میرا خیال ہے کہ یہ سردار پٹیل کے اثر کا نتیجہ تھا۔ پٹیل علاوہ کہتے تھے کہ تقسیم کے سوا کوئی چارہ نہیں ہے۔ تحریک سے ثابت ہو گیا کہ مسلم لیگ کے ساتھ مل کر کام کرنا ناممکن ہے سردار پٹیل بے غالباً ایک اور بات کو بھی اہمیت دی ہوگی۔ لارڈ ماؤنٹ بیش کہتے تھے کہ کانگریس مرکزی حکومت کو کمزور رکھنے پر صرف لیگ کے اعتراض کا جواب دینے کے لئے مصامد ہوئی تھی، اسی وجہ سے صوبوں کو اندرونی معاملات میں مکمل حق خود اختیاری دیا گیا تھا۔ مگر ایک ایسے ملک میں جہاں زبان، مذہب اور تہذیب کے ایسے اختلافات تھے، مرکزی کمزوری، اتحاد دشمن رجحانات کو تقویت پہنچائے گی۔ مسلم لیگ سے واسطہ نہ رہے کے بعد ایک مضبوط مرکزی حکومت کا انتظام کیا جاسکتا ہے اور ایسا دستور مرتب ہوسکتا ہے جو ہندوستان کو متحد رکھے کے لئے مفید مطلب ہو۔ ماؤنٹ بیش بے مشورہ دیا کہ شمال مغرب اور شمال مشرق کے کچھ چھوٹے ٹکڑوں کو دے کر بقیہ ہندوستان کو ایک مضبوط

اور مستحکم ریاست بنایا جائے سردار پٹیل پر اس دلیل کا بہت اثر ہوا کہ مسلم لیگ کے ساتھ اشتراک کرے سے ہندوستان کا اتحاد اور استحکام خطرے میں پڑ جائے گا میرا خیال ہے کہ صرف سردار پٹیل ہی نہیں، خواہر لال بھی ان دلیلوں سے متاثر تھے انہیں دلیلوں کو جب سردار پٹیل اور ماؤنٹ بیٹن سے دہرایا تو گاندھی جی تقسیم کی مخالفت کرے میں کمزور پڑ گئے۔

شروع سے آخر تک میری کوشش یہ رہی کہ میں ماؤنٹ بیٹن کو اس بات پر آمادہ کروں کہ وہ کیپیٹ مشن پلان کو عور اور بحث کی بنیاد بنائے پر قائم رہیں جب تک گاندھی جی کا بھی یہی خیال تھا اس وقت تک میں مایوس نہیں ہوا تھا، اب جو گاندھی جی کا نظریہ بدل گیا تو میں سمجھ گیا کہ ماؤنٹ بیٹن میری تحویر سے اتفاق نہیں کریں گے۔ ممکن ہے ماؤنٹ بیٹن کو کیپیٹ مشن پلان سے زیادہ لگاؤ اس لئے نہ رہا ہو کہ وہ ان کے دماغ کی حمایت نہیں تھا اس لئے کوئی تعجب کی بات نہیں ہے کہ حوں ہی انہوں نے دیکھا کہ لوگ کیپیٹ پلان کے سچی سے خلاف ہیں وہ تقسیم کے پلان کو حوں ان کے خیالات کے مطابق تھا اس کی جگہ پیش کرے پر آمادہ ہو گئے۔

اب چونکہ لوگ عام طور سے تقسیم پر راضی معلوم ہوتے تھے، بنگال اور پنجاب کے مسئلے کو ایک ہی اہمیت حاصل ہو گئی ماؤنٹ بیٹن نے کہا کہ چونکہ تقسیم کی بنیاد مسلمان اکثریت کے علاقے تھے اور چونکہ پنجاب اور بنگال کے کچھ حصوں میں بھی مسلمانوں کی اکثریت تھی، اس لئے ان دونوں صوبوں کو بھی



تقسیم ہوا چاہئے لیکن کانگریس کے لیڈروں کو انہوں نے مشورہ دیا کہ فی الحال یہ سوال نہ اٹھائیں اور انہیں یقین دلایا کہ آگے چل کر کسی مناسب موقع پر وہ خود اس مسئلے کو اٹھائیں گے۔ گاندھی جی کی پٹہ کے لئے روانگی سے پہلے میں نے ان سے پھر ایک آخری اپیل کی میں نے درخواست کی کہ حالات کی موجودہ شکل کو دو سال تک یوپی رہے دیا جائے۔ عملاً اقتدار اس وقت بھی ہندوستانی ہاتھوں میں ہے اگر قانونی منتقلی کو دو تین سال تک ملتوی رکھا جائے تو ممکن ہے کہ لیگ ان اسباب کی بنا پر جس کا میں پہلے ذکر کرچکا ہوں مصالحت پر آمادہ ہو جائے گاندھی جی نے خود کچھ مہینے پہلے یہی تحویر کیا تھا۔ میں نے انہیں یاد دلایا کہ قوموں کی زندگی میں دو تین سال کی مدت کوئی بڑی مدت نہیں ہوا کرتی۔ اگر ہم دو تین سال انتظار کر لیں تو مسلم لیگ مصالحت پر مجبور ہو جائے گی۔ میں حاکم تھا کہ اگر فیصلہ اس وقت کیا گیا تو تقسیم ناگزیر ہوگی۔ دو تین سال بعد کسی بہتر حل کی توقع کی جاسکتی ہے گاندھی جی نے میری تحویر کو رد نہیں کیا لیکن انہوں نے کچھ بہت دلچسپی بھی نہیں لی۔

اس اثنا میں ماؤنٹ بیٹ نے تقسیم سے متعلق اپنی تحویر مرتب کر لی تھی۔ اب انہوں نے برطانوی حکومت سے گفتگو کرے اور اس کی منظوری حاصل کرے کے لئے لندن جاے کا فیصلہ کیا۔ ان کا یہ بھی خیال تھا کہ وہ اپنے منصوبے کے لئے کنررویٹو پارٹی کی تائید بھی حاصل کر لیں گے۔ کنررویٹو پارٹی نے کینٹ

پلان کی اس بنا پر مخالفت کی تھی کہ اس سے مسلم ایگ کا تقسیم کا مطالبہ پورا نہ ہوتا تھا اب جب کہ ماؤنٹ بیٹش کی تحویر کی بنیاد ہی تقسیم پر تھی تو ظاہر ہے کہ یہ توقع کی جاسکتی تھی کہ مسٹر چرچل اس کی حمایت کریں گے

کانگریس ورکنگ کمیٹی کے ۴ مئی کے جلسے کے بعد وہیں شملہ چلا گیا۔ چند روز بعد لارڈ ماؤنٹ بیٹش بھی وہیں آگئے۔ وہ لندن کے لئے روانہ ہوئے سے پہلے چند روز آرام کرنا چاہتے تھے۔ ان کا ارادہ تھا کہ ۱۵ مئی کو دلی واپس جائیں اور ۱۸ مئی کو لندن کے لئے روانہ ہوجائیں میں نے سوچا کہ کیسٹ مش پلان کو بچانے کی آخری کوشش کر لوں۔ چنانچہ ۱۴ مئی کی رات کو میں ان سے ملا۔

تقریباً ایک گھنٹے تک گفتگو جاری رہی میں نے ان سے اپیل کی کہ وہ کیسٹ مش پلان کو دھن نہ کریں میں نے کہا کہ ہمیں صدر سے کام لیا چاہیے کیونکہ اس پلان کو کامیاب بنانے کی امید اب بھی باقی ہے۔ اگر ہم بے عزت سے تقسیم کو تسلیم کر لیا تو اس سے ہندوستان کو ایک مستقل نقصان پہنچے گا۔ ایک بار ملک تقسیم ہو گیا تو پھر کوئی ادارہ نہیں لگا سکتا کہ اس کے نتائج کیا ہوں گے اور تقسیم کو مسترد کرنے کا بھی امکان نہ ہوگا۔

میں نے ماؤنٹ بیٹش سے یہ بھی کہا کہ عموماً مسٹر ایٹلی اور ان کے ساتھی کیسٹ مش پلان کو آسانی سے ترک نہیں کریں گے کیونکہ اسے ان لوگوں نے خود بڑی کاوش کے بعد تیار کیا تھا۔

اگر ماؤنٹ بیٹ بے بھی اس سے اتفاق کیا اور احتیاط سے کام لیتے پر زور دیا تو کابینہ کو اس پر کوئی اعتراض نہ ہوگا۔ اتک کانگریس اس پر اصرار کر رہی تھی کہ ہندوستان کو فوراً آزاد کیا جائے۔ اب خود کانگریس ہی یہ چاہتی تھی کہ سیاسی مسئلے کا حل دو ایک سال کے لئے ملتوی رکھا جائے۔ ظاہر ہے اگر برطانیہ کانگریس کی اس فرمائش پر عمل کرے تو اس پر کوئی الزام نہیں آئے گا۔ میں بے ماؤنٹ بیٹ کو معاملے کے ایک اور پہلو کی طرف توجہ دلاتی، وہ یہ کہ اگر اب برطانیہ بے ہندوستان کو آزادی دیتے میں عجلت کی تو غیر حاد دار لوگ بھی نتیجہ نکالیں گے کہ برطانیہ ہندوستان کو ایسے حالات میں آزاد کرنا چاہتا تھا کہ وہ اس سے پورا پورا فائدہ نہ اٹھا سکے۔ ہندوستان کی خواہش کے خلاف تقسیم پر اصرار کرے سے شہ ہوگا کہ برطانیہ کی بیت صاف نہیں ہے۔

لارڈ ماؤنٹ بیٹ بے مجھے یقین دلایا کہ وہ برطانوی کابینہ کے سامنے اصل اور صحیح حال پیش کریں گے اور وہ سب کچھ بیان کر دیں گے جو پچھلے دو مہیوں میں انہوں نے دیکھا یا سنا ہے۔ وہ کابینہ کو اس سے بھی مطلع کریں گے کہ کانگریس کا ایک اہم طبقہ یہ چاہتا ہے کہ اس مسئلے کو دو ایک سال کے لئے ملتوی رکھا جائے۔ انہوں نے مجھے یقین دلایا کہ وہ مسٹر ایٹلی اور سر اسٹیفورڈ کرپس کو بتا دیں گے اس معاملے میں میری رائے کیا ہے۔ کسی قطعی فیصلے پر پہنچنے کے لئے برطانوی حکومت کے پاس یہ سارا مواد موجود ہوگا۔

میں بے ماؤنٹ بیٹس سے یہ بھی کہا کہ وہ تقسیم کے ممکن نتائج کو بھی ذہن میں رکھیں۔ تقسیم کے بغیر ہی کلکتے، بواکھالی، ہار، بمبئی اور پنجاب میں فسادات ہوئے ہیں۔ ہندوؤں بے مسلمانوں پر مسلمانوں بے ہندوؤں پر حملے کئے ہیں۔ اس فضا میں اگر ملک تقسیم ہوا تو حوں کی بنیاد نہیں گی اور اس حوں حراہ کی ذمہ داری انگریزوں پر ہوگی۔

بغیر کسی تامل کے ماؤنٹ بیٹس نے فوراً حواب دیا »میں اس ایک معاملے میں تو آپ کو پورا یقین دلانا چاہتا ہوں کہ فسادات اور حوں ریری بالکل نہیں ہوئے دوں گا میں سپاہی ہوں۔ ایک بار حب تقسیم اصولاً ماں لی جائے گی تو میں احکامات جاری کردوں گا۔ کہ ملک میں کہیں فرقہ وارانہ فساد نہ ہوئے پائیں اور اگر اس قسم کی کوئی تحریک ہوئی تو میں سخت سے سخت قدم اٹھاؤں گا اور اتنا ہی میں فساد کو دبا دوں گا۔ اس کام کے لئے میں فوجی پولیس پر بھی بھروسہ نہیں کروں گا بلکہ میں بلا واسطہ فوج اور ہوائی بیڑے سے کام لوں گا اور ٹیک اور ہوائی جہازوں کے ذریعے شرارت کرنے والوں کو کچل ڈالوں گا۔«

لارڈ ماؤنٹ بیٹس سے گفتگو کا میرے اوپر یہ اثر ہوا کہ وہ ذہن میں تقسیم کا کوئی صاف نقشہ لے کر لندن میں جا رہے ہیں اور انہوں نے کیسٹ پلان کو بالائے طاق نہیں رکھ دیا ہے بعد کے واقعات نے مجھے اپنی رائے بدلنے پر مجبور کیا۔ جس طریقے سے انہوں نے بعد کو عمل کیا اس سے یہ اندازہ ہوتا تھا کہ وہ فیصلہ کرچکے تھے اور لندن اس بیت سے جا رہے تھے کہ برطانوی

کابینہ کو تقسیم مطور کرے پر آمادہ کریں۔  
ساری دنیا حاتی ہے کہ لارڈ ماؤنٹ بیش کے بہادرانہ اعلان کا  
نتیجہ کیا نکلا تقسیم کے وقت ملک کے مختلف حصوں میں خون  
کی ندیاں بہیں بے گناہ مردوں، عورتوں اور بچوں کا قتل عام ہوا۔  
ہندوستانی فوج تقسیم کردی گئی تھی اور بے گناہ ہندوؤں اور  
مسلمانوں کے قتل کو روکنے کی کوئی کارآمد تدبیر نہیں کی  
حاسکی اسی لئے میں بے اس سے پہلے باب میں یہ کہا تھا کہ  
عالم لارڈ ویول بے حو بات کہی تھی وہ ٹھیک تھی۔

## خواب تھا جو کچھ کہ دیکھا !

میرے دل میں ذرا سی اُمید اب بھی باقی تھی کہ برطانیہ کی لبر کابینہ آسانی سے کمیٹی مشن پلان کو ناممکن نہ ہوئے دے گی۔ اس پلان کی تشکیل کابینہ کے ایسے تین اراکین نے کی تھی جو لبر تحریک میں بھی نمایاں حیثیت رکھتے تھے۔ یہ درست ہے کہ اس وقت تک لارڈ پیتھک لارنس سکریٹری کے عہدے سے مستعفی ہو چکے تھے لیکن سراسٹرنڈ کرپس اور مسٹر الگڈاڈر اب بھی کابینہ کے رکن تھے۔ مجھے قوی اُمید تھی کہ یہ دونوں اس پلان کو بچانے کی آخری کوشش کریں گے۔ لارڈ ماؤنٹ بیٹش کے لندن پہنچنے کے کچھ عرصے بعد حب میں بے سہارا کہ برطانوی کابینہ نے ان کی محوزہ اسکیم منظور کر لی ہے تو مجھے بڑا افسوس ہوا۔ لارڈ ماؤنٹ بیٹش کے پلان کی تفصیلات ابھی شائع نہیں ہوئی تھیں لیکن میرا قیاس تھا کہ اس میں ہندوستان کی تقسیم تجویز کی گئی ہوگی۔ ۳۰ مئی کو لارڈ ماؤنٹ بیٹش دلی واپس آئے۔ ۲ جون کو انہوں نے کانگریس اور مسلم لیگ کے نمائندوں سے گفتگو کی۔ ۳ جون کو ایک وھائٹ پیپر شائع ہوا جس میں اس پلان کی پوری تفصیل دی گئی تھی۔ اس سلسلے میں برطانوی حکومت نے جو بیان شائع کیا وہ صمیمی میں درج ہے۔ یہاں

۳۸۵ حواب تھا جو کچھ کہ دیکھا !

پر مجھے صرف یہ کہا ہے کہ میرے برے سے برے اندیشے صحیح ثابت ہوئے۔ آرادی کی قیمت، ملک کو دو ریاستوں میں تقسیم کرنا طے پائی تھی۔

اس بیان کے شائع ہونے کے ساتھ، ہندوستان کو برقرار رکھنے کی ساری اُمیدیں ختم ہو گئیں۔ یہ پہلا موقع تھا کہ کیسٹ مشن کے پلان کو نالائے طاق رکھ کر تقسیم کو سرکاری طور پر تسلیم کیا گیا تھا۔ حب میں بے برطانیہ کے شے رویے کی تشریح کرنی چاہی تو میں اس ناحوشگوار نتیجہ پر پہنچا کہ برطانوی حکومت کے اس فیصلے میں ہندوستان سے زیادہ برطانیہ کے مفاد کا لحاظ رکھا گیا تھا۔ لیبر پارٹی بے ہمیشہ کانگریس اور اُس کے لیڈروں کے ساتھ اظہار ہمدردی کیا تھا اور کئی بار کھلم کھلا یہ اعلان کیا تھا کہ مسلم لیگ ایک رحمت پسند حماقت ہے۔ اب اُسی مسلم لیگ کے مطالبات کے آگے سر جھکائے کا مطالب میری رائے میں لیگ کو خوش کرنے سے زیادہ خود برطانوی مفاد کا تحفظ تھا اگر ہندوستان کیسٹ مشن پلان کے مطابق آزاد ہوتا تو برطانیہ کے لئے ہندوستان کی صعوبتی اور معاشی زندگی میں پہلے جیسا دخل رکھے گا امکان کم ہو جاتا۔ اس کے برخلاف ہندوستان کی تقسیم اور مسلمان اکثریت کے صوبوں کی الگ ریاست بن جانے سے برطانیہ کو ہندوستان میں پاؤں ٹیکے کی ایک جگہ ملتی تھی۔ ایک ایسی ریاست، جس میں مسلم لیگ برسر اقتدار ہو، مستقل طور پر برطانیہ کے حلقہ اثر میں رکھی جاسکتی تھی۔ اس کا اثر ہندوستان کے رویے پر بھی پڑ سکتا تھا۔ ہندوستان کو یہ دیکھ

کر کہ پاکستان میں برطانیہ کا اڈا ہے ، برطانوی معاد کا لحاظ رکھا پڑے گا . شاید اور کسی صورت میں وہ اتنا لحاظ نہ کرتا .

یہ سوال ایک عرصے سے زیر بحث تھا کہ آزاد ہونے کے بعد ہندوستان کام ویلتھ کارکن رہے گا یا نہیں . کیسٹ مش پلان کے مطابق یہ فیصلہ آزاد ہندوستان کی مرضی پر چھوڑ دیا گیا تھا میں بے اُس وقت سراسیمہ کرپس سے کہا تھا کہ ممکن ہے خود ہندوستان آزادانہ طور پر کام ویلتھ میں رہا ہی پسند کرے لیکن ہندوستان کی تقسیم سے جو صورت حال پیدا ہو رہی تھی وہ برطانیہ کے لئے زیادہ موافق تھی مسلم لیگ کے مطالبے کے مطابق اگر نئی ریاست بنی تو اس کا کام ویلتھ میں رہا یقی تھا ایسی صورت میں ہندوستان کو بھی محسوس ہو کر پڑتا جو پاکستان کرنا برطانیہ کی لبر حکومت پر ان باتوں کا بھی کافی اثر پڑا ہوگا اس بے ہندوستان کو آزاد کرے کا عہد کیا تھا وہ یہ بھی نہیں بھول سکتی تھی کہ سیاسی کشمکش کے دوراں میں کانگریس بے ہمیشہ برطانیہ کی مخالفت اور لیگ بے اس کی موافقت کی تھی . چنانچہ جب ماؤنٹ بیٹن بے ہندوستان کی تقسیم اور لیگ کے مطالبے کے مطابق نئی ریاست کے قیام کی تحویر پیش کی تو انہوں نے لبر کابینہ کے بہت سے ارکان کو اپنا ہم خیال پایا .

میرا خیال ہے کہ لارڈ ماؤنٹ بیٹن نے کررویشیو پارٹی سے ملاقات کے وقت اسی پہلو پر زور دیا ہوگا . مسٹر چرچل کبھی بھی کیسٹ مش پلان کے موافق نہیں تھے . انہیں ماؤنٹ بیٹن



خواب تھا جو کچھ کہ دیکھا! ۳۸۷

کی تحویر زیادہ قابل قبول معلوم ہوئی ہوگی۔ چنانچہ انہوں نے اپنی پوری طاقت کے ساتھ اس کی حمایت کی۔ لیبر حکومت نے غالباً مسئلے کے اس پہلو کا بھی لحاظ رکھا ہوگا کہ کمررویشیو پارٹی کی نائید سے ہندوستان کی آزادی کا بل زیادہ آسانی سے منظور کرایا جاسکے گا۔

نئی صورت حال پر غور کرے کے لئے ۳ حوں کو ورکنگ کمیٹی کا جاسہ ہوا۔ سب سے پہلے حو مسٹاہ زیر بحث آیا وہ صوبہ سرحد کا مستقل تھا۔ ماؤنٹ بیٹن پلان نے صوبہ سرحد کو ایک عجیب سی مشکل میں ڈال دیا تھا عبدالغفار حان اور ان کی پارٹی نے ہمیشہ کانگریس کا ساتھ دیا تھا اور لیگ کی مخالفت کی تھی مسلم لیگ حان بھائیوں کو اپنا حانی دشمن تصور کرتی تھی۔ لیگ کی مخالفت کے باوجود صوبہ سرحد میں حان بھائیوں نے کامیابی حاصل کی تھی اور یہ حکومت اب تک برسر اقتدار تھی۔ تقسیم کی وجہ سے حان بھائیوں اور کانگریس دونوں کے لئے تکلیف دہ صورت پیدا ہو گئی تھی۔ دراصل تقسیم کا مطالبہ یہ تھا کہ حان بھائیوں اور ان کی پارٹی یعنی حیدائی خدمت گاروں کو لیگ کے رحم و کرم پر چھوڑ دیا گیا ہے۔

میں ذکر کر چکا ہوں کہ گاندھی جی کے ماؤنٹ بیٹن پلان کو قبول کر لینے پر مجھے تعجب اور افسوس ہوا تھا۔ اب انہوں نے ورکنگ کمیٹی میں تقسیم کی موافقت میں تقریر کی۔ لیکن چونکہ مجھے پہلے ہی ان کے خیالات کا کچھ اندازہ ہو گیا تھا۔ اس لئے ان

کی تقریر میرے لئے زیادہ غیر متوقع نہیں تھی لیکن ہم سمجھ سکتے ہیں کہ عبدالعزیز خان پر اس کا کیا اثر ہوا ہوگا ایسا لگتا تھا کہ ان کے ہوش و حواس بالکل گم ہو گئے ہیں جد مٹ تک ان کے منہ سے ایک بول نہ نکلا۔ پھر انہوں نے ورکنگ کمیٹی سے اپیل کی اور اسے یاد دلایا کہ انہوں نے ہمیشہ کانگریس کا ساتھ دیا ہے اور اب اگر کانگریس نے ان کا ساتھ چھوڑ دیا تو سرحد پر اس کا بہت خراب ردِ عمل ہوگا ان کے دشمن ان پر ہسین گئے اور ان کے دوست بھی کہیں گے کہ جب تک کانگریس کو صوبہ سرحد کی ضرورت تھی، ان حدائی خدمت گاروں کی حمایت کی مگر جب لیگ سے مصالحت کرے کی خواہش ہوئی تو اس نے سرحد اور اس کے ایڈروں سے مشورہ بھی نہیں کیا اور تقسیم کی مخالفت کرنا چھوڑ دیا خان عبدالعزیز خان نے کئی بار دہرایا کہ اگر کانگریس نے حدائی خدمت گاروں کو بھی ٹھیکڑیوں کے سامنے بوجھے کے لئے ڈال دیا تو یہ صوبہ سرحد بے ساتھ عداوتی ہو گی۔

گاندھی جی کے دل پر عبدالعزیز خان کی اپیل کا بہت اثر ہوا اور انہوں نے کہا کہ وہ ماؤنٹ بیٹس سے اس مسئلے پر گفتگو کریں گے۔ وہ وائسرائے سے ملے اور اس مسئلے کو اُٹھاتے ہوئے انہوں نے کہا کہ وہ اس وقت تک ملک کو تقسیم کرے کی تحویر کی موافقت نہیں کریں گے جب تک انہیں یہ اطمینان نہیں ہوجائے گا کہ مسلم لیگ حدائی خدمت گاروں کے ساتھ انصاف سے پیش آئیں گی۔ جن لوگوں نے مشکلوں اور مصیبتوں کے زمانے میں

۳۸۹ خواب تھا جو کچھ کہ دیکھا ا

کانگریس کا ساتھ دیا تھا، ان کی طرف سے وہ کیسے مہ موڑ  
سکتے تھے؟

لارڈ ماؤنٹ بیٹن نے وعدہ کیا کہ وہ اس سلسلے میں مسٹر حجاج  
سے گفتگو کریں گے چنانچہ انہوں نے گفتگو کی جس کے بعد  
مسٹر حجاج نے حان عبدالعقار حان سے ملے کی خواہش ظاہر کی۔  
ان دونوں کی ملاقات ہوئی لیکن گفتگو بے نتیجہ رہی۔ یہ کوئی  
تعجب کی بات نہیں تھی جب کانگریس نے تقسیم کو تسلیم کر لیا  
تو حان عبدالعقار حان اور ان کی پارٹی کا مستقل کیا ہو سکتا  
تھا؟ ماؤنٹ بیٹن پلان کی سیاد ہی یہ تھی کہ مسلمان اکثریت کے  
صوبوں کی الگ ریاست بنے گی۔ صوبہ سرحد میں چونکہ مسلمانوں  
کی اکثریت تھی، اسے بھر حال پاکستان میں شامل ہونا تھا۔  
حمراہیائی اعتبار سے بھی صوبہ سرحد محوریہ پاکستان کی حدود کے  
اندر آتا تھا اس کی اور ہندوستان کی سرحدیں کہیں بھی نہیں  
ملتی تھیں۔

ماؤنٹ بیٹن نے کہا کہ صوبوں کو دونوں ریاستوں میں سے  
کسی میں بھی شامل ہونے کا حق ہو گا۔ انہوں نے یہ بھی اعلان کیا  
کہ صوبہ سرحد کو بھی حق خود مختاری کی سیاد پر یہ فیصلہ  
کرے گا موقع دیا جائے گا۔ چنانچہ انہوں نے بحور کیا کہ اس  
بارے میں صوبہ سرحد کی رائے معلوم کرے کے لئے وہاں استصواب  
رائے کیا جائے کہ صوبے کے لوگ ہندوستان میں شامل ہونا چاہتے  
ہیں یا پاکستان میں۔ اب ڈاکٹر حان عبدالعقار صاحب بھی آکر ورکنگ  
کمیٹی کے جلسوں میں شریک ہوئے۔ وہ اب تک صوبہ سرحد کے

چیف منسٹر تھے۔ لارڈ ماؤنٹ بیٹس ان سے اپنے پلان کے بارے میں گفتگو کر چکے تھے اور پوچھ چکے تھے کہ انہیں استصواب رائے پر کوئی اعتراض تو نہیں ہے ڈاکٹر حان صاحب صوبہ کے چیف منسٹر تھے، اس لئے ان کا دعویٰ تھا کہ اکثریت ان کی تائید کرتی ہے۔ وہ استصواب رائے کی تحویر سے اختلاف نہیں کر سکتے تھے۔ لیکن انہوں نے ایک اور سوال اٹھایا انہوں نے کہا کہ اگر استصواب رائے ہو تو پٹھانوں کو یہ حق بھی ہونا چاہئے کہ وہ اپنی الگ ریاست پختوستان کے لئے بھی رائے دے سکیں حقیقت یہ تھی کہ صوبہ سرحد میں حان بھائیوں کی طاقت اتنی نہیں تھی حتیٰ کہ کانگریس سمجھتی تھی۔ تقسیم کی تحریک کے بعد ان کا زور اور بھی گھٹ گیا تھا۔ اب چونکہ پاکستان کی سرل قریب نظر آرہی تھی اور مسلمانوں کی اکثریت کے صوبوں سے وعدہ کیا تھا کہ انہیں ایک الگ ریاست سے کا موقع دیا جائے گا اس لئے سرحد میں ایک جذباتی انقلاب کی لہر دوڑ گئی تھی۔ پاکستان کی تحریک کو برطانوی افسروں سے بہت تقویت پہنچی یہ لوگ علاوہ پاکستان کی حمایت کرتے تھے اور انہوں نے بیشتر قبائلی سرداروں کو مسلم لیگ کا ساتھ دیے پر آمادہ کر لیا۔ ڈاکٹر حان صاحب نے دیکھا کہ صوبہ سرحد اپنی قیادت کو پختوستان کا مطالبہ پیش کر کے ہی برقرار رکھ سکتے ہیں۔ پٹھانوں کو چونکہ پنجاب سے خطرہ تھا اس لئے وہ چھوٹی ہی سہی لیکن اپنی الگ ریاست بنانے کو کسی دوسری چیز پر ترجیح دیتے۔ لیکن ماؤنٹ بیٹس کسی نئے مطالبے کو سننے پر آمادہ نہیں تھے۔ وہ چونکہ

۳۹۱ حواب تھا جو کچھ کہ دیکھا !

حلد ار حلد اپنے پلاں کو عمل میں لانا چاہتے تھے اس لئے پختوستان کے مسئلے پر تفصیلی بحث بھی نہیں کی گئی

کانگریس کی کارروائیوں میں یہ حاں بھائیوں کی آخری شرکت تھی اس لئے میں چاہتا ہوں کہ یہاں پر مختصراً بیاں کر دوں کہ تقسیم سے فوراً قبل اور بعد ان پر کیا گدري حاب انہوں نے دیکھا کہ کانگریس نے تقسیم کو تسلیم کر لیا ہے تو ان کی سمجھ میں نہیں آیا کہ کیا کریں رائے شماری سے انکار ناممکن تھا کیونکہ انکار کا مطلب اس کا اعتراف تھا کہ انہیں اپنے لوگوں کا اعتماد حاصل نہیں تھا یہ دوہوں پیشاور لوٹ گئے اور انہوں نے اپنے دوستوں کے مشورے سے سرحد کی آزادی کا نعرہ بلند کیا

کانگریس کی ورکنگ کمیٹی نے سرحد کی کانگریس کے فیصلے کی تصدیق کردی تھی جس کے روسے عبدالعبار حاں کو پورا اختیار دیا گیا تھا کہ صوبے کی صورت حال کے پس نظر جو قدم مناسب سمجھیں اٹھائیں اب سرحد کی کانگریس نے پٹھانوں کی ایک ایسی آزاد ریاست کا مطالبہ کیا جس کا دستور اسلامی جمہوریت مساوات اور سماجی انصاف پر مبنی ہو۔ اپنے مطالبے کی وضاحت کرتے ہوئے حاں عبدالعبار حاں نے کہا کہ سرحد کے پٹھانوں کی اپنی ایک نمایاں تاریخ اور تہذیب ہے جس کا تحفظ صرف اسی طرح ممکن ہے کہ انہیں اپنے معاشرتی نظام کو برقرار رکھے اور ترقی دیے کی پوری پوری آزادی ہو۔ چنانچہ ان کا مطالبہ تھا کہ استصواب رائے صرف ہندوستان یا پاکستان میں شمولیت کے متعلق نہ ہونا چاہئے بلکہ ان کے علاوہ آزاد پختوستان

کے حق میں بھی رائے دیے کا موقع ہوا چاہیے۔ صرف اسی طرح استصواب رائے صحیح ہوگا اور عوام کی خواہش کی عکاسی کر سکے گا۔ اگر ایسا نہ کیا گیا تو رائے شماری بے معنی ہوگی کیونکہ پختون، پاکستان کے دوسرے عناصر میں مدغم ہو جائیگا۔ بعض اسباب کی بنا پر یہ توقع کی جاتی تھی کہ اگر رائے شماری میں آزاد پختونستان کا مطالبہ بھی شامل کر لیا گیا ہوا تو سرحد کے بہت سے لوگوں بے اس کے حق میں رائے دی ہوتی۔ یہ خطرہ انہیں تھا ہی کہ پنجاب انہیں ہضم کر لے گا۔ ممکن تھا کہ صرف اسی ایک بات سے متاثر ہو کر لوگوں بے پاکستان کے خلاف رائے دی ہوتی۔

اس مطالبے کو تسلیم کرے پر یہ ماؤنٹ بیٹن تیار تھے اور یہ مسٹر حجاج ماؤنٹ بیٹن بے یہ بات واضح کر دی کہ صوبہ سرحد ایک الگ خود مختار ریاست ہیں بایا جاسکتا۔ اسے یا تو پاکستان میں شامل ہونا پڑے گا یا ہندوستان میں۔ اس کے بعد حاکم بھائیوں بے اعلان کیا کہ ان کی پارٹی رائے شماری میں شریک نہ ہوگی۔ انہوں نے پٹھانوں سے اپیل کی کہ رائے شماری میں حصہ نہ لیں، لیکن ان کی مخالفت سے کچھ نہ ہوا۔ استصواب رائے کیا گیا اور آبادی کے خاصے بڑے حصے بے پاکستان کے حق میں ووٹ دیا۔ اگر حاکم بھائیوں نے استصواب رائے کو بائیکاٹ نہ کیا ہوتا اور ان کے ساتھیوں بے حلوص اور تدبیر سے کام کیا ہوتا تو یہ ادارہ کیا جاسکتا کہ پٹھانوں میں سے کتنے پاکستان کے خلاف تھے۔ لیکن رائے شماری کا نتجہ مسلم لیگ کے حق

۳۹۳ خواب تھا جو کچھ کہ دیکھا!

میں برآمد ہوا اور برطانوی حکومت بے اسے فوراً تسلیم کر لیا۔  
تقسیم کے بعد حان بھائیوں بے حالات کے مطابق اپنے رویے  
میں تبدیلی کر لی۔ انہوں نے اعلان کیا کہ آزاد پختوستان کے مطالبے  
سے ان کی مراد ایک الگ ریاست کا قیام نہیں تھا بلکہ وہ  
چاہتے تھے کہ صوبہ سرحد کو پاکستان کے ایک رکن کی حیثیت  
سے مکمل خود مختاری حاصل ہو۔ انہوں نے مرید وصاحت کرتے  
ہوئے کہا کہ ان کا مطالبہ صرف یہ ہے کہ پاکستان کا دستور  
صحیح معنوں میں وفاقی ہو جس میں ان صوبوں کو جو اس کے  
رکن ہوں پوری صوبہ جاتی خود مختاری دی جائے۔ اس طرح پٹھانوں  
کی معاشرتی اور تہذیبی زندگی کا تحفظ ہو جائے گا۔ ایسے تحفظ  
کے بغیر سارے پاکستان پر پٹھانیوں کا غلبہ ہو جائے گا اور ممکن  
ہے کہ وہ پٹھانوں اور دوسری اقلیتوں کو ان کے حائر حقوق سے  
محروم کر دیں۔

حان بھائیوں کا مطالبہ یقیناً حائر تھا اور مسام لیگ کے لاہور  
رپورٹیشن سے ہم آہنگ تھا جسے خود لیگ نے منظور کیا تھا  
اور جس میں بعد کو کوئی ترمیم نہیں ہوئی تھی ہر حال مسٹر  
حاج کو حان بھائیوں پر یہ الزام لگائے گا کوئی حق نہیں تھا کہ  
وہ پاکستان سے قطع تعلق کرنا چاہتے ہیں حان عبدالغفار حان  
بے اس سلسلے میں مسٹر حاج سے کئی ملاقاتیں کیں اور ایک  
موقع پر تو ایسا لگتا تھا کہ دونوں کے درمیان معاہدہ کی کوئی  
شکل نکل آئے گی۔ بعض واقع کار لوگوں کا تو یہ خیال تھا کہ  
مسٹر جناح حان عبدالغفار حان کے خلوص سے بہت متاثر ہوئے

ہیں اور ان سے اور ان کی پارٹی کے اوگوں سے ملے خود  
پیشاور حابے کا پروگرام بنایا ہے۔ ایسی کوئی بات ہوئی نہیں اور  
حان بھائیوں کے دشمنوں نے بہت جلد مسٹر حاح کا دل ان دونوں  
کی طرف سے پھیر دیا۔ خاں عبدالقیوم حان، جنہوں نے سرحد  
میں شی وراٹ سائی تھی، ظاہر ہے یہ بالکل نہیں چاہتے تھے کہ  
مسٹر حاح اور حان بھائیوں کے درمیان مصالحت ہو جائے۔ انہوں  
نے شروع ہی سے ایسا رویہ اختیار کیا کہ مصالحت اور مصالح  
کی گھٹائش نہ رہے ان کی حکومت نے حان بھائیوں کے ساتھ  
بہایب غیر مہذب اور غیر مصفاہ برتاؤ کیا اور حدائی حد متگروں  
کو ہر طرح کے ناحائر اور غیر قانونی طریقوں سے ستانا شروع  
کیا۔ جمہوریت کو پامال کیا گیا اور استبداد کی عملداری ہو گئی  
ڈاکٹر حان صاحب اور دوسرے لیڈر حیل میں سد کردئے گئے، ان  
پر نہ الزام لگایا گیا نہ انہیں عدالت کے سامنے پیش کیا گیا اور  
وہ چھ سال تک قید میں پڑے گھاتے رہے۔ حان عبدالقیوم حان کی  
کیہ پروری ہے اتنی شدت اختیار کی کہ خود مسام لیگ کا ایک  
حصہ بیرار ہو کر یہ مطالبہ کرے لگا کہ یا تو حان بھائیوں کو رہا  
کر دیا جائے یا ان پر مقدمہ چلایا جائے۔ بہر حال ان کوششوں  
کا کوئی نتیجہ نہیں نکلا اور قانون کا نام لے کر قانون اور انصاف  
کا حوں کیا جاتا رہا۔

۱۴ حوں سے ۱۹۴۷ء کو آل انڈیا کانگریس کمیٹی کا جلسہ

ہوا۔ میں اس کمیٹی کے بہت سے جلسوں میں شرکت کر چکا ہوں مگر  
اب تک ایسے عجیب و غریب جلسے میں شرکت کی بوت نہیں آئی تھی۔



وہی کانگریس جس نے ہمیشہ ملک کی آزادی اور اتحاد کے لئے  
حاج کوپائی تھی اب ملک کی تقسیم کے بارے میں خود اپنی ایک  
تجویر پر غور کرے جارہی تھی۔ پنڈت گوند لالہ پت نے تجویر  
پیش کی اور حب سردار پٹیل اور حواہر لال تقریر کرچکے تب  
خود گاندھی جی کو مداخلت کرنی پڑی۔

کانگریس اپنے آپ کو اس طرح گرا کر ہتھیار ڈال دے، میرے  
لئے یہ ناقابل برداشت تھا۔ میں نے اپنی تقریر میں صاف صاف  
کہا کہ ورکنگ کمیٹی کا فیصلہ واقعات کے ایک بہت ہی افسوسناک  
سلسلے کا نتیجہ ہے ہندوستان کا تقسیم ہونا ایک حاکم حادثہ  
ہے اور ہم اپنی معذرت کے لئے زیادہ سے زیادہ یہ کہہ سکتے  
ہیں کہ ہم نے اس سے بچنے کی امکانی کوشش کی لیکن ناکام  
رہے۔ پھر بھی ہمیں یہ نہ بھولنا چاہیے کہ قوم ایک متحد قوم ہے اور  
اس کی تہذیب مشترک تہذیب کا نمونہ ہے اور رہے گی۔ چونکہ سیاسی  
اعتبار سے ہم ناکام رہے ہیں اس لئے ملک کو تقسیم کر رہے ہیں۔  
ہمیں تسلیم کر لیا چاہئے کہ ہم نے شکست کھائی ہے لیکن ساتھ ہی  
ہمیں اس کی کوشش کرنی چاہئے کہ ہماری معاشرت اور تہذیب تقسیم نہ  
ہوے پائے۔ پانی پر چھڑی رکھ دیے سے ایسا معلوم ہو سکتا ہے کہ  
وہ دو حصوں میں تقسیم ہو گیا ہے لیکن پانی حوں کا توں رہتا ہے  
اور چھڑی کے ہٹنے ہی طاہری تقسیم بھی عائب ہوجاتی ہے۔

سردار پٹیل کو میری تقریر پسند نہیں آئی اور وہ اپنی تقریر  
میں بیشتر میری ہر بات کی تردید کرتے رہے۔ انہوں نے کہا کہ  
ہندوستان کو تقسیم کرے کی تجویر کسی کمزوری یا مجبوری کی

کی وجہ سے پیش نہیں کی جارہی ہے بلکہ ملک کے موجودہ حالات میں مسائل کا صرف یہی ایک صحیح اور مفید حل ہے ۔ اس عظیم التنا حادثے کی عمگیں فضا بھی ہسی کی باتوں سے بالکل حالی ہیں تھی ۔ کانگریس میں برابر کچھ ایسے لوگ رہے ہیں جنہوں نے اپنے آپ کو قوم پرست طاہر کیا ہے لیکن حقیقت میں ان کا نقطہ نظر حاصر فرقہ وارانہ ہے انہوں نے ہمیشہ یہ کہا کہ ہندوستان کی کوئی مشترک تہذیب نہیں ہے اور کانگریس حو بھی کہے لیکن ہندوؤں اور مسلمانوں کی سماحی ریدگی ایک دوسرے سے بالکل مختلف ہے مجھے یہ دیکھ کر بڑی حیرانی ہوئی کہ وہی مہراں حو اس طرح کے خیالات رکھتے تھے ، دفعاً متحد ہندوستان کے سب سے بڑے علم بردار س کر پلیٹ فارم پر آئے ۔ انہوں نے تحویر کی شدید مخالفت کی اور وحہ یہ نائی کہ ہندوستان کی قومی اور تہذیبی ریدگی باقابل تقسیم ہے ۔ میں نے ان سے اتفاق کیا اور مجھے اس میں درا بھر بھی شک نہیں تھا کہ حو کچھ وہ اب کم رہے تھے وہ سچ ہے لیکن میں یہ کیسے بھول جاتا کہ یہ وہی لوگ ہیں جنہوں نے عمر بھر اس بٹرنے کی مخالفت کی تھی ۔ تعجب کی بات بھی کہ اس آخری وقت میں انہیں لوگوں نے متحد اور باقابل تقسیم ہندوستان کا بعرہ بلند کیا ۔ پہلے رور کے مباحثے کے بعد لوگوں کا میلاں ورکگ کمیٹی کی تحویر کے سخت حلاف تھا لوگوں کو تحویر کو منظور کرے پر نہ پڈت پت کا دلشیں اندار آمادہ کرسکا اور نہ سردار پٹیل کی حطالت ۔ وہ آمادہ ہوتے بھی کیسے جب کہ تحویر میں ایک

طرح سے اُن تمام باتوں کی تردید بھی جو کانگریس ایسی ابتدا سے  
اتک کہتی چلی آئی تھی۔ اس لئے اب گاندھی جی کو بحث میں شریک  
ہونا ضروری ہو گیا۔ انہوں نے انہوں سے اپیل کی کہ ورکنگ کمیٹی  
کی تائید کریں۔ انہوں نے کہا کہ وہ ہمیشہ تقسیم کے مخالف  
رہے ہیں۔ اس سے کوئی انکار نہیں کر سکتا۔ لیکن ان کا خیال تھا کہ  
اب ایسی صورت حال پیدا ہو گئی ہے جس میں اس کے سوا کوئی  
چارہ نہیں ہے۔ سیاسی حقیقت شناسی کا تقاضا ہے کہ ماؤنٹ بیٹن  
پلان کو تسلیم کر لیا جائے۔ انہوں نے انہوں سے اپیل کی کہ  
پڈت پست کی پیش کردہ تحویر کو منظور کر لیں۔

حب تحویر پر رائے لی گئی تو انیس انہوں نے اس کے حق  
میں اور پندرہ نے اس کے خلاف ووٹ دیا۔ گاندھی جی کی اپیل  
بھی اس سے زیادہ لوگوں کو تقسیم کے حق میں رائے دیے پر  
آمادہ نہ کر سکی۔

تحویر تو منظور ہو گئی، لیکن لوگوں کا حال کیا تھا؟ تقسیم  
کے خیال ہی سے دل عمگیں ہو رہے تھے۔ شاید ہی ایسا کوئی  
شخص ہوگا جس نے محفوظات دہی کے بغیر اسے تسلیم کیا ہو۔  
جس لوگوں نے تقسیم کو منظور کیا تھا خود ان کے جذبات اس  
کے خلاف تھے۔ اس سے بدتر وہ فتنہ انگیز ورقہ وارانہ پروپگنڈا  
تھا جس کا ہر طرف چرچا ہو رہا تھا۔ بعض حلقوں میں غلابیہ یہ  
بات کہی جارہی تھی کہ پاکستان کے ہندوؤں کو ڈرے کی کوئی  
وحہ نہیں ہے کیونکہ ہندوستان میں ساڑھے چار کروڑ مسلمان ہیں۔  
اگر پاکستان کے ہندوؤں پر کسی طرح کا ظلم ہوا تو اس کا حمیارہ

ہندوستان کے مسلمانوں کو بھگتا پڑے گا۔

آل انڈیا کانگریس کمیٹی میں سدھ کے عمروں سے اس تحویر کی بہت شدت سے مخالفت کی تھی انہیں ہر طریقے سے اطمینان دلایا گیا اور اگرچہ علاوہ یہ بات نہیں کہی گئی لیکن خانگی گفتگو میں ان سے یہاں تک کہا گیا کہ اگر پاکستان میں ان کے لئے کسی طرح کی رکاوٹیں پیدا کی گئیں یا انہیں دلیل کیا گیا تو اس کا بدلہ ہندوستان کے مسلمانوں سے لیا جائے گا۔

حب یہ باتیں پہلے پہل سے میں آئیں تو مجھے بہت صدمہ ہوا۔ میں نے فوراً محسوس کیا کہ یہ ایک نہایت خطرناک حدہ ہے جس کے نتائج بہت نقصان دہ ہوں گے اور نقصان کا سلسلہ دور تک چائے گا اس جذبے کی پشت پر یہ خیال تھا کہ ملک کی تقسیم اس شرط کے ساتھ تسلیم کی جارہی ہے کہ ہندوستان اور پاکستان اپنی اپنی طرف اقلیت کو برعمال کے طور پر رکھیں گے، تاکہ ایک اقلیت دوسری اقلیت کی صامں ٹھہرائی جاسکے مجھے اقلیتوں کے تحفظ کو انتقام پر منحصر کرے کا یہ نظریہ بہت وحشیانہ معلوم ہوا بعد کے واقعات نے میرے اندیشوں کو حق بحاب ثابت کیا۔ تقسیم کے بعد نئی سرحد کے دونوں طرف حوں کی حو بدیاں ہیں وہ برعمال رکھے اور انتقام لیے کے جذبے کا نتیجہ تھیں

کانگریس کے کچھ ارکان محسوس کرتے تھے کہ ایسے طارئے کتے خطرناک ہیں۔ سگال کے ایک کانگریسی لیڈر، کرن شکر رائے نے پہلی بار مجھے اس طرف توحہ دلائی۔ ان دنوں اجاریہ کرپلائی

خواب تھا جو کچھ کہ دیکھا ! ۳۹۹

کانگریس کے صدر تھے انہوں نے ان سے بھی گفتگو کی اور انہیں بتایا کہ یہ طریقہ بہت خطرناک ہے اور اگر اس حد سے بڑھے دیا گیا تو اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ پاکستان میں ہندوؤں پر اور ہندوستان میں مسلمانوں پر سخت مظالم ہوں گے لیکن کرن شکر رائے کی بات کسی نے بھی نہیں سنی بلکہ انہوں نے ان کا مذاق اڑایا ان لوگوں نے ان سے یہ بھی کہا کہ ہندوستان کی تقسیم کے ساتھ ضمانت کا یہ طریقہ بھی تسلیم کرنا ضروری ہے۔ ان کا خیال تھا کہ پاکستان کے ہندوؤں کا تحفظ صرف اسی طرح ممکن ہے۔ کرن شکر رائے مطمئن نہیں ہوئے اور میرے پاس آئے۔ ان کی آنکھوں میں آسو بھرے تھے انہوں نے ان کانگریسی لیڈروں کی یقین دہانیوں کو کوئی وقعت نہیں دی اور اپنی زندگی میں اپنے بدترین خدشات کو حقیقت بننے دیکھ لیا

شروع میں برطانوی حکومت نے پندرہ مہینے کی مدت مقرر کی تھی جس کے اندر اقتدار منتقل کرے کی کارروائی مکمل ہوئی تھی۔ ۲۰ فروری کو مسٹر ایٹلی نے واضح طور پر یہ بات کہی تھی کہ برطانوی حکومت کا یہ قطعی ارادہ ہے کہ زیادہ سے زیادہ خون سے ۱۹۴۸ء تک دمہ دار ہندوستانی ہاتھوں کو اقتدار سوپ دیا جائے۔ ۲۰ فروری اور ۳ جون کے درمیان بہت سے واقعات رونما ہوچکے تھے چونکہ تقسیم کا پلان منظور کیا جاچکا تھا اس لئے ماؤنٹ بیٹس نے کہا کہ اسے جلد از جلد عمل میں لے آنا چاہئے۔ ان کی اس خواہش میں کئی باتیں شامل تھیں۔ اول تو وہ چاہتے تھے کہ دمہ داری حادہ اور جلد ہندوستانیوں کو سوپ

دی جائے۔ دوسری طرف غالباً ان کو یہ خدشہ بھی تھا کہ اگر اس کارروائی میں دیر ہوئی تو نئی رکاوٹیں پیدا ہوجائیں گی وہ کیسٹ مش کے پلان کا حشر دیکھ چکے تھے جس کی تعمیل میں دیر ہونے کی وجہ سے لوگوں کو دوبارہ سوچنے کا موقع مل گیا اور آخر کار نتیجہ یہ نکلا کہ پلان نامعلوم ہو گیا۔

ماؤنٹ بیش بے اپنے واسطے ہندوستان کو تقسیم کرے کے کام کے لئے تین مہینے کی مدت مقرر کی۔ کام آسان نہیں تھا میں بے کھام کھلا اس پر شہر طاہر کیا کہ اتنی کم مدت میں اتنے پیچیدہ پلان کو پائے تکمیل تک پہنچایا جاسکے گا۔ مجھے یہاں اس کارپردازی اور قابلیت کو حراج تحسین ادا کرنا چاہیے جس کے ساتھ ماؤنٹ بیش بے اس کام کو سرانجام دیا۔ انہیں تفصیلات پر اتنا غور حاصل تھا اور معاملات پر اتنی حلد قابو پالیتے تھے کہ تین ماہ کے اندر سارے مسئلے حل ہو گئے اور ۱۴ اگست ۱۹۴۷ء کو ہندوستان دو ریاستوں میں تقسیم ہو گیا۔

میں ایک دو مثالیں دے کر یہ دیکھانا چاہتا ہوں کہ ماؤنٹ بیش بے کس پھرتی اور اعتماد کے ساتھ ان پیچیدہ مسائل کو حل کیا جو دو ریاستوں کو قائم کرے کے سلسلے میں پیدا ہوئے۔ جیسے ہی یہ بات طے پائی کہ ہندوستان کو تقسیم کیا جائے، ہندوؤں اور مسلمانوں بے اپنے اپنے مطالبات بڑھا چڑھا کر پیش کرنے شروع کئے ملک میں مختلف مقامات پر فسادات ہوئے لگے۔ ۱۹۴۶ء کے کلکتے کے قتل عام کے بعد، بواکھالی اور پور بھار میں فساد ہوا۔ پنجاب میں مارچ کے مہینے میں بلوے شروع

خواب تھا جو کچھ کہ دیکھا ! ۴۰۱

ہوئے ۔ پہلے صرف لاہور کے علاقے تک محدود تھے لیکن رفتہ رفتہ وہ بڑھتے رہے اور راولپنڈی اور اس کے اطراف میں حوں حراہ ہوئے لگا دراصل لاہور وہ میدان تھا جسے جیتنے کے لئے فرقہ پرست ہندو اور مسلمان لڑ رہے تھے ہندوؤں اور سکھوں کے نمائندوں نے کانگریس کو اس کا قائل کرنا چاہا کہ لاہور کو ہندوستان میں رہنا چاہئے ۔ ان کا کہنا تھا کہ پنجاب کی سیاسی اور اقتصادی زندگی کا مرکز لاہور ہے اور اگر یہ پاکستان میں چلا گیا تو پنجاب بے دست و پا ہو جائے گا۔ اس لئے بہت سے لوگوں نے کہا کہ لاہور کے معاملے کو سیاسی حیثیت دینا چاہئے ۔ کانگریس نے اس تحویر سے اتفاق نہیں کیا اور کہا کہ اس مسئلے کو وہاں کے باشندوں کی خواہش کے مطابق طے ہونا چاہئے ۔

کچھ مسلمانوں ہندوؤں اور سکھوں کا خیال تھا کہ لاہور کا مسئلہ تشدد کے ذریعے حل ہو سکتا ہے ۔ لاہور اور گرد و نواح میں حائدادوں کے مالک زیادہ تر ہندو تھے ۔ کچھ مسلمانوں نے سمجھا کہ ہندوؤں کو نقصان پہنچانے کا سب سے موثر طریقہ یہ ہے کہ ان کی ملکیت کو تباہ کیا جائے اور ان سے اقتصادی محاذ پر جنگ کی جائے چنانچہ وہ بغیر کسی امتیاز کے ہندوؤں کے کارخانوں کو حلائے اور مکانات کو لوٹے لگے ۔ ہندوؤں کے ایک حصے نے اس کے جواب میں مسلمانوں کو قتل کرنا شروع کر دیا ۔ ان کے پاس دولت تھی اور ان کا خیال تھا کہ اس طرح وہ مسلمانوں کو لاہور سے بھگادیگے اور وہاں ہندوؤں کی اکثریت یقینی ہو جائے گی ۔ یہ بات غلابہ کہی جاتی

تھی کہ اس فرقہ وارانہ جنگ میں جہاں ایک فریق کا حملہ مال پر اور دوسرے کا جان پر تھا، طرفین کے فرقہ پرست لیڈر بالواسطہ یا بلاواسطہ شریک ہیں۔ چنانچہ یہ عام طور پر کہا اور صحیح مانا جاتا تھا کہ مرکزی اور صوبائی لیگ کے لیڈر ہندوؤں پر حملے کرے گا انتظام کر رہے ہو اسی طرح ہندو مہاسا کے لیڈروں پر یہ الزام تھا کہ وہ ہندوؤں کو مسلمانوں کے خلاف اکسا رہے ہیں

بالکل ایسی ہی صورت حال کلکتے میں پیدا ہو چکی تھی۔ مسلم لیگ کے حامی اصرار کر رہے تھے کہ کلکتے کو پاکستان میں شامل کیا جائے اور لیگ کے مخالفوں کو فکر تھی کہ ہندوستان میں رہے

یہ صورت حال تھی جب ماؤنٹ بیٹن سگال اور پنجاب کی تقسیم کی طرف متوجہ ہوئے یہ بات طے پا چکی تھی کہ صوبائی اسمبلی اس بات کا فیصلہ کریگی کہ صوبہ تقسیم کیا جائے یا حوں کا توں کسی ایک ریاست میں شامل رہے۔ پنجاب اور سگال دونوں کی اسمبلیوں نے تقسیم کے حق میں فیصلہ کیا اس لئے صوبوں کی نئی سرحدوں کا تعین ضروری ہو گیا اس کام کے لئے لارڈ ماؤنٹ بیٹن نے ایک حیدری کمیشن مقرر کیا اور مسٹر ریڈکلیف سے اس خدمت کو احاطہ دیے کے لئے کہا۔ مسٹر ریڈکلیف اس وقت شملہ میں تھے۔ انہوں نے اپنے تقرر کو منظور تو کر لیا لیکن ساتھ ہی تحویر کیا کہ پیمائش کا کام شروع حوالائی سے کیا جائے۔ ان کا کہا تھا کہ حوں کی گرمی میں زمین کے معائنے اور



۴۰۳ حواب تھا حو کچھ کہ دیکھا !

پیمائش کا کام ناممکن ہوگا اس کو اگر حوالائی میں شروع کیا جائے تو صرف تین حار ہفتوں کی دیر ہوگی۔ کلارڈ ماؤنٹ بیٹن بے حواب دیا کہ وہ ایک دن کے توقف پر بھی راضی نہیں ہیں اس لئے تین حار ہفتے کے التوا کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ان کے حکم کی تعمیل کی گئی۔ یہ ماؤنٹ بیٹن کی مستعدی اور کار پرداری کی ایک مثال ہے۔

ماؤنٹ بیٹن کے سامنے دوسرا مسئلہ حکومت ہند کے دفاتر اور اثاثہ کی تقسیم کا تھا جس صوبوں بے حوں کا توں کسی ریاست میں شامل ہونے کا فیصلہ کر لیا تھا، ان سے متعلق بھی دشواریاں تھیں مثلاً پاکستان میں شامل ہونے والے صوبوں سے متعلق کاعدات اور دستاویزات کا علیحدہ کر کے پاکستان بھجوا دیا حو صوبے تقسیم ہوئے تھے ان کا مسئلہ اور بھی گھٹک تھا۔ ماؤنٹ بیٹن بے بیشتر انتظامات اپنی نگرانی میں کرانے اور ایک کمیٹی حو اس مقصد کے لئے مقرر ہوئی تھی ہر معاملے کو حو بحث طلب ہوتا اسی وقت طے کر دی۔ مالیات اور فوج کی تقسیم کا معاملہ اور بھی مشکل تھا لیکن ماؤنٹ بیٹن کی حوش تدبیری اور قوت عمل کسی رکاوٹ کو خاطر میں نہ لائی اور مالیات کے پیچیدہ سے پیچیدہ مسائل بھی معصہ مدت کے اندر طے پا گئے۔

یہ بات طے پا چکی تھی کہ فوج کا تین چوتھائی حصہ ہندوستان کو اور ایک چوتھائی حصہ پاکستان کو ملے گا لیکن سوال یہ تھا کہ فوج کو بھی فوراً تقسیم کیا جائے یا اسے دو تین سال تک ایک ملی جلی کمان کے تحت رکھا جائے۔ فوج کے کمانڈروں

کا یہ مشورہ تھا کہ فی الحال حبل اسٹاف مشترک رہے۔ میں ان کی دلیلوں سے متاثر ہوا اور میں بے ان کی حمایت کی۔ ماؤنٹ بیٹس کی دلیلوں کے علاوہ میری سمجھ میں کچھ اور باتیں بھی آئی تھیں۔ مجھے ڈر تھا کہ تقسیم کے ساتھ فسادات بھی شروع ہوں گے اور ایسی صورت میں ایک مشترکہ فوج ہندوستان کے لئے بہت مفید ثابت ہوگی۔ مجھے یقین تھا کہ اگر ہم تمنا ہی سے بچا چاہتے ہیں تو ہمیں فوج کو فرقہ وارانہ بیج پر تقسیم نہ کرنا چاہئے اب تک فوج میں کبھی فرقہ وارانہ جذبات نمودار نہیں ہوئے تھے اور اگر اسے سیاست سے دور رکھا جاتا تو اس کی ڈسپلین اور غیر حاب داری پر بھروسہ کیا جاسکتا تھا۔ اس لئے میں بے مشترکہ کمان کے قیام پر رور دیا اور میں اس بات کو صط تحریر میں لانا چاہتا ہوں کہ ماؤنٹ بیٹس بے میری پوری حمایت کی۔ مجھے یقین ہے کہ اگر فوج ایک مشترکہ کمان کے تحت رہی ہوتی تو آرا دی کے بعد خون کی حو بدیاں ہیں وہ ہر گر نہ بہتیں۔

مجھے افسوس کے ساتھ کہا پڑتا ہے کہ میرے ساتھی مجھ سے متفق نہیں تھے اور انہوں نے میری محالمت کی۔ مجھے سب سے زیادہ حیرت ڈاکٹر راحدر پرشاد کی محالمت پر ہوئی۔ وہ ایک امن پسند آدمی تھے۔ جس کا مسلک عدم تشدد تھا۔ مگر اب انہیں کو فوج کی تقسیم پر سب سے زیادہ اصرار تھا۔ ان کا کہا تھا کہ ہندوستان کی تقسیم کے بعد ایک دن کے لئے بھی فوج کو مشترکہ کمان کے تحت نہ رکھا جائے، نہ اسے رکھا جاسکے گا۔ میرے خیال میں یہ بہت نقصان دہ فیصلہ تھا۔ اس کی وحہ

خواب تھا جو کچھ کہ دیکھا ! ۴۰۵

سے فوج فرقوں کی سیاد پر تقسیم ہو گئی۔ مسلمان حصے پاکستان کو چلے گئے اور ہندو اور سکھ سب کے سب ہندوستان کو ملے نتیجہ یہ ہوا کہ فرقہ پسندی کا زہر فوج میں بھی پھیل گیا۔ اب تک اس سے محفوظ تھی ۱۵ اگست کے بعد جب سرحدوں کے دونوں طرف بے گناہ مردوں اور عورتوں کا خون بہایا جائے لگا تو فوج کھڑی تماشا دیکھ رہی تھی۔ یہی نہیں، کچھ موقعوں پر تو فوج کے آدمی بھی اس لڑائی میں شریک ہو گئے

ماؤنٹ بیٹس بے عجب سے عصبے سے زیادہ غم کے لہجے میں کہا کہ فوج کے ہندوستانی سپاہی اور افسر مشرقی پنجاب کے مسلمانوں کو قتل کر رہے ہیں شریک ہونا چاہتے تھے۔ لیکن برطانوی افسروں بے نری مشکل سے انہیں روکے رکھا۔ یہ بیاں ماؤنٹ بیٹس کا تھا۔ مجھے معلوم نہیں کہ برطانوی فوج کے بارے میں ان کی روایت کسی حد تک درست تھی مگر یہ میں اپنی ذاتی معلومات کی بنا پر کہہ سکتا ہوں کہ سابقہ غیر تقسیم شدہ ہندوستانی فوج کے کچھ لوگوں بے پاکستان میں ہندوؤں اور سکھوں کو اور ہندوستان میں مسلمانوں کو قتل کیا۔ اس طرح ہندوستانی فوج کی شاددار روایت کی خلاف ورزی ہوئی اور اس کے قابل فخر ریکارڈ پر پر ایک دھبہ لگ گیا۔

میری رائے تھی کہ ملازموں کو بھی فرقہ واری سیاد پر نہ تقسیم کیا جائے۔ سیاسی حالات بے ہمیں تقسیم کو ماسے پر محور کیا تھا۔ سرکاری افسروں کو ان کے علاقوں سے ہٹانے کی کوئی وجہ نہیں تھی میری رائے تھی کہ ہر صوبے کے ملازمین

کو اسی صوبے میں رہنا چاہئے۔ یعنی مغربی پنجاب، سندھ اور مشرقی بنگال کے افسر چاہے جس فرقے کے ہوں، پاکستان میں رہیں اور حو ملارمیں ہندوستانی صوبوں میں تھے، بلا امتیاز مذہب ہندوستان میں رہیں۔ میں سمجھتا تھا کہ اگر ملارمتوں کو ہی فرقہ واریت سے پاک رکھا جائے تو دونوں ریاستوں کی فضا زیادہ بہتر رکھی جا سکے گی حکومت فرقہ پرستی کے رہر سے محفوظ رہے گی اور ریاستوں کی اقلیتیں زیادہ اطمینان محسوس کریں گی۔ مجھے افسوس ہے کہ میری دلیلیں اور مت سماج سب ناکام رہیں اور یہ فیصلہ ہوا کہ ہر سرکاری ملارم کو یہ حق دیا جائے کہ ہندوستان پاکستان دونوں میں سے کسی ریاست کی ملارمت پسند کر لے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ تقریباً سارے ہندوؤں اور سکھوں نے ہندوستان میں اور مسلمانوں نے پاکستان میں جانا پسند کیا۔

میں نے اس مسئلے پر ماؤنٹ بین سے تفصیلی گفتگو کی اور انہیں فوج اور ملارمتوں کی تقسیم کے خطرناک امکانات کی طرف توجہ دلائی انہیں مجھ سے اتفاق تھا اور انہوں نے حتی الامکان میری حمایت کی۔ فوج کے معاملے میں انہیں بالکل کامیابی نہیں ہوئی۔ لیکن ملارمتوں کے معاملے میں ان کی کوششوں کا یہ نتیجہ نکلا کہ افسروں کو حق دیا گیا کہ وہ چاہیں تو مستقلاً یا عارضی طور پر کسی ریاست کو منتخب کر لیں۔ مستقلاً فیصلہ کرے والوں کا تو کوئی مسئلہ نہیں تھا، لیکن عارضی طور پر فیصلہ کرے والوں کو چھ ماہ کے اندر اپنے فیصلے پر نظر ثانی کرے کا اختیار دیا گیا۔ دونوں ریاستوں نے وعدہ کیا کہ جو لوگ واپس آنا

حواب تھا جو کچھ کہ دیکھا ۱

۴۰۷

چاہیں وہ انہیں واپس ایسے کی دمہ دار ہوں گی۔ افسوس ہے کہ اس وعدے کے باوجود عام طور پر دونوں ریاستوں نے ایسے لوگوں کے ساتھ جھوٹے عارضی اتحاد کیا تھا، مصفاہ سلوک ہیں کیا۔

مجھے افسوس کے ساتھ کہا پڑتا ہے کہ اس معاملے میں مسلم لیگ نے نادانی اور کوتاہ اندیشی سے کام لیا۔ اس نے سارے مسلمان افسروں کو ہندوستان چھوڑے اور پاکستان کو مستح کرے پر اکسایا۔ اس وقت مرکزی محکموں کے بہت سے اہم عہدوں پر مسلمان مامور تھے لیگ نے ان سب پر دباؤ ڈالا کہ وہ ہندوستان کو چھوڑ دیں جو اس پر رصاصہ نہیں ہوئے انہیں اس کے متعلق افواہیں پھیلا کر ڈرایا گیا کہ حب کانگریس پورے طور پر برسرِ اقتدار آجائے گی تو ان کا کیا حشر ہوگا۔ ان افواہوں سے مسلمان سرکاری ملازموں میں کسی قدر بے چینی پیدا ہو رہی تھی، اس لئے میں نے حکومت ہند پر دباؤ ڈالا کہ وہ اس بارے میں ایک اعلان کے ذریعے اپنا رویہ واضح کر دے۔ لارڈ ماؤنٹ بیٹش اور خواجہ لال نے میری پورے طور پر تائید کی اور ایک اعلان جاری ہو بھی گیا جس میں مسلمان اور دوسری اقلیتوں کے سرکاری ملازموں کو یقین دلایا گیا کہ اگر وہ ہندوستان میں رہے تو انہیں نہ صرف ان کے حقوق مابین گئے بلکہ ان کے ساتھ فیاضی کا سلوک کیا جائے گا۔

اس اعلان کا نتیجہ یہ ہوا کہ کئی افسروں کی ڈھارس بندھ گئی اور انہوں نے ہندوستان میں رہنے کا فیصلہ کر لیا۔ حب مسلم ایک

کو اس کا علم ہوا تو اس نے ان افسروں کو توڑے کی مہم شروع کی۔ یہ لوگ اپنے مستقل کے بارے میں یوں ہی کیا کم ہراساں تھے۔ اب لیگ نے انہیں یہ دھمکی دی کہ اگر وہ ہندوستان میں رہے تو پاکستان انہیں اپنا دشمن تصور کرے گا اور انہیں ہر ممکن طریقے سے ستائے گا۔

ان افسروں میں بہت سے ان صوبوں کے تھے جو پاکستان میں شامل ہونے والے تھے۔ جب انہوں نے یہ دیکھا کہ مسلم لیگ کے لیڈر پاکستان میں ان کے اعرا اور ان کی ملکیت کو نقصان پہنچا کر بدلہ لیں گے تو وہ بہت پریشان ہوئے۔ خود میری مسٹری میں کئی مسلمان افسر اہم حکموں پر تھے جنہوں نے میری یقین دہائیوں پر ہندوستان کے حق میں فیصلہ کیا تھا لیکن جب لیگ نے ڈرانا دھمکانا شروع کیا تو ان میں سے کئی میرے پاس آئے اور آئندہ ہو کر کہا کہ اگرچہ ہم نے ہندوستان میں رہنے کا فیصلہ کیا تھا لیکن مسلم لیگ کی اس دھمکی کے بعد ہمارا یہاں ٹھہرنا ناممکن ہے۔ ہمارے خاندان کے سارے لوگ مغربی پاکستان میں ہیں اور ہم یہ گوارا نہیں کر سکتے کہ انہیں تکلیف پہنچے۔ اس لئے ہم پاکستان کو متح کرے پر محور ہیں۔

مسلم لیگ کا مسلمان افسروں کو ہندوستان سے پاکستان بھگا دینا نادانی کا فعل تھا اور اس سے نقصان بھی ہوا۔ حقیقت یہ ہے کہ اس سے ہندوستان کو مجموعی طور پر اتنا نقصان نہیں ہوا جتنا خود مسلمانوں کو۔ اب جو تقسیم کو منظور کیا جا چکا تھا، پاکستان کا قیام عمل میں آئے والا تھا تو یہ بات ظاہر تھی کہ اس

خواب تھا جو کچھ کہ دیکھا ۱ ۴۰۹

نئی ریاست میں مسلمانوں کو ہر طرح کا فائدہ حاصل ہوگا۔ اگر اسی کے ساتھ کچھ مسلمان ہندوستان کی ملالہت میں رہتے تو اس سے انہیں ذاتی طور پر فائدہ پہنچے کے علاوہ ان کی جماعت کے لئے بہت سود مند ثابت ہوتا۔ کچھ صاحب اختیار مسلمانوں کی موحودگی سے ان کی جماعت میں اعتماد پیدا ہوتا اور بہت سے بے سیاد حدشے دور ہوحاتے میں پہلے کہ چکا ہوں کہ تقسیم پر اصرار کر کے لیگ بے کتی نادانی کا ثبوت دیا تھا مسلمان افسروں کے بارے میں لیگ کا رویہ اس نادانی کی ایک اور مثال تھی۔

یہ طے پایا تھا کہ ہندوستان ایک ڈومین کی حیثیت سے ۱۵ اگست ۱۹۴۷ء کو وعود میں آئے گا۔ مسلم لیگ بے فیصلہ کیا کہ پاکستان کا قیام ایک روز پہلے یعنی ۱۴ اگست کو عمل میں آئے۔ ان دونوں کے قیام کے سلسلے میں ایک ناحوش گوار واقعہ ہوا۔ برطانوی کامن ویلتھ میں ایک دستوری رسم ہوگئی تھی کہ ہر ڈومین خود اپنا گورنر جنرل منتخب کرے اور بعض نے اپنے شہریوں کو اس عہدے پر مامور کیا تھا۔ ہندوستان بھی چاہتا تو اپنے کسی شہری کو اپنا پہلا گورنر جنرل بناتا۔ لیکن ہم لوگوں بے طے کیا کہ اچانک تبدیلی کرنا مناسب نہ ہوگا اور اگر لارڈ ماؤنٹ بیٹن ہی کو گورنر جنرل منتخب کیا جائے تو اس سے انتظامی امور اور پالیسی میں ایک طرح کا تسلسل رہے گا۔ ساتھ ہی یہ بھی خیال تھا کہ شروع میں دونوں ڈومینوں کا ایک ہی گورنر جنرل ہو اور جو تبدیلی مقصود ہو وہ بعد کو کی جائے۔

عام طور پر یہ سمجھا جاتا تھا کہ پاکستان کے فیصلے میں یہی  
یہ باتیں ملحوظ ہوں گی۔

اس بنا پر ہم بے اعلان کر دیا کہ ہم بے گورنر جنرل کے  
عہدے کے لئے لارڈ ماؤنٹ بیٹن کو مستحب کیا ہے۔ اُمید یہ تھی  
کہ لیگ بھی انہیں کو مستحب کرے گی لیکن عین وقت پر لیگ  
بے یہ تحویر کر کے کہ مسٹر جناح کو پاکستان کا پہلا گورنر جنرل  
مستحب کیا جائے، سب کو حیرت میں ڈال دیا۔ لارڈ ماؤنٹ بیٹن  
بے حب یہ سنا تو انہوں نے ہم سے کہا کہ اب صورت حال بالکل  
بدل گئی ہے اور تحویر کیا کہ ہم اپنے فیصلے پر نظر ثانی کریں  
اور کسی ہندوستانی کو اس عہدے پر مامور کریں لیکن ہمیں اپنا  
فیصلہ بدلنے کی کوئی وجہ نہیں نظر آئی اور ہم بے پھر کہہ دیا کہ  
لارڈ ماؤنٹ بیٹن ہندوستان کی دومیں کے پہلے گورنر جنرل ہوں گے

-----



## تقسیم شدہ ہندوستان

اُن اُور اوی میں حو کھانی میں بیاں کرنا چاہتا تھا یہ اس کا آخری رات ہے ۱۴ اگست ۱۹۴۷ء کو لارڈ ماؤنٹ بیٹن ریاست پاکستان کا افتتاح کرے کراچی گئے دوسرے ہی روز صبح دلی لوٹ آئے اور پندرہ اگست کو بارہ بجے رات کے وقت ہندوستان کی ڈومینیں وجود میں آئی

ملک آزاد ہو گیا تھا لیکن عوام آزادی اور کامیابی کا پورا اظہار نہ اٹھا سکے دوسرے دن حب ان کی آنکھ کھلی تو انہوں نے دیکھا کہ آزادی کے ساتھ ایک بہت الماک حادثہ واقع ہوا ہے ہم نے بھی محسوس کیا کہ اس منزل تک پہنچنے سے پہلے جہاں ہم ٹھہر کر آرام کر سکیں گے اور آزادی کی نعمتوں سے مستفیض ہو سکیں گے، ایک لمبا اور سنگلاخ راستہ طے کرنا ہوگا۔

کانگریس اور مسلم لیگ دونوں نے تقسیم کو تسلیم کیا تھا۔ چونکہ کانگریس ساری قوم کی نمائندہ جماعت تھی اور مسلم لیگ کو کافی مسلمانوں کی حمایت حاصل تھی اس لئے قاعدے کے مطابق اس کا یہ مطلب ہونا چاہئے تھا کہ سارے ملک نے تقسیم کو مان لیا ہے۔ لیکن اصل صورت حال بالکل ہی اور تھی۔

جب ہم نے تقسیم کے فوراً قبل اور فوراً بعد سارے ملک پر نگاہ

ڈالی تو معلوم ہوا کہ اس فیصلے کو تسلیم کرے گا مطلب صرف یہ ہے کہ آل انڈیا کانگریس کمیٹی کے ایک ررولیشن اور مسلم لیگ کے رجسٹر میں اس کا اندراج ہو گیا ہے۔ ہندوستان کے عوام بے تقسیم کو تسلیم نہیں کیا تھا۔ ان کا دل، ان کی روح اس ظلم پر چلا اُٹھی تھی میں بے ابھی کہا ہے مسلم لیگ کو کافی مسلمانوں کی حمایت حاصل تھی۔ ایک مسلمانوں کا ایک کافی بڑا حصہ ایسا تھا جس بے ہمیشہ لیگ کی محالمت کی تھی طاہر ہے تقسیم کے فیصلے سے ان لوگوں کو گہرا رحم لگا۔ جہاں تک ہندوؤں اور سکھوں کا تعلق تھا اُن میں سے ہر ایک تقسیم کے خلاف تھا اور کانگریس کے تقسیم کو مان لیے کے باوجود ان کی محالمت میں ذرہ برابر بھی فرق نہیں آیا تھا اب جو تقسیم عملی حقیقت بن گئی تو خود مسلم لیگ کے بہت سے حامی اس کے بھیانک نتائج کو دیکھ کر دہشت کھا گئے اور کھام کھلا یہ کہے لگے کہ تقسیم سے ان کی مراد یہ نہیں تھی۔

آج دس برس بعد جب ہم ان ساری باتوں پر دوبارہ نظر ڈالتا ہوں تو دیکھتا ہوں کہ واقعات بے ہر اس بات کی تصدیق کی ہے۔ جو اس وقت میں بے کہی تھی مجھے اس وقت بھی صاف محسوس ہو رہا تھا کہ کانگریس کے لیڈروں بے تقسیم کو آزادی کے ساتھ اور کھلے دل سے نہیں مانا ہے۔ ان میں سے کچھ تو حالی عصہ میں اور ننگ آکر اور کچھ بالکل مایوس ہو کر اس پر راضی ہو گئے تھے۔ جب دلوں پر عم اور عصہ یا خوف کا جدہ حاوی ہو جائے تو لوگوں میں حقائق پر بطور کہہ کر فیصلہ کرے کی صلاحیت نہیں رہتی۔

حس لوگوں کے مشتعل جذبات سے انہیں تقسیم کا حامی بنا دیا تھا وہ کیسے سوچ سکتے تھے کہ ان کے عمل کے نتیجے کیا ہوں گے۔ کانگریس کے لیڈروں میں تقسیم کے سب سے بڑے حامی سردار پٹیل تھے لیکن یہ بھی تقسیم کو ہندوستان کے مسائل کا بہترین حل نہیں تصور کرتے تھے درحقیقت انہوں نے اپنی پوری طاقت سے تقسیم کی حمایت صرف جھجھلاہٹ اور احساس خودداری کو نہیں پہنچے کی وجہ سے کی تھی انہوں نے دیکھا کہ لیاقت علی خان بحیثیت وزیر مالیات ان کی ہر تحویر رد کر کے انہیں قدم قدم پر رچ کر دیتے ہیں اس لئے انہوں نے تنگ آکر فیصلہ کیا تھا کہ اگر تقسیم کے سوا چارہ نہیں ہے تو ملک کو تقسیم ہو جانا چاہئے انہیں اس کا بھی یقین تھا کہ پاکستان کی نئی ریاست میں رہ رہے کی صلاحیت نہ ہوگی اور وہ زیادہ دن قائم نہ رہ سکے گی۔ وہ یہ بھی سمجھتے تھے کہ پاکستان کو تسلیم کر کے مسلم لیگ کی سخت تادیب کی جاسکے گی پاکستان کی ریاست تھوڑے ہی عرصے میں بیٹھ جائے گی اور جو صوبے ہندوستان سے الگ ہوئے ہوں گے انہیں بے پناہ مشکلوں اور مصیبتوں کا سامنا کرنا پڑے گا

ملک کی تقسیم کے بارے میں عام لوگوں کے رویہ کا اصل امتحان ۱۴ اگست ۱۹۴۷ء کو ہوا جب آزاد پاکستان قائم ہوا۔ اگر عوام بے تقسیم کو قبول کیا ہوتا تو پنجاب، سندھ، سرحد اور بنگال کے ہندو اور سکھ ویسی ہی حوشی ماتے حسے کہ وہاں کے مسلمان مارے تھے۔ مگر ان صوبوں سے جو اطلاعات ہم

تک پہنچیں ان سے اس دعوے کا کھوکھلاپن ظاہر ہو گیا کہ کانگریس کا تقسیم کو مان لینا قوم کے مان لیے کے برابر ہے۔

۱۴ اگست پاکستان کے مسلمانوں کے لئے حشر کا دن تھا، ہندوؤں اور سکھوں کے لئے سوگ اور ماتم کا۔ یہ کیفیت صرف عام لوگوں کی نہیں تھی بلکہ کانگریس کے اہم لیڈر بھی اسے محسوس کرتے تھے۔ ان دنوں آچاریہ کریلانی کانگریس کے صدر تھے۔ یہ سدھ کے رہنے والے ہیں۔ انہوں نے ۱۴ اگست کو ایک بیاں شائع کیا کہ آج کا دن ہندوستان کے لئے تباہی اور ماتم کا دن ہے۔ پاکستان کے ہندوؤں اور سکھوں نے کھلے بدوں اس حدیے کا مظاہرہ کیا۔ یہ واقعی عجیب و غریب صورت حال تھی۔ ہماری قومی جماعت نے تقسیم کے حق میں فیصلہ کیا تھا لیکن سارا ملک اس کی وحہ سے دکھی ہو گیا تھا

یہاں یہ سوال اٹھتا ہے کہ اگر ہندوستانیوں کے دلوں میں تقسیم کے خیال سے عصہ اور عم کے ایسے جذبات پیدا ہوئے تھے تو انہوں نے اسے کیوں منظور کیا؟ انہوں نے اور زیادہ سختی سے اس کی مخالفت کیوں نہیں کی؟ انہیں کیا حلدی تھی کہ ایسا فیصلہ کر لیا جسے تقریباً ہر شخص غلط سمجھتا تھا؟ مانا کہ ۱۵ اگست تک ہندوستان کے مسائل کا کوئی مناسب حل نہیں نکل سکا تھا لیکن اس کی وحہ سے ایک غلط فیصلہ کر لیے اور پھر ہائے کرے کے کیا معنی؟ میں برابر کہتا رہا تھا کہ اس وقت تک انتظار کرنا چاہئے جب تک کہ کوئی بہتر حل سمجھ میں آئے۔ میرے س میں جو کچھ تھا میں نے کیا۔ لیکن بدقسمتی

سے میرے دوستوں اور ساتھیوں نے میری حمایت نہیں کی۔ حقیقت سے اس عجیب چشم پوشی کا صرف ایک سبب میری سمجھ میں آتا ہے اور وہ یہ کہ عصہ اور مایوسی نے ان کی آنکھوں پر پردے ڈال دیے تھے۔ غالباً ایک خاص تاریخ یعنی ۱۵ اگست کے یقین نے ان پر ایسا حادو کیا کہ انہوں نے ماؤنٹ بیٹس کی ہر بات بغیر سوچے سمجھے تسلیم کر لی

حالت ایسی تھی کہ درد بھی ہوا تھا اور ہسی بھی آتی۔ سب سے مضحکہ خیز مسلم لیگ کے ان لیڈروں کی کیفیت تھی جو تقسیم کے بعد ہندوستان میں رہ گئے تھے مسٹر حناح اپنے ساتھیوں کو یہ پیغام دے کر کراچی کے لئے روانہ ہو گئے کہ اب جو ملک تقسیم ہو گیا ہے تو انہیں ہندوستان کے وفادار ستھری س کر رہنا چاہئے اس الوداعی پیغام نے ان کے اندر کمزوری اور مایوسی کا ایک عجیب احساس پیدا کر دیا۔ ۱۴ اگست کے بعد ان میں سے بہت سے لیڈر مجھ سے ملے آئے۔ ان کی حالت پر رحم آتا تھا ان میں سے ہر ایک نے سحت افسوس اور عصے کے ساتھ مجھ سے کہا کہ حناح نے انہیں دھوکا دیا ہے اور عین وقت پر ان کا ساتھ چھوڑ دیا۔ پہلے پہل میری سمجھ میں نہ آیا کہ ان کے یہ کہنے کا کیا مطلب ہے کہ حناح نے انہیں دھوکا دیا؟ انہوں نے تو صاف صاف مسلمانوں کی اکثریت کے صوبوں کی سیاد پر ملک کی تقسیم کا مطالبہ کیا تھا اب پاکستان میں کیا تھا اور مشرق اور مغرب دونوں طرف مسلمانوں کی اکثریت کے علاقے پاکستان میں شامل ہو گئے تھے۔ پھر آخر یہ مسلم لیگ

کے نمائندے کیوں کہ رہے تھے کہ انہیں دھوکا دیا گیا؟  
 ان سے گفتگو کرتے وقت مجھے معلوم ہوا کہ ان کے ذہن  
 میں تقسیم کی ایک ایسی تصویر تھی جسے حقیقت سے کوئی  
 واسطہ نہ تھا۔ دراصل یہ لوگ پاکستان سے کے نتائج کا کوئی  
 اندازہ کر ہی نہیں سکتے تھے۔ یہ ظاہر تھا کہ اگر مسلمانوں کی  
 اکثریت کے صوبے پاکستان میں شامل ہوجائیں گے تو بقیہ صوبے  
 جہاں مسلمان اقلیت میں تھے، ہندوستان میں شامل رہیں گے۔ یو۔ پی  
 اور ہار کے مسلمانوں کو تو تقسیم کے بعد بھی ہندوستان ہی  
 میں رہنا تھا، اس لئے کہ وہ اقلیت میں تھے۔ یہ بات تو عجیب  
 ہے مگر واقعہ یہی ہے کہ مسلم لیگ کے ان لیڈروں نے حماقت  
 میں اپنے دل میں سمجھ لیا کہ پاکستان اس حوالے کے بعد سارے  
 مسلمان چاہے وہ اکثریت کے علاقے کے ہوں، یا اقلیت کے، ایک  
 قوم تصور کئے جائیں گے اور انہیں ایسے مستقل کے بارے میں  
 فیصلہ کرے گا پورا حق ہوگا۔ لیکن اب جو مسلمانوں کی اکثریت  
 کے صوبے پاکستان میں شامل ہو گئے۔ پنجاب اور سگال کی تقسیم  
 بھی ہو گئی اور مسٹر جناح کراچی کے لئے روانہ ہو گئے، تو آخر کار  
 انہیں احساس ہوا کہ ہندوستان کی تقسیم سے انہیں کوئی فائدہ نہیں  
 ہوا ہے بلکہ اس کی وجہ سے وہ اپنا سب کچھ کھو بیٹھے ہیں۔  
 جناح کا الوداعی پیغام ایک ذرا سی چوٹ تھی جس سے انہیں چت  
 کر دیا۔ اب یہ بات ان پر واضح ہو گئی کہ تقسیم کا واحد نتیجہ یہ  
 نکلا ہے کہ اقلیت کی حیثیت سے وہ اور بھی کمزور ہو گئے ہیں  
 اس پر طرہ یہ کہ انہوں نے اپنی نادانی کی حرکت سے ہندوؤں کے

دل میں عصہ اور حلں پیدا کردی تھی۔

مسلم لیگ کے یہ لوگ برابر کہے رہے کہ اب وہ ہندو اکثریت کے رحم و کرم پر ہیں۔ یہ بات ایسی مدسی تھی کہ ان واقعات پر وہ حواطہار غم کرتے تھے اس کی وجہ سے ان کے ساتھ کوئی ہمدردی نہیں ہوتی تھی۔ میں بے انہیں وہ بات یاد دلائی حو میں بے کسٹ مش کے رمایے میں کہی بی۔ ۱۵ اپریل کو میں بے ایک بیاں دیا تھا جس میں، میں بے ہندوستانی مسلمانوں کو بیت صاف لفظوں میں آگاہ کیا تھا۔ میں بے کہا تھا کہ اگر ملک تقسیم ہوا تب ان کی آنکھ کھلے گی اور وہ دیکھیں گے کہ اکثریت والے علاقوں کے پاکستان میں شامل ہوجائے گے اور وہی وہ ہندوستان ہی میں رہیں گے مگر ان کی حیثیت ایک ادبی اور حقہ اقایب کی سی ہوجائے گی۔

۱۵ اگست کو آرادی کی ریلی صبح کا حیر مقدم کرے کے اسے حاص پروگرام مرتب کیا گیا تھا رات کے بارہ بجے محاس دستور سار کا جلسہ ہوا اور اس میں اعلان کیا گیا کہ اب ہندوستان آزاد ہوکر ایک حود مختار ریاست بن گیا ہے۔ دو بجے صبح کو اس مجلس کا دوبارہ جلسہ ہوا جس میں لارڈ ماؤنٹ بیٹن بے افتتاحیہ تقریر کی۔ سارے شہر پر ایک ہنگامہ حیر حوشی طاری تھی تھوڑی دیر کے ائے تو تقسیم کے کرب کا احساس بھی مٹ گیا شہر اور اس پاس کے علاقوں سے لاکھوں آدمی آرادی کو حوش آمدید کہے کے لئے اکٹھا ہوئے تھے۔ چار بجے شام کو آزاد ہندوستان کا پرچم بلند ہونے والا تھا۔ اگست کی تہی ہوشی دھوپ کے باوجود لاکھوں آدمی جمع ہوئے بلکہ گھنٹوں پہلے

سے بے پناہ گرمی میں بیٹھے انتظار کر رہے تھے۔ ایسا اژدھام تھا کہ لارڈ ماؤنٹ بیٹن اپنی کار سے باہر نہیں نکل پائے اور محسوساً اسی کے اندر سے تصریر کرنی پڑی۔

حوشی سے وحد کی سی کیفیت طاری ہو گئی تھی یہ حالت اڑتالیس گھنٹوں سے زیادہ نہ رہی دوسرے ہی روز سے فرقہ وارانہ فسادات کی حریریں دارالسلطنت پر افسردگی کے نادل بن کر چھا گئیں۔ یہ حریریں قتل، موت اور ایذا رسانی کی تھیں معلوم ہوا کہ مشرقی پنجاب میں - بڑوں اور سکھوں کے مسلمانوں کے گھڑ پر حملے آتے ہیں مکان حلاً رہے ہیں اور یہ گناہ مردوں، عورتوں اور بچوں کو قتل کر رہے ہیں بالکل ایسی سی حریریں مغربی پنجاب سے آرہی ہیں۔ وہاں مسلمان اسی طرح ہندو اور سکھ مرد عورتوں اور بچوں کو لٹھا دھد قتل کر رہے تھے۔ عرصہ پورا پنجاب اس قتل و غارت کی وحہ سے قبرستان بن چکا تھا۔ وارداتیں بہت تیری کے ساتھ نکلے بعد ریگرے ہوتی رہیں۔ پنجاب کے وزیر دوز دوز کر دلی آرہے تھے ان کے بچھے مقامی کانگریس کے لیڈر آئے تھے۔ جو غیر سرکاری اوگ تھے یہ سب ان واقعات سے دہشت زدہ تھے، جو پنجاب میں روتا ہو رہے تھے حوں حراہ اتے نرے پیمانے پر سو رہا تھا کہ ان کے ہوش و حواس گم تھے اور مایوسی کے عالم میں وہ کہہ رہے تھے کہ شاید یہ کسی طرح روکا نہ جاسکے گا ہم بے پوچھا کہ اب اوگ موج سے کیوں نہیں مدد لیتے۔ انہوں نے جواب دیا کہ پنجاب میں جر موج ہے وہ قابل اعتبار نہیں رہی ہے اور اس سے کچھ بہت



مدد کی امید نہیں کی جاسکتی۔ ان کا مطالبہ تھا کہ وہاں کے لئے دلی سے فوج بھیجی جائے۔

پہلے دلی میں فسادات نہیں ہوئے۔ لیکن جب چاروں طرف ملک میں قاتلانہ شعلے بھڑک رہے تھے، دلی میں جو تھوڑی بہت دررو فوج تھی اس کا وہاں سے ستانا مصالحت کے خلاف ہوا۔ ہم لوگوں نے طے کیا کہ دوسرے معاملات سے فوج بلانی جائے لیکن فوج کے پہنچنے سے قبل فسادات کی آگ دارالسلطنت تک پہنچ گئی۔ دلی کی سڑکیں بھربھری ہو گئیں۔ ان کے چہرے پر غم تھا۔ وہ کہتے تھے کہ یہاں پر فسادات شروع ہو گئے۔ معلوم ہوا تھا کہ تہذیبی قانون کا قصہ ہے فسادات۔ صرف ان سسوں تک نہیں محدود ہوئے جہاں ریہوچی آباد تھے۔ ہاں جہاں عام لوگ رہتے تھے، لاکھ وہ علاقے بھی لیٹ میں آگئے۔ جہاں صرف سرکاری ملازم رہتے تھے۔ جب مغربی پنجاب کی جوتی دہریوں کی جوتی دہری ہو گئیں تو دلی کے فساد پسند عناصر کی قیادت میں لوگوں کے ہجوم نے مسلمانوں پر دھاوا بول دیا۔ دلی میں کچھ سکھوں نے ان قاتلانہ حماوں کی تنظیم میں بہت نمایاں حصہ لیا۔

میں پہلے اشارہ کرچکا ہوں کہ برعمالوں اور اسماعی کارروائیوں کے خطرناک طرئے کے بارے میں جو غیر دمہ دارانہ باتیں ہوئی تھیں ان کی وجہ سے میں کس قدر پریشان اور فکر مند ہو گیا تھا۔ دلی میں ہم نے اس طرئے پر ایک بھانک طریقے سے عمل درآمد ہوتے ہوئے دیکھا۔ اگر مغربی پنجاب کے مسلمان ہندوؤں اور سکھوں

کو قتل کر رہے تھے تو دلی کے بے قصور مسلمانوں سے اس کا بدلہ کیوں لیا جائے؟ یرغمالوں اور انتقام کا یہ طریقہ اس قدر ظالمانہ تھا کہ کوئی بھی صحیح دماغ کا اور شائستہ انسان اس کی حمایت میں ایک لفظ بھی کہا پسند نہیں کرے گا۔

فوجیوں کا رویہ بھی اب ایک مسئلہ بن گیا تھا تقسیم سے پہلے یہ فرقہ وارانہ مہارت سے پاک تھی۔ لیکن حب فرقوں کی بنیاد پر ملک تقسیم ہوا تو مہارت کے حرائیم فوج میں بھی داخل ہو گئے۔ دلی میں جو فوج تھی اس میں زیادہ تر ہندو اور سکھ تھے۔ چند ہی دور کے اندر یہ بات بالکل واضح ہو گئی کہ اگر شہر میں امن قائم رکھے کے لئے سحت کارروائی کی گئی تو یہ دلی کی فوج کے لئے بہت سحت آزمائش کا باعث ہو سکتی ہے اس لئے ہم بے حیوب سے فوج ہلاک کی کارروائی کی اس پر ملک کی تقسیم کا اثر نہیں پڑا تھا اور اس میں سیاہیابہ فرمان برداری کا حدبہ موحود تھا حیوب سے آئے ہوئے ان سیاہیوب بے دارالسلطنت کے فسادات کو رفع کرے اور امن قائم کرے میں بہت اہم حصہ لیا

خاص شہر کے علاوہ قرون باع، لودھی کالونی، سری مڈی اور صدر نارار حیسے علاقے تھے جہاں مسلمانوں کی بڑی آبادی تھی، ان تمام علاقوں میں حاں و مال محفوط ہیں رہے تھے اور جو حالات تھے ان میں فوج کے ذریعے حماطب کا پورا انتظام ہیں کیا حاسکتا تھا۔ ایک وقت تو اس کی بوت آگئی کہ کوئی مسلمان اپنے گھر میں رات کو اس یقین کے ساتھ نہیں سو سکتا تھا کہ

دوسرے دن وہ رندہ ہلنگ سے اٹھے گا۔

ان قبل و عارت کے دیوں میں، میں بے فوجی افسروں کے ساتھ دلی کے مختلف علاقوں کا دورہ کیا میں بے دیکھا کہ مسلمان بالکل پست ہو گئے ہیں اور بے سی کا احساس ان کی طبیعتوں میں سرایت کر گیا ہے۔ بہتوں بے میرے مکاں میں پناہ مانگی شہر کے مشہور اور امیر حانداں کے لوگ میرے پاس محتاحی کے اس عالم میں پہچے کہ تن کے کیڑوں کے سوا ان کے پاس کچھ بھی ہیں بچا تھا ان میں سے بہت سے تو دن کی روشنی میں نکلتے ڈرتے تھے اور وہ بیچ رات یا صبح تڑکے فوجی پہرے کے ساتھ میرے گھر تک لائے گئے حب میرا مکاں بھر گیا تو میں بے اپنی چہار دیواری کے اندر حیمے لگوا دئے مرد، عورتیں، امیر، عرب، بوحواں اور »زھے، عرص کہ ہر قسم کے لوگ موت کے ڈر سے یہاں ہاتھ پاؤں سمیت کر جمع ہو گئے تھے۔

یہ بات حلد ہی معام ہو گئی کہ اس قائم ہوئے میں کافی وقت لگے گا مختلف علاقوں میں دور دور پھیلے ہوئے مکاؤں کی حفاظت ناممکن تھی اگر ہم ایک علاقے میں پہرے کا انتظام کرتے تو کسی دوسرے علاقے میں حملے ہوئے لگتے۔ اس لئے یہ طے پایا کہ سارے مسلمانوں کو یکجا کر کے انہیں محسوط کیمپوں میں رکھ دیا جائے ایسا ایک کیمپ پرانے قلعے میں قائم کیا گیا یہاں اب عمارت کوئی نہیں ہے۔ صرف برحیاں باقی رہ گئی ہیں حلد ہی یہ بھر گئیں بہت سے مسلمان یہاں لائے گئے اور انہوں نے تقریباً پوری سردیاں انہیں برحیوں میں گزار دیں۔

فسادات کے رماے میں امس و اماں قائم رکھے کے لئے کئی اسپیشل محسٹریٹ مقرر کئے گئے تھے۔ محوے افسوس کے ساتھ کہا پڑتا ہے کہ انتخاب اچھا ثابت نہیں ہوا اور ان میں سے بعض بے اپنے فرص کی ادائیگی میں بڑی کوتاہی کی۔ ایک محسٹریٹ کے بارے میں تو مجھے اچھی طرح سے یاد ہے کہ ایک رور ایک ہندو کانگریسی اس کے پاس مدد کے لئے آیا اس بے بتایا کہ مسلمانوں کے ایک علاقے پر حملے کا اندیشہ ہے اور بعض حامدوں کے لئے حاں کا خطرہ ہے۔ محسٹریٹ بے ضروری کارروائی کے بجائے اس کانگریسی پر بے حس ہوئے کا الزام لگایا اور کہا کہ اسے تعجب ہے کہ کوئی ہندو مسلمانوں کے لئے مدد مانگے آتا ہے۔

اس واقعے سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ صحاف لوگوں پر اس بحراں کا کیا اثر ہوا لیکن اگر کچھ اسپیشل محسٹریٹ اور کانگریسی اپنے منصب کے ناقابل ہکے تو دلی کے زیادہ تر کانگریسیوں بے اس سحت آرمائش کے موقع پر اعلیٰ طری کا ثبوت دیا کانگریس کے ہندو اور سکھ ممبر اپنے فرقہ پرست ہم مذہب لوگوں کی طعن و تشیع کے باوجود ثابت قدم اور اپنے قوم پرست اصولوں پر قائم رہے لارڈ ماؤنٹ بیٹن بے ہندوساں کی تقسیم کو عمل میں لانے کے لئے جو کچھ کیا اس پر میں اعتراض کرچکا ہوں لیکن اس بحراں کے رماے میں جس طرح انہوں نے حالات پر قابو حاصل کیا اس پر مجھے ان کو حراح تحسین پیش کرنا ہے۔ انہوں نے جس سرگرمی اور مستعدی سے ملک کی تقسیم کے پیچیدہ

اور مشکل منصوبے کو سرانجام دیا، اس کی طرف میں پہلے بھی اشارہ کرچکا ہوں۔ اب انہوں نے ملک میں امن و امان قائم کرے میں اور بھی زیادہ مسعدی اور سرگرمی دکھائی ان کی فوجی تربیت بڑے آڑے وقت کام آئی میرا خیال ہے کہ شاید ان کی قیادت اور ان کے فوجی تجربے کے بغیر ہم حالات پر اتنی حاوی اور اے موثر طریقے سے قابو نہ پاسکتے تھے۔ انہوں نے کہا کہ یہ حالت بالکل جنگ کی سی ہے اور اس میں دوران جنگ کے طریقوں پر عمل کرنا چاہئے جنگ کے زمانے میں ہنگامی کوشاں چوبیس گھنٹے کام کرتی ہیں ہمیں ایک عملی کونسل بنانی چاہئے جو ہر معاملے کے پیش ہوئے ہی اس کے متعلق فیصلہ کرے اور یہ بھی دیکھے کہ اس پر عمل درآمد ہونا ہے۔ چنانچہ ایک ہنگامی بورڈ بنایا گیا۔ جس میں کابینہ کے کچھ افسر اور کچھ اہل تجربے کے فوجی اور سول افسر رکھے گئے۔ رورہ سارے نو بجے صبح کو اس بورڈ کا اجلاس کابینہ کے دفتر میں ہوتا تھا جس کی صدارت خود لارڈ ماؤنٹ بیٹن کرتے تھے پچھلے چوبیس گھنٹوں میں جو احکام جاری ہوتے اور ان پر جو عمل ہونا اس کا حائرہ لیا جاتا تھا تک اس پوری طرح دوبارہ قائم نہیں ہوا۔ یہ بورڈ بغیر کسی وقفے کے برابر کام کرتا رہا اس کے سامنے رور صبح کو جو اطلاعات آئیں ان سے صورت حال کی برکت کا اور خطرے کا اندازہ ہوجاتا تھا

ایک اچھے حاکم کی پہلی پہچان یہ ہے کہ وہ ذاتی پسند و ناپسند کو نظر انداز کرکے ہر ایک کی جان و مال کی حفاظت

کا صامس ہوحائے ۱۹۴۶ء اور ۱۹۴۷ء کے ہولساک رماے میں حواہر لال بے ایک سچے حاکم کی ان صلاحیوں کا بہت نمایاں ثبوت دیا۔ جس رور سے انہوں بے حکومت کی ناگ ڈور سسوالی، انہوں بے محسوس کرلیا کہ حکومت کو شہریوں کے درمیان کسی قسم کی تفریق نہیں برتی چاہئے اور ہر ایک کے ساتھ حواہ وہ ہندو، مسلمان، سکھ، عیسائی، پارسی یا بدھ ہو، یکساں برتاؤ کرنا چاہئے۔ قابوں کی نظر میں ہندوستان کے ہر شہری کا حق برابر ہے

ایک اچھے ناظم کی حیثیت سے ان کی صفا کا یہاں ثبوت سہ ۱۹۴۶ء میں ملا کلکتے کے قتل عام کے بعد بواکھالی میں فسادات شروع ہوگئے، جس میں ہندوؤں کو بہت نکلیف پہچی بواکھالی کے ہندوؤں کا انتقام لیے کے لئے ہار کے ہندوؤں بے مقامی مسلمانوں پر حملے شروع کردئے اور سارے صوبے میں فسادات ہوئے لگے۔ صوبے کی حکومت کے لئے حالات ہر قابو پانا مشکل ہوگیا اور مرکزی حکومت کو سحت کارروائی کرنی پڑی۔ میں ان دیوں تقریباً دو ہفتے پٹھے میں مقیم رہا۔ جس سحتی اور قوت کے ساتھ حواہر لال بے ان فسادات کی روک تھام کی اس سے میں بہت متاثر ہوا۔ یوں تو ہم سب ایک ہی مقصد کے لئے کوشاں تھے لیکن بلا سہ اس میں سب سے موثر کار گداری جواہر لال کی تھی۔

اس پوری مدت میں گاندھی جی ایک شدید ذہنی کرب میں مستلا تھے۔ انہوں بے دونوں فرقوں کے درمیان بہتر فضا پیدا کرے

کے لئے اور مسلمانوں کی جاں و مال کی حفاظت کے لئے جی توڑ کوشش کی۔ انہیں اس سے بڑی پریشانی اور تکلیف ہوئی۔ ان کی کوششوں کو وہ کامیابی نصیب نہ ہوئی جس کی انہیں اُمید تھی اکثر وہ جواہر لال، سردار پٹیل اور مجھ کو بلا بھیجتے اور شہر کا حال دریافت کرتے۔ اُنہیں یہ دیکھ کر اور بھی رنج ہوا کہ حرد ہم لوگ اس بارے میں متفق نہیں ہیں کہ شہر میں کیا ہو رہا ہے

سچ یہ ہے کہ میرا اور جواہر لال کا رویہ سردار پٹیل کے رویے سے مختلف تھا۔ اس اختلاف کا اثر مقامی حکام پر پڑ رہا تھا اور یہ بات واضح ہوتی جا رہی تھی کہ ان حکام میں بھی دو گروہ بن گئے ہیں۔ بڑا گروہ سردار پٹیل کی نظریں دیکھتا ہے، اس لئے کہ وہ وزیر داخلہ تھے، اور وہ وہی کرنا چاہتا تھا جس سے سردار پٹیل خوش ہوتے۔ دوسرے چھوٹے گروہ کی نظریں مری اور جواہر لال کی طرف اُٹھی تھیں اور یہ جواہر لال کے احکام کا لائے کی کوشش کرتا تھا ان دنوں دلی کے چیف کمشنر ایک مسلمان، حورشید احمد تھے جو صاحب زادہ آفتاب احمد کے بیٹے تھے۔ حیثیت افسر یہ مصبوط آدمی ہیں تھے۔ اس کے علاوہ انہیں یہ ڈر بھی تھا کہ اگر انہوں نے سختی کی تو ان پر مسلمانوں کی طرفداری کا الزام لگایا جائے گا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ وہ صرف نام کے افسر اعلیٰ تھے اور ڈپٹی کمشنر ساری کارروائیاں اپنی صواب دید کے مطابق کرتا تھا یہ افسر سکھ تھا لیکن سکھوں کے رسم و رواج کی بہت سی باتوں پر عمل نہیں کرتا تھا۔ اُس نے

داڑھی مڈا دی تھی اور بال ترشواتا تھا بہت سے سکھ اس کو بدعتی تصور کرتے تھے وہ تقسیم سے پہلے بھی دلی کا ڈپٹی کمشنر تھا۔ ۱۵ اگست سے قبل ایک تحویر تھی کہ اُسے پنجاب واپس بھیج دیا جائے کیونکہ اُس کی مدت ہو چکی ہے دلی کے بہت سے سر بر آوردہ سہریوں نے خصوصاً مسلمانوں کے ایک بڑے حصے سے اس تحویر کے خلاف درخواست دی اُن کا کہا تھا کہ یہ ایک غیر حاب دار اور مضبوط افسر ہے اس کوں وقت میں اس کا مناسب بدل ملنا مشکل ہوگا

سہریوں کی حراہش کے مطابق اس افسر کو دلی ہی میں رکھا گیا ایسا معلوم ہوتا ہے کہ پنجاب کی فرقہ وارانہ کشمکش کے اتر میں آکر وہ اپنے پچھلے رویے پر قائم نہ رہ سکا۔ عجب تک بہت سی شکایتیں پہنچیں کہ فسادوں کے خلاف حتی سحت کارروائی کی ضرورت تھی وہ نہیں کر رہا تھا۔ وہی مسلمان جنہوں سال بھر قبل اس کو دلی میں رکھے کی کوشش کی تھی، اب آکر یہ شکایت کرتے تھے کہ وہ دلی کے مسلمان سہریوں کی حفاظت کا معقول انتظام نہیں کر رہا ہے یہ شکایت سردار پٹیل تک پہنچی لیکن اب وہ ایسی شکایتوں پر بہت ہی کم توجہ کرتے تھے۔ سردار پٹیل وزیر داخلہ تھے اور اس حیثیت سے دلی کے انتظامی امور براہ راست ان کے تحت تھے لوٹ مار اور قتل کی وارداتوں کی فہرست طول کھینچے لگی تو گاندھی جی نے سردار پٹیل کو بلا کر دریافت کیا کہ وہ اس کشت و خون کی روک تھام کے لئے کیا کر رہے ہیں، سردار پٹیل نے انہیں یقین



دلایے کی کوشش کی کہ جو حریف ان تک پہنچ رہی ہیں وہ نہایت مبالغہ آمیز ہیں۔ انہوں نے یہ تک کہا کہ مسلمانوں کو ڈرنے اور شکایت کرے کی کوئی وجہ نہیں ہے۔ مجھے یاد ہے کہ ایک موقع پر حب ہم تیسوں گاندھی جی کے پاس بیٹھے ہوئے تھے تو خواہر لال نے انتہائی عم کے ساتھ کہا کہ دلی کی صورت حال جس میں مسلمان کتوں اور بلیوں کی طرح مارے جا رہے ہیں، ان کے لئے بالکل ناقابل برداشت ہو گئی ہے انہیں اپنی بے بسی پر شرم آتی ہے کہ وہ مسلمانوں کو سجاے کے لئے کچھ نہیں کر سکتے۔ ان کا صبر انہیں ہر وقت ستاتا رہتا ہے اس لئے کہ حب لوگ ان کے پاس ہیست ناک وارداتوں کی شکایتیں لے کر آتے ہیں تو ان کی سمجھ میں نہیں آتا کہ لوگوں کو کیا جواب دیں۔ خواہر لال نے اس بات کو کئی بار دہرایا کہ یہ صورت حال ان کے لئے ناقابل برداشت ہے اور ان کا صبر انہیں ایک لمحہ بھی چپ سے نہیں رہے دیتا۔

اس بات کا سردار پٹیل نے جو جواب دیا اس سے ہم متاثر رہ گئے ایسے زمانے میں جب کہ دلی میں مسلمان دن دھاڑے مارے جا رہے تھے، سردار پٹیل نے نہایت اطمینان کے ساتھ گاندھی جی سے کہا کہ خواہر لال کی شکایتیں بالکل ان کی سمجھ میں نہیں آتی ہیں۔ ہوسکتا ہے کہ اکا دکا وارداتیں ہوئی ہوں ایک حکومت مسلمانوں کے جان و مال کی حفاظت کی ہر ممکن کوشش کر رہی ہے۔ اور اس سے زیادہ کچھ نہیں کیا جاسکتا۔ سردار پٹیل نے اٹھے اس بات پر ناگواری ظاہر کی کہ خواہر لال

وریر اعظم ہوتے ہوئے اپنی حکومت کے طرر عمل پر ایسے اعتراض کر رہے تھے

حوابرلال چند لمحے چپ بیٹھے رہے اور پھر نہایت دل شکستہ اندار میں انہوں نے گاندھی جی کی طرف دیکھ کر کہا کہ اگر سردار پٹیل کے یہی خیالات ہں تو پھر انہیں کچھ نہیں کہا ہے اس دوراں میں ایک واقعہ اور بھی ہوا جس سے اس بات کا اندارہ کہا جا سکتا ہے کہ سردار پٹیل کا دہں کس طرح کام کر رہا تھا۔ عالماً انہوں نے یہ محسوس کیا کہ مسلمانوں پر رورائہ حو حملے ہو رہے تھے ان کا کوئی حوار ہزنا چاہئے حاجہ انہوں نے یہ کہا شروع کیا کہ مسلمانوں کے علاقوں سے اسلحے برآمد ہوئے ہیں، حو دہلی کے مسلمانوں نے ہندوؤں اور سکھوں پر حملہ کرے کے لئے جمع کئے تھے مطلب یہ تھا کہ اگر ہندوؤں اور سکھوں نے اس معاملے میں پہل نہ کی ہوتی تو مسلمان انہیں تباہ کر دیتے۔ پولیس نے سری مڈی اور قروں باع کے علاقوں سے واقعی کچھ اسلحے برآمد بھی کئے، حو سردار پٹیل کے حکم سے گورنمنٹ ہاوس میں لا کر ہمارے معائنے کے لئے کیسٹ روم سے ماتحتی کمرے میں سجادئے گئے صبح کو جب ہم سب اپنے رورائہ کے جلسے کے لئے جمع ہوئے تو سردار پٹیل نے کہا کہ پہلے ہمیں پاس کے کمرے میں چل کر برآمد شدہ اسلحوں کا معائنه کرنا چاہئے۔ وہاں پہنچ کر ہم نے ایک میر پر درحوں باورچی خانہ کی معمولی رنگ آلود چھریاں، جیبی اور قلم و پسل سائے کے چاقو جی میں سے بعض کے دستے لگے تھے اور بعض

کے عائب تھے۔ کچھ لوہے کی سلاحیں حو پرانے مکانات کے جنگلوں سے نکالی گئی تھیں اور کچھ پائپ کے ٹکڑے دیکھے۔ سردار پٹیل کے خیال میں یہی وہ اساجے تھے جنہیں مسلمانوں نے ہندوؤں اور سکھوں کو بیست و نود کرے کے لئے جمع کیا تھا لارڈ ماؤنٹ بیٹن نے ان میں سے ایک دو چاقو اٹھا لئے اور مسکرا کر کہا کہ حو لوگوں نے جنگ کا یہ سامان اس خیال سے جمع کیا تھا کہ اس سے دلی کا شہر فتح کر لیا جائے، ان کا جنگ کے بارے میں تصور بہت ہی عجیب و غریب ہوگا

میں ذکر کر چکا ہوں کہ دلی کے زیادہ تر مسلمانوں کو پرانے قلعے میں لا کر رکھا گیا تھا اب سردیاں سر پر آگئیں تو انہیں سردی ہزاروں لوگ حو کھلے آسمان کے نیچے رہتے تھے انہیں سردی سے سحت تکلیف پہنچتی تھی ان کے لئے کھانے کا معقول انتظام تھا، پانی کا۔ وہاں سے گدگی بنانے کا اول دو کوئی انتظام تھا ہی نہیں اور حو تھا بھی وہ بالکل ناکافی تھا۔ ڈاکٹر داکر حسین نے ہنگامی بورڈ کے سامنے شہادت دیتے ہوئے پرانے قلعے میں رہنے والوں کی دل گدار حالت بیان کی۔ انہوں نے کہا کہ ان غریب مردوں، عورتوں اور بچوں کو موت کے منہ سے نکال کر زندہ درگور کیا گیا ہے۔ بورڈ نے مجھے ہدایت کی کہ میں حو کر انتظامات کا معائنہ کروں اور ضروری کارروائیاں تحویر کروں اس کے بعد جلسے میں طے پایا کہ پانی اور صفائی کا فوراً انتظام کیا جائے۔ ساتھ ہی فوج سے کہا گیا کہ وہ حتیٰ زیادہ سے زیادہ حیمے دے سکتی ہو فراہم کرے تاکہ لوگوں کو کم سے کم کیمیوں کے

نیچے پناہ مل سکے۔

ادھر گاندھی جی کی ادیت روز افرون بھی۔ پہلے ساری قوم ان کی ادے سے ادے خواہش پوری کرے پر تیار رہتی تھی لیکر اب یہ عالم تھا کہ وہ مت اور التجا کر رہے تھے اور لوگوں کے کان پر حوں تک نہ رینگتی تھی بالآخر حالات ان کے لئے ناقابل برداشت ہو گئے۔ انہوں نے مجھے بلا کر کہا کہ میرے پاس اب اس کے علاوہ کوئی دربعہ نہیں رہ گیا ہے کہ اس وقت تک کے لئے رت رکھوں، جب تک الی میں ہوں۔ میں نے انہیں فائدہ ہو جائے۔ یہ خبر سن کر گاندھی جی دل سے اس لئے قائم رہے۔ رت رکھے والے میں، بہت سے لوگ حوں اب تک ہاتھ پر باغ دھرے سٹھے تھے، شرمندہ اور عمل کی طرف مائل ہوئے۔ سب نے محسوس کیا کہ گاندھی جی کہ اس عمر میں اور صحت کی اس حال میں رت رکھے سے روکنا چاہئے۔ ان لوگوں نے گاندھی جی سے اپیل کی کہ وہ ایسا ارادہ ترک کر دیں۔ ایک گاندھی جی کا فیصلہ اٹل تھا

سردار پٹیل کا رویہ گاندھی جی کے دل پر سب سے بڑا بوجھ تھا۔ سردار پٹیل ان کے بہت قریب کے لوگوں میں تھے اور انہیں بہت عزیز تھے۔ دراصل سردار پٹیل کی سیاسی حیثیت پر لحاظ سے گاندھی جی کی مرہوں مت تھی۔ کانگریس کے اہم لیڈروں میں بہت سے ایسے تھے جن کی سیاسی زندگی گاندھی جی کے سیاسی میدان میں آئے سے پہلے شروع ہو چکی تھی۔ لیکن سردار پٹیل اور ڈاکٹر راجندر پرشاد، دو آدمی ایسے تھے جو بالکل گاندھی جی کے

ہائے ہوئے تھے۔ ترک موالات کی تحریک سے پہلے سردار پٹیل گجرات کے وکیلوں میں سے ایک وکیل تھے۔ ملک کی سیاسی زندگی سے انہیں کوئی دلچسپی نہ تھی اور وہ سیاسی دنیا میں کوئی حیثیت نہ رکھتے تھے۔ حب گاندھی جی نے احمدآباد کو ایسا مرکز بنایا تو انہوں نے سردار پٹیل کو جس کر نکالا اور رفتہ رفتہ ان کی حیثیت بڑھتی۔ پٹیل دل و جان سے ان کے ساتھ ہو گئے اور جیسا کہ پہلے ذکر آچکا ہے، بسا اوقات وہ صرف گاندھی جی کی امتحانات کے بارے میں کہتے تھے۔ گاندھی جی نے انہیں کانگریس ورکنگ کمیٹی کا رکن بنوایا اور انہیں کمیٹی کے سربراہ بنوایا۔ ۱۹۳۱ء میں کانگریس کے صدر جیسے گئے گاندھی جی کہ اس بات کا بہت صدمہ تھا کہ پٹیل اب ایک ایسی پارٹی پر عمل پیرا تھے جس کے اصول اور مقصد کے خلاف تھے۔

گاندھی جی نے کہا کہ وہ دلی کے مسلمانوں کو ایسی آنکھوں سے قتل ہونے ہوئے دیکھ رہے ہیں اور یہ بہت کچھ اس وقت ہو رہا ہے۔ حب خود ان کے ولہ بھائی حکومت کے وزیر داخلہ ہیں اور دارالسلطنت میں امن و امان قائم رکھنے کے ذمہ دار ہیں۔ سردار پٹیل صرف مسلمانوں کی حفاظت کرے میں قاصر نہیں رہے ہیں بلکہ اس بارے میں ان سے جو شکایتیں کی جاتی ہیں انہیں بے پروائی کے ساتھ ناقابل شوائی ٹھہرا دیتے ہیں۔ گاندھی جی نے کہا کہ اب ان کے پاس اس کے سوا کوئی چارہ نہیں کہ وہ اس وقت تک برت رکھیں جب تک کہ حالت نہ سدھرے۔ چنانچہ ۱۲ جنوری ۱۹۴۸ء سے ان کا برت شروع ہو گیا ایک لحاظ سے گاندھی جی

کا برت سردار پٹیل کے رویے کے خلاف احتجاج تھا اور سردار پٹیل خود بھی یہی سمجھتے تھے۔

ہم بے ہر ممکن کوشش کی کہ گاندھی جی کو برت رکھے سے باز رکھا جائے برت کی پہلی شام کو میں، خواہر لال اور سردار پٹیل گاندھی جی کے پاس بیٹھے ہوئے تھے۔ اگلے روز صبح سردار پٹیل بمشی حایے والے تھے۔ انہوں نے گاندھی جی سے سرکاری انداز میں گفتگو کرتے ہوئے شکایت کی کہ وہ کسی معقول وجہ کے بغیر برت رکھ رہے ہیں دراصل اس وقت برت رکھے کا مناسب موقع اور محل بھی نہیں ہے ان کے برت کا نتیجہ یہ ہوگا کہ حکومت ہند اور خصوصاً وریر داخلہ پر آرام لگائے جائیں گے۔ انہوں نے کچھ تلخی کے ساتھ کہا کہ گاندھی جی کا طرز عمل کچھ ایسا ہے گویا وہ انہیں مسلمانوں کے قتل کا ذمہ دار سمجھتے ہیں۔

گاندھی جی نے حسب معمول اپنے پرسکون انداز میں جواب دیا » میں چین میں نہیں دلی میں ہوں۔ میری آنکھیں اور میرے کان ابھی سلامت ہیں۔ اگر تم یہ چاہتے ہو کہ میں اپنی آنکھوں اور اپنے کانوں پر اعتبار نہ کروں اور مجھ سے کہو کہ دلی کے مسلمانوں کو شکایت کی کوئی وجہ نہیں ہے، تو نہ میں تم کو قائل کر سکتا ہوں اور نہ تم مجھے۔ ہندو اور سکھ میرے بھائی ہیں وہ میرے جسم کا حصہ ہیں۔ اگر اس وقت وہ طیش کی وجہ سے اندھے ہو گئے ہیں تو میں ان پر آرام نہیں لگاؤں گا۔ لیکن خود مجھے تکلیف اٹھا کر کفارہ ادا کرنا چاہیے، مجھے امید ہے کہ میرے

رت سے ہندوؤں اور سکھوں کی آنکھیں کھل جائیں گی اور وہ حقیقت کو دیکھ سکیں گے «

یہ سس کر سردار پٹیل ایک لفظ نہیں بولے اور حابے کے لئے کھڑے ہو گئے۔ میں بے انہیں روکا اور کہا کہ انہیں اپنا پروگرام ماتوی کر کے دلی میں رہنا چاہئے کیوں کہ یہ نہیں کہا جاسکتا کہ واقعات کیا کروٹ لیں گے۔ انہیں ایسے موقع پر نہیں جانا چاہئے جب گاندھی جی رت رکھ رہے تھے۔

سردار پٹیل بے تقریباً چیخ کر جواب دیا « میرے ٹھہرے سے کیا حاصل ہوگا۔ گاندھی جی میری بات نہیں سنا چاہتے وہ تو دیا میں ہندوؤں کا مہم کلا کرے پر تلے ہوئے ہیں۔ اگر ان کا رویہ ایسا ہے تو وہ میرے کام کے نہیں ہیں۔ میں پروگرام نہیں بدل سکتا، مجھے ہمیشہ جانا ہے «

مجھے ان کے الفاظ سے زیادہ ان کے لہجے سے صدمہ ہوا۔ میں بے سوچا کہ گاندھی جی پر اس کا کیا اثر ہوا ہوگا۔ ہم بے سوچا کہ سردار پٹیل سے اور کچھ کہا فصول ہے اور وہ چلے گئے۔ سردار پٹیل نے گاندھی جی کی طرف سے اپنا دل سحت کر لیا تھا لیکن دلی کے لوگوں بے نہیں کیا تھا۔ اس حیر کے پھیلتے ہی کہ گاندھی جی بے رت شروع کر دیا ہے، دلی شہر ہی میں نہیں سارے ہندوستان میں ہاجل مچ گئی۔ دلی پر تو بالکل ہجلی کا سا اثر ہوا۔ بہت سے گروپ جنہوں نے اب تک گاندھی جی کی مخالفت کی تھی اب سامنے آئے اور کہا کہ گاندھی جی کی بیش بہا زندگی بچانے کے لئے وہ سب کچھ کرے پر تیار ہیں۔

طرح طرح کے لوگ گاندھی جی کے پاس آئے اور انہیں یقین دلایا کہ وہ سب دلی میں امن قائم کرے کی کوشش کریں گے۔ لیکن گاندھی جی پر ان کی باتوں کا کوئی اثر نہیں ہوا۔ دو دن اضطراری دوز دھوپ اور مشوروں میں گذر گئے تیسرے روز ایک جلسے کا انتظام اس مقصد سے ہوا کہ صورت حال پر عور کیا جائے اور گاندھی جی کو رت توڑے پر آمادہ کیا جائے۔

جلسے میں جانے ہوئے میں گاندھی جی کے پاس گیا۔ میں نے ان سے درخواست کی کہ وہ اپنے رت کے توڑے کی شرطیں بتادیں۔ پھر ہم انہیں لوگوں کے سامنے پیش کریں گے اور کہیں گے کہ گاندھی جی ان معاملوں کے بارے میں مطمئن ہو گئے تو اپنا رت توڑ دیں گے

گاندھی جی نے کہا ”ہاں یہ کام کی بات ہے میری پہلی شرط یہ ہے کہ ان سارے مسلمانوں کو جو ہندوؤں اور سکھوں کے حملوں کی وجہ سے دلی چھوڑے پر محمور ہوئے ہیں، واپس آئے کی دعوت دی جائے اور انہیں خود انہیں کے مکانات میں پھر سے آباد کیا جائے“

یہ انتہائی شائستگی اور شرافت کی بات تھی لیکن میں جانتا تھا کہ اس پر عمل کرنا ممکن نہیں ہے۔ تقسیم سے پنجاب کے دونوں حصوں کی زندگی تہ و بالا کردی تھی مغربی پنجاب سے لاکھوں پناہ گریں ہندوستان آچکے تھے اور لاکھوں مشرقی پنجاب سے پاکستان چاکے تھے۔ ہزاروں مسلمان دہلی چھوڑ چکے تھے اور بہت سے پناہ گریں جو مغربی پنجاب سے آئے تھے، ان کے حالی



مکانوں میں آباد ہو گئے تھے۔ اگر صرف سیکڑوں کی بات ہوتی تو گاندھی جی کی خواہش پوری بھی کی جاسکتی لیکن یہاں مسئلہ لاکھوں آدمیوں کا تھا۔ ایسی صورت میں گاندھی جی کی شرائط کو پورا کرے کی کوشش سے بڑے مسئلے کھڑے ہو جاتے۔ ہندو اور سکھ مغربی پاکستان سے آئے تھے اور ایک مرتبہ اُحارے چاہکے تھے، اور اب انہوں نے دہلی میں رہنے کی کوئی صورت نکال لی تھی۔ ان لوگوں سے مکانات حالی کرے کو کہا بھی جاتا تو یہ جانتے کہاں؟ پھر وہ مسلمان جو دلی سے گئے تھے، پاکستان میں منتشر ہو چکے تھے اب انہیں کیسے واپس لایا جاسکتا تھا عرصیکہ موجودہ صورت میں یہ مسلمانوں کو بلانا ممکن تھا اور یہ ہندوؤں اور سکھوں سے ان مکانات کو حالی کرانا جس میں وہ آباد ہو چکے تھے مسلمانوں کو اس طرح آباد کرے کی کوشش کا مطلب یہ ہوتا کہ جس مکانوں سے مسلمانوں کو ایک بار نکال کر بے گھر کیا گیا تھا، اس سے اب ہندوؤں اور سکھوں کو نکال کر بے گھر کیا جاتا

میں بے گاندھی جی کا ہاتھ پکڑ کر اس سے التجا کی کہ یہ شرط نہ رکھیں۔ میں بے کہا کہ اول تو یہ بات ناقابل عمل ہے اور دوسرے ہندو اور سکھ پناہ گریزوں سے یہ مطالبہ کرنا نہ تو ممکن تھا اور نہ اخلاقاً حق بجانب کہ جس مکانوں میں وہ آباد ہو چکے تھے انہیں خالی کر کے پھر مارے مارے پھریں۔ میں بے گاندھی جی سے درخواست کی کہ وہ اس شرط پر اصرار نہ کریں بلکہ وہ یہ شرط رکھیں کہ دلی میں کشت و خون اور غارت گری فوراً بند

ہو۔ وہ یہ مطالبہ بھی کر سکتے تھے کہ جو مسلمان اب بھی ہندوستان میں ہیں انہیں عرت کے ساتھ زندگی سر کرے دیا جائے اور تمام فرقوں کے درمیان دوستانہ تعلقات دوبارہ قائم ہو جائیں گاندھی جی پہلے تو راضی نہیں ہوئے اور اپنی شرائط پر اڑے رہے لیکن آخر کار وہ میرے اصرار پر کچھ نرم پڑے اور مجھ سے کہا کہ اگر میں خود ان شرطوں سے مطمئن ہوں جو میں بے تحویر کی ہیں، تو وہ بھی انہیں مان لیں گے۔ میں بے ان کا شکریہ ادا کیا کہ انہوں نے میرے خیالات کا اتنا لحاظ کیا اور ساتھ ہی ان سے یہ بھی التجا کی کہ وہ میری تحویروں کو قبول کرائیں۔

گاندھی جی بے تحویر کیا کہ مسلمانوں کی ریارت گاہیں اور مسجدیں جنہیں نقصان پہنچا ہے یا جس کی توہین کی گئی ہے، انہیں واپس کی جائیں اور ان کی مرمت کی جائے ان عمارتوں پر غیر مسلموں کا قصہ مسلمانوں کے لئے ربح اور خوف کا باعث تھا گاندھی جی اس بات کی بھی صصات چاہتے تھے کہ اب پھر کسی فرقے کی عسادت گاہ پر حملے نہیں ہوں گے اس کے بعد گاندھی جی بے رت توڑے کی شرطیں لکھوائیں وہ یہ تھیں

۱ ہندو اور سکھ مسلمانوں پر حمائے کرنا فوراً بد کریں اور انہیں یقین دلائیں کہ آئندہ وہ سب بھائیوں کی طرح ساتھ رہیں گے۔

۲ ہندو اور سکھ ہر طرح اس بات کی کوشش کریں کہ ایک مسلمان بھی حان و مال کے ڈر سے ہندوستان نہ چھوڑے۔

۳ چلتی گاڑیوں میں مسلمانوں پر جو حملے کئے جارہے ہیں

وہ فوراً بد کئے جائیں اور ان ہندوؤں اور سکھوں کو جو اس طرح کے حملوں میں شرکت کر رہے ہیں، روکا جائے۔ جو مسلمان نظام الدین اولیا، خواجہ قطب الدین، اختیار کاکی اور ناصر الدین چراغ دہلی جیسی درگاہوں کے آس پاس رہتے تھے اور مصیبت کی وجہ سے اپنے مکانات چھوڑ کر چائے گئے ہیں، انہیں واپس لا کر ان کے مکانات میں پھر آباد کیا جائے۔ خواجہ قطب الدین، اختیار کاکی کی درگاہ کو جو نقصان پہنچا تھا، حکومت اس کی مرمت کرا سکتی تھی، لیکن گاندھی جی کو اصرار تھا کہ ہندو سکھ اس کی مرمت اپنے گناہ کا کفارہ سمجھ کر خود کرائیں۔

سب سے اہم ضرورت تالیف قلوب کی تھی دوسری شرائط کا پورا ہونا اتنا اہم نہیں تھا حتہا اس شرط کا اس لئے ہندو اور سکھ جماعتوں کے لیڈروں کو گاندھی جی کو اس بارے میں پورے طور پر مطمئن کرنا چاہئے، تاکہ انہیں ایسے کسی مسئلے کی وجہ سے دوبارہ برت نہ رکھا پڑے گاندھی جی نے کہا کہ «میں چاہتا ہوں کہ یہ میرا آخری برت ہو»۔

میں نے انہیں یقین دلایا کہ یہ ساری شرطیں پوری ہوسکتی ہیں۔ میں دو بجے جلسے میں پہنچا اور گاندھی جی کی شرطیں حاضرین کے سامنے رکھ دیں میں نے کہا کہ ہم گاندھی جی کو مطمئن کرے اور ان سے اتھا کرے کے لئے جمع ہوئے ہیں کہ وہ اپنا برت توڑ دیں۔ میں نے یہ بھی کہا کہ صرف قرارداد منظور کرے گا گاندھی جی پر کوئی اثر نہ ہوگا دلی کے لوگ اگر واقعی

گاندھی جی کی حاں بچانا چاہتے ہیں تو جو شرطیں انہوں نے رکھی ہیں ان کو پورا کرنا ہوگا۔ میں نے کہا کہ میں یہ معلوم کرے آیا ہوں کہ دلی کے لوگ گاندھی جی کی شرطوں کو پورا کرے گا وعدہ کریں گے یا نہیں۔

اس جلسے میں تقریباً پچاس ہزار آدمی تھے۔ ان سب نے ایک آواز ہو کر نعرہ لگایا کہ ”ہم سب گاندھی جی کی خواہش کو حرف بحرف پورا کریں گے۔ ہم اپنے دل اور اپنی حاں کی داری لگادیں گے اور کوئی ایسی بات نہیں کریں گے جس سے گاندھی جی کو دکھ پہنچے“

ابھی میری تحریر جاری تھی کہ کچھ لوگوں نے شرطوں کی نقل کرنا اور حاضریں کے دستخط لیا شروع کر دیا جسے حتم ہوئے سے قبل شرائط نامہ پر ہزاروں آدمیوں کے دستخط ہو چکے تھے۔ اُدھر دلی کے ڈپٹی کمشنر نے کچھ ہندوؤں اور سکھوں کو اپنے ساتھ لیا اور حواحدہ قطب الدین کی درگاہ کی مرمت کے لئے چل دئے ساتھ ہی دلی کی کئی سو سوسائٹیوں نے دوسرے عام یہ عہد کیا کہ اپنے اپنے حلقوں میں گاندھی جی کی شرطوں کو پورا کرے کی کوشش کریں گی۔ انہوں نے اعلان کیا وہ سب ان باتوں کو عمل میں لانے کی ذمہ داری لیتی ہیں تمام ہوتے ہوئے میرے پاس دلی کے ہر علاقے سے ہر گروہ اور جماعت کے وفد آئے اور مجھے یقین دلایا کہ ان سب کو گاندھی جی کی شرطیں منظور ہیں۔ انہوں نے اصرار کیا کہ میں گاندھی سے برت توڑنے کی درخواست کروں۔ دوسرے روز صبح میں نے دلی کے نمائندہ لیڈروں کا ایک

جلسہ کیا ہم بے طے کیا کہ یہ سب خود برلا ہاؤس حاکر گاندھی جی کو شخصی طور پر اطمینان دلائیں۔ میں گاندھی جی کے پاس دس بجے پہنچا اور ان سے کہا کہ اب مجھے پورا اطمینان ہے کہ ان کا مقصد حاصل ہو گیا ہے۔ ان کے رت بے ہزاروں لوگوں کے دل پھر دئے ہیں اور ان میں انصاف اور انسانیت کا جذبہ پھر سے بیدار کر دیا ہے ہزاروں آدمیوں بے یہ عہد کیا ہے کہ رقبوں کے درمیان خوشگوار تعلقات پیدا کرنا ان کا اولین مقصد ہوگا میں بے گاندھی جی سے استدعا کی وہ ان یقین دہانیوں پر اعتبار کریں اور اپنا رت توڑ دیں

گاندھی جی بظاہر بہت خوش ہوئے لیکن انہوں نے میری التجا قبول نہیں کی سارا دن سخت مباحثے اور مت سماحت میں گذر گیا ان کا ورں کافی گھٹ گیا تھا اور وہ اٹھ کر بیٹھ نہیں سکتے تھے برلا ہاؤس میں اپنے ستر پر سیدھے لیٹے ہوئے تھے اور حو وفد آتے ان کی باتیں سن کر یہ حانچے کی کوشش کرتے کہ ان کے جذبہ میں واقعی کتنی تبدیلی ہوئی ہے آخر میں انہوں نے کہا کہ وہ دوسرے روز صبح کو جواب دیں گے۔

دوسرے روز صبح ہم سب ان کے کمرے میں جمع ہوئے۔ حواہر لال وہاں پہلے سے موجود تھے اور لوگوں کے علاوہ پاکستان کے ہائی کمشنر راہد حسین بھی تھے جہوں نے گاندھی جی سے ملنے کی اجازت چاہی تھی۔ گاندھی جی نے انہیں بلایا اور وہ بھی ہم لوگوں کے ساتھ اس مجمع میں شامل ہو گئے۔ جس میں سردار پٹیل کے علاوہ کیسٹ کے سارے عمر موجود تھے۔ گاندھی جی نے

اشارے سے کہا کہ جو لوگ اپنے عہد کا اعادہ کرنا چاہیں وہ کریں دلی کے تقریباً پچیس لیڈر جن میں ہر سیاسی خیال کے لوگ تھے ، ایک ایک کر کے ان کے پاس آئے اور عہد کیا کہ وہ ایمانداری سے گاندھی جی کی شرطیں پوری کریں گے . اس کے بعد گاندھی جی کے اشارے پر ان کے حلقے کی عورتوں نے رام دھن شروع کی . ان کی پرپوتی ایک گلاس میں سگترے کا رس لائی گاندھی جی نے اشارہ کیا کہ وہ گلاس مجھے دیدے . میں نے گلاس لے کر گاندھی جی کے ہونٹوں سے لگایا اور انہوں نے رت توڑ دیا

گاندھی جی کا رت شروع ہونے کے بعد اسٹیشنمین کے ایک سابق ایڈیٹر مسٹر آر تھر مور نے بھی امپیریل ہوٹل میں رت شروع کر دیا تھا . ہندو مسلم فسادات کا ان کے دل پر بہت اثر ہوا تھا انہوں نے مجھ سے کہا کہ اگر فسادات ختم نہ ہوتے تو وہ بھی مرنے رت رکھیں گے . وہ برسوں سے ہندوستان میں تھے اور اس کو اپنا وطن بنا لیا تھا . ایک ہندوستانی کی حیثیت سے وہ اس انسانی ادیت اور دلت کو ختم کرنا اپنا فرض سمجھتے تھے . انہوں نے کہا کہ ہندوستان پر بہت مصیبت آئی ہے ، اسے دیکھتے رہے سے مرحبا ہتر تھا اب میں نے ان کے پاس کھلا بھیجا کہ گاندھی جی نے رت توڑ دیا تھا اور انہیں بھی اپنا رت توڑ دینا چاہیے .

رت توڑنے کے بعد بھی گاندھی جی کی طاقت کئی دن میں رفتہ رفتہ بحال ہوئی . سردار پٹیل بمبئی سے واپسی پر ان سے

ملے آئے۔ میں اس وقت گاندھی جی کے پاس موجود تھا۔ گاندھی جی کی عظمت کا بہترین مظاہرہ ایسے ہی موقعوں پر ہوتا تھا۔ وہ بہت شہق اور محنت کے ساتھ سردار پٹیل سے ملے۔ ان کے چہرے پر اور ان کے انداز میں عصے اور شکایت کا شائبہ بھی نہیں تھا۔ سردار پٹیل کچھ پریشاں جیسے تھے اور ان کے انداز میں روکھاپن اور تکلف تھا۔ وہ گاندھی جی سے حوش ہیں تھے اور انہیں وہ باتیں پسند نہیں آتی تھیں جو گاندھی جی بے مسلمانوں کے دل سے خوف اور خطرے کا احساس دور کر کے لئے کی تھیں۔

گاندھی جی کے رت کے بارے میں یہ خیال رکھے والے اکیسے سردار پٹیل ہی نہیں تھے جس دور سے انہوں نے اس کی خاطر یہ تدبیریں اختیار کی تھیں، ہندوؤں کی ایک جماعت میں ان سے بعض پیدا ہو گیا تھا جو دن دن بڑھتا رہا تھا۔ یہ لوگ کھلے ہندوؤں گاندھی جی کی مدمت یہ کہہ کر کرتے تھے کہ انہوں نے ہندوؤں کے حائر حقوق قربان کر دیے ہیں۔ یہ کوئی رار کی بات نہیں تھی۔ اسے سارا ملک جانتا تھا۔ ہندو مہاسہا اور راشٹریہ سویم سنگھ کی قیادت میں ہندوؤں کا ایک طبقہ آزادی کے ساتھ یہ کہتا پھرتا تھا کہ گاندھی جی ہندوؤں کے خلاف مسلمانوں کی مدد کر رہے ہیں۔ انہوں نے گاندھی جی کی پرارتھا سہا کی بھی مخالفت شروع کر دی تھی کیونکہ اس میں ہندو شاستروں کے اشلوکوں کے ساتھ، قرآن اور انجیل کی آیتیں بھی پڑھی جاتی تھیں۔ کچھ لوگوں نے تو ان پرارتھا سہاؤں کے خلاف باقاعدہ ایچی ٹیشن شروع کر دیا تھا اور کہتے تھے کہ وہ قرآن

اور اسحیل کی آنتیں ہیں پڑھے دیگے۔ اسی مقصد سے پمفلٹ اور ہیڈ بل شایع اور تقسیم کئے گئے۔ گاندھی جی کو ہندوؤں کا دشمن ٹھہرا کر لوگوں کو ان کے خلاف اکسایا گیا ایک پمفلٹ میں تو یہ تک کہ دیا گیا کہ اگر گاندھی جی بے اپنا طور و طریقہ بدلا تو انہیں بے اثر کر دیے کی تدبیریں کی جائیں گی گاندھی جی کے رت بے اس حماقت کو اور بھی برا لگیتا کر دیا اور اس بے ان کے خلاف عملی قدم اٹھانے کی ٹھان لی حوں ہی انہوں نے اپنی برز تھیا سبھاؤں کا سلسلہ دوبارہ شروع کیا، اُن پر ایک بم بمسکا گیا خوش قسمتی سے کوئی زخمی نہیں ہوا لیکن اس خیال سے سارے ملک کو شدید صدمہ پہنچا کہ کوئی شخص گاندھی جی پر ہاتھ اُٹھا سکتا تھا پولیس بے تفسس شروع کی ایکی تعجب ہے کہ وہ اس کا سراع ملا کہ ہم کس بے چہا کر رکھا، وہ اس کا کہ ہم رکھے والے ہر لا ہاؤس کے باغ میں داخل کیونکر ہوئے یہ بھی تعجب کی بات ہے کہ اس واقعے کے بعد بھی گاندھی جی کی حفاظت کا معقول انتظام نہیں کیا گیا اس واقعے سے کم از کم یہ بات تو واضح ہو ہی گئی تھی کہ ملک میں ایک ایسا گروہ ہے جو تعداد میں بہت کم سہی، مگر گاندھی جی کی جان لیوے کی فکر میں ہے ایسی صورت میں قدرتا یہ امید کی جاسکتی تھی کہ دلی کی سی۔ آئی ڈی۔ پولیس گاندھی جی کی حفاظت کے لئے خاص احتیاطی تدابیر اختیار کریں گی مگر مجھے کہا پڑتا ہے کہ ہمارے لئے ہمیشہ یہ شرم اور رنج کی بات رہے گی کہ اس آگاہی کے بعد بھی معمولی سے معمولی احتیاطی



تدابیر اختیار نہیں کی گئیں۔

کچھ رور اور گدرے گاندھی جی کی طاقت رونہ رفتہ بحال ہوئی اور پرارتھا کے بعد انہوں نے حاصرین سے خطاب کرنا شروع کر دیا۔ ان حاسوں میں ہزاروں آدمی شریک ہوتے تھے۔ اور گاندھی جی کا خیال تھا کہ یہ حاسے ان کے پیغام کو عوام تک پہنچانے کا سب سے موثر ذریعہ ہیں۔

۳۰ جنوری سنہ ۱۹۴۸ء کو ڈھائی بجے میں گاندھی جی سے ملے گیا۔ ان سے کئی اہم مسائل پر گفتگو کر لی تھی اور میں ایک گھنٹے سے زیادہ ان کے پاس بیٹھا رہا۔ اس کے بعد میں واپس چلا آیا مگر ساڑھے پانچ بجے کے قریب مجھ کو یاد آیا کہ کچھ ضروری باتوں کے بارے میں ان کی رائے لیا بھول گیا ہوں۔ چنانچہ میں پھر برلا ہاؤس گیا۔ وہاں پہنچ کر جب میں بے دروازے سد پائے تو مجھے بڑی حیرانی ہوئی۔ ہزاروں آدمی لان پر کھڑے تھے اور مجمع بڑھتے بڑھتے سڑک تک پہنچ چکا تھا۔ میں کچھ نہ سمجھ سکا کہ معاملہ کیا تھا۔ مجمع بے میری گاڑی دیکھ کر اندر حائے کا راستہ دے دیا۔ میں پھانک پر گاڑی سے اتر پڑا اور پیدل اندر گیا۔ مکان کے سارے دروازے سد تھے۔ کھڑکی کے شیشے سے کسی نے مجھ کو دیکھ لیا اور مجھے اندر لے جانے کے لئے آیا۔ میں اندر داخل ہوا تو کسی نے روتے ہوئے مجھ سے کہا کہ گاندھی جی کو گولی مار دی گئی ہے اور وہ بے ہوش پڑے ہیں۔

یہ خبر ایسی اچانک ملی اور اس سے دل پر ایسی چوٹ لگی

کہ کچھ دیر میں سمجھ نہ سکا کہ کیا کہا جا رہا ہے۔ میرا سر  
چکرا رہا تھا اور میں لڑکھڑاتا ہوا گاندھی جی کے کمرے میں گیا۔  
وہ فرش پر لیٹے تھے۔ ان کا چہرہ پیلا پڑ گیا تھا اور آنکھیں سد  
تھیں۔ ان کے دوہوں پوتے ان کے پاؤں پکڑے بیٹھے رو رہے تھے۔  
مجھے معلوم ہوا کہ جیسے حواب میں کوئی کہہ رہا ہے ”گاندھی جی  
مر گئے“۔

---

## حرفِ آخر

گاندھی جی کی شہادت کے ساتھ تاریخ کا ایک دور ختم ہو گیا۔ میں آج تک نہیں بھولا ہوں کہ ہم جدید ہندوستان کے سب سے حلیل القدر فرد کے تحفظ میں کس بری طرح ناکام ثابت ہوئے۔ ان پر ہم پھیسکے کے واقعے کے بعد یہ توقع کرنا قدرتی بات بھی کہ دلی کی سی۔ آئی ڈی پولیس ان کی حفاظت کے لئے خاص تدبیریں کریگی۔ کسی معمولی شخص کو بھی اس طرح قتل کرے کی کوشش کے بعد پولیس اس کی حفاظت کا خاص اہتمام کرتی ہے۔ یہ اس صورت میں بھی کیا جاتا ہے جب کسی کو خطوط یا پمفلٹ کے ذریعے اس قسم کی دھمکی دی جاتی ہے۔ گاندھی جی کو خطوط اور پمفلٹ کے ذریعے اور کھلے بندوں اس قسم کی صرف دھمکیاں ہی نہیں دی گئیں بلکہ ان پر ہم پھیسکا گیا۔ معاملہ تھا دور حاصر کی عظیم ترین شخصیت کے تحفظ کا اور پھر بھی کوئی موثر کارروائی نہیں کی گئی۔ ایسا نہیں ہے کہ احتیاطی تدابیر میں کوئی خاص دشواری رہی ہو۔ گاندھی جی کی پرارتھا کسی کھلے میدان میں نہیں بلکہ برلا ہاؤس کے لان پر چار دیواری کے اندر منعقد ہوا کرتی تھی۔ جہاں صرف پھاٹک سے داخلہ ممکن تھا۔ پولیس کے لئے آئے جانے والوں پر نگاہ

رکھا بہت آساں تھا۔

اس الم باک حادثے کے بعد لوگوں کی عیبی شہادت بے یہ بات بالکل واضح کر دی کہ قاتل نہایت مشتبہ انداز سے داخل ہوا تھا۔ اس کا طرز عمل اور انداز گفتگو اتنا مشکوک تھا کہ خفیہ پولیس کو اس پر نگاہ رکھی چاہئے تھی اگر ایسا کیا گیا ہوتا تو اس کی بیت کا اندازہ کر کے اس سے پستول چھپی حاسکتی تھی۔ لیکن ہوا یہ کہ وہ پستول لے کر بے روک ٹوک اندر داخل ہو گیا اور جوں ہی گاندھی حی وہاں پہنچے، وہ اٹھا اور یہ کہہ کر کہ «آج آپ کو دیر ہو گئی» اس بے گاندھی حی کو اپنی طرف متوجہ کر لیا۔ گاندھی حی بے حواب دیا «ہاں» اور قل اس کے کہ دوسرا لفظ ان کی رباں سے نکلے، پستول کی تیں گولیوں بے اس یش ہا ریدگی کا حاتمہ کر دیا

اس سانحے کے بعد ہر طرف عم و عصے کی لہر دوڑ گئی۔ کچھ لوگوں بے تو کھلم کھلا سردار پٹیل پر نا اہلیت کا الزام لگایا۔ خصوصاً حے پرکاش بے اس مسئلے کو اٹھایے میں بڑی حراۃ دکھائی۔ دلی کے ماتمی جلسے میں حو گاندھی حی کے انتقال پر ریح و عم کے اظہار کے لئے معقد ہوا تھا، حے پرکاش بے صاف صاف یہ بات کہی کہ حکومت ہند کے وریر داخلہ اس الزام سے بچ نہیں سکتے کہ ان پر قتل کی دمہ داری ہے۔ انہوں بے سردار پٹیل سے حواب طلب کیا کہ حب کھلے سدوں پروپگنڈے کے ذریعے لوگوں کو گاندھی حی کے قتل کی ترعیب دی جارہی تھی اور اور ان پر ایک م بھی پھیکا حاچکا تھا، تو آخر کیوں ان کی

حمالت کے لئے خاص اہتمام نہیں کیا گیا؟  
پر فلا جدر گھوش ہے بھی یہی سوال اٹھایا انہوں نے پوری  
حکومت ہند کو مورد الزام ٹھہرایا کہ گاندھی جی کی حمالت  
کرے میں ناکام ثابت ہوئی تھی انہوں نے کہا کہ سردار پٹیل ایک  
مستعد اور کار پرداز وزیر داخلہ کی حیثیت سے سارے ملک میں  
مشہور ہیں، پھر آخر یہ بات کیسے سمجھائی جائے کہ گاندھی جی  
کی جان سلامت رکھے کی کوئی کوشش نہیں کی گئی  
سردار پٹیل نے اپنے مخصوص انداز میں ان الزامات کی تردید  
کی۔ بلاشبہ انہیں اس سانحے سے بہت شدید صدمہ پہنچا تھا  
لیکن لوگ جس طرح کھلے سب دلوں پر الزام لگا رہے تھے، وہ  
بھی انہیں برا لگا کانگریس پارلی منٹری پارٹی کا حاسہ ہوا تو  
انہوں نے کہا کہ کانگریس کے دشمن ان کے خلاف الزامات تراش  
کر جماعت میں بھاق ڈالنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ گاندھی جی  
کے ساتھ وفاداری کا اعادہ کرتے ہوئے انہوں نے کہا کہ پارٹی  
کو ایسی باتوں سے اثر نہ ایسا چاہئے بلکہ گاندھی جی کے انتقال  
سے جو خطرناک صورت حال پیدا ہو گئی ہے، اس کا مقابلہ کرے  
کے لئے اپنے اندر اور زیادہ استحکام اور یک جہتی پیدا کرنا  
چاہئے۔ سردار پٹیل کی یہ اپیل نے اثر نہیں رہی کانگریس کے  
بہت سے عمروں نے انہیں یقین دلایا کہ وہ ثابت قدمی سے ان کا  
ساتھ دیں گے۔

ملک کے مختلف حصوں میں وقتاً فوقتاً حو وارداتیں ہو رہی  
تھیں، ان سے یہ بات ظاہر تھی کہ فرقہ پرستی کا رہر کتی دور

تک پھیل چکا ہے۔ مجموعی حیثیت سے سارے ملک پر اس سانحے کا بہت گہرا اثر پڑا۔ لیکن چند شہروں میں حشن منائے گئے اور اور مٹھائی تقسیم کی گئی۔ گوالیار اور اجین میں خاص کر ایسے مظاہرے ہوئے۔ مجھے یہ س کر بڑا افسوس ہوا کہ ان شہروں میں کھلم کھلا مٹھائی تقسیم ہوئی اور لوگوں نے اس حد تک حرا ت کی کہ برسر عام خوشیاں منائیں۔ لیکن یہ مسرت اور شادمانی صرف وقتی تھی۔ مجموعی حیثیت سے قوم کو اس واقعے بہت سے صدمہ پہنچا تھا اور عوام غصے میں ان لوگوں پر ٹوٹ پڑے جو گاندھی جی کے دشمن سمجھے جاتے تھے۔ چند ہفتوں تک تو یہ عالم تھا کہ ہندو مہاسہا اور آر۔ ایس۔ ایس۔ کے لیڈر عوام کو منہ تک بہ دکھا سکتے تھے۔ ڈاکٹر شیاما پرشاد مکر جی ان دنوں ہندو مہاسہا کے صدر اور مرکزی حکومت کے ایک وزیر تھے۔ وہ بھی اپنے مکان سے باہر نکلے کی جرات نہ کر سکتے تھے۔ اس کے کچھ ہی دنوں بعد وہ مہاسہا سے مستعفی ہو گئے۔ ہر کیف آہستہ آہستہ صورت حال بہتر ہوئی اور لوگ اپنے دھندھوں میں لگ گئے۔

گاندھی جی کے قاتل گوڈسے پر مقدمہ چلایا گیا۔ لیکن مقدمے کی تیاری میں بہت دیر لگی۔ پولیس کو تفتیش میں کئی مہینے لگ گئے۔ اس لئے کہ معام ہوتا تھا گاندھی جی کو قتل کرے کی سارش کا حال بہت دور تک پھیلا ہوا ہے۔ گوڈسے کی گرفتاری کا پبلک میں جو ردِ عمل ہوا، اس سے ظاہر تھا کہ بعض ہندوستانیوں میں فرقہ پرستی کا رہر کتنا گہرا اثر کر چکا تھا۔ ملک کی بڑی اکثریت نے تو گوڈسے کو مجرم قرار دیا اور اسے عداری کا نمونہ ٹھہرایا

لیکن کچھ معزز خاندانوں کی خواتین نے اس کے لئے اپنے ہاتھوں سے سوئٹرز کر بھیجا۔ اس کی رہائی کے لئے ایک تحریک بھی چلائی گئی۔ اس کے طرفداروں نے کھلم کھلا اس کے قتل کو قابل معافی نہیں ثابت کیا بلکہ یوں کہا کہ چونکہ گاندھی جی عدم تشدد پر ایمان رکھتے تھے اس لئے ان کے قاتل کو سزائے موت نہیں دی جاوے۔ خواہر لال کے نام اور میرے نام بہت سے تار موصول ہوئے کہ گوڈسے کو پھانسی دیا گاندھی جی کے اصولوں کے مافی ہوگا۔ بہر کیف قانونی کارروائی قاعدے کے مطابق ہوئی اور ہائی کورٹ نے سزائے موت کو برقرار رکھا۔

گاندھی جی کے قتل کو ابھی دو مہینے بھی نہ گزرے تھے کہ سردار پٹیل پر قلی دورہ پڑا۔ میرا خیال ہے کہ یہ اسی صدمے کا نتیجہ تھا جو حال کے واقعات سے انہیں پہنچا تھا۔ جب تک گاندھی جی زندہ تھے، سردار پٹیل ان سے حفا رہے۔ گاندھی جی کے انتقال کے بعد جب لوگوں نے ان پر غفلت یا نا اہلیت کا الزام لگایا تو انہیں بہت سخت دھکا لگا اور ذلت محسوس ہوئی۔ اس کے علاوہ وہ فراموش نہ کرسکتے تھے کہ ان کی ساری عرت اور حیثیت گاندھی جی ہی کی مرہون مت تھی۔ یہ احساس بھی کم باعث اذیت نہ رہا ہوگا کہ گاندھی جی پر حال میں ان سے محبت رکھتے تھے اور ان کا لحاظ کرتے تھے۔ یہ ساری باتیں ان کے دماغ پر اثر انداز ہوتی رہیں اور انہیں پریشان کرتی رہیں یہاں تک کہ وہ قلب کے مرض میں مبتلا ہو گئے۔ اس کے بعد اگرچہ وہ تین سال زندہ رہے لیکن صحت بحال نہ ہوئی۔

اس طرح ہندوستان بے آزادی تو حاصل کی لیکن اپنی سالمیت کھودی۔ پاکستان کے نام سے ایک نئی ریاست وجود میں لائی گئی۔ چونکہ پاکستان مسلم لیگ کی تخلیق تھا اس لئے قدرتاً اس نئی ریاست میں مسلم لیگ برسرِ اقتدار آئی میں بیاں کر چکا ہوں کہ ابتدا میں مسلم لیگ کے قیام کی عرض کانگریس کی مخالفت بھی، اس لئے اس کے عمروں میں شاید ہی کوئی ایسا تھا جس بے جنگ آزادی میں شرکت کی ہو۔ ان لیڈروں بے نہ کسی قسم کی قربانیاں دی تھیں اور نہ ان میں جدوجہد کی بدولت ڈسپلن پیدا ہوئی تھی۔ ان میں یا تو پیش یافتہ سرکاری ملازم تھے یا پھر وہ لوگ جنھیں انگریزوں کی سرپرستی پبلک ریڈگی کے میدان میں لے آئی تھی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ حب نئی ریاست کی تشکیل ہوئی تو اقتدار ایسے لوگوں کے ہاتھ میں گیا جس کے طرزِ عمل میں نہ خدمتِ خلق تھی اور نہ کسی قسم کی قربانی اس کے حکمرانوں میں بہت سے خود عرص لوگ تھے۔ جنھوں بے صرف اپنے ذاتی معاد کی خاطر پبلک کاموں میں حصہ لیا تھا۔

پاکستان کے لیڈروں میں اکثر یو۔ پی۔ بہار اور بمبئی کے لوگ تھے۔ یہ ان علاقوں کی زبان تک نہ بول سکتے تھے جس پر اب پاکستان مشتمل تھا۔ اس طرح نئی ریاست میں حاکموں اور عوام کے درمیان ایک حلیح حائل تھی۔ ان خود ساختہ لیڈروں کو خطرہ تھا کہ اگر آزاد انتخابات عمل میں آئے تو ان میں اکثر کے منتخب ہونے کا بہت کم امکان ہے۔ اس لئے ان کی کوشش یہ رہی کہ انتخابات کو جہاں تک ہوسکے عمل میں نہ آئے دیا جائے،



اور اپنی دولت اور جاہ و اقتدار کو مستحکم کیا جائے۔ دس برس گزر چکے ہیں اور ابھی حال ہی میں دستور مرتب ہو پایا ہے یہ بھی اس کی آخری شکل نہ ہوگی کیوں کہ آئے دن اس میں ترمیم کی تحویریں پیش ہوتی رہتی ہیں کون کہہ سکتا ہے کہ نئے دستور کے تحت پہلے انتخابات کب عمل میں آئیں گے!

پاکستان کے قیام کا اس ایک نتیجہ یہ نکلا کہ برصغیر ہندوستان میں مسلمانوں کی یوریشن کمزور ہوگئی ہندوستان کے باقی ماندہ ساڑھے چار کروڑ مسلمان تو کمزور ہو ہی گئے، دوسری طرف خود پاکستان میں اب تک کسی مستحکم اور مستعد حکومت کے قیام کے آثار نظر نہیں آتے۔ اگر صرف مسلمانوں ہی کے راویہ نگاہ سے دیکھا جائے تو بھی اس حقیقت سے انکار ناممکن ہے کہ پاکستان کا قیام ان کے لئے نہایت نامساعد اور نامارک قدم ثابت ہوا۔ دراصل حتماً میں عور کرتا ہوں اتنا ہی میرا یقین پختہ ہوتا جا رہا ہے کہ پاکستان کے وجود میں آنے سے ایک ہی مسئلہ حل نہیں ہوا۔ یہ کہا جاسکتا ہے کہ ہندوؤں اور مسلمانوں کے تعلقات اس حد تک بگڑ چکے تھے کہ تقسیم کے سوا کوئی چارہ نہیں تھا۔ مسلم لیگ کے حامیوں کا یہی نظریہ تھا اور تقسیم کے بعد کانگریس کے بہت سے لیڈر اس نظریے کو تسلیم کرے لگے تھے۔ جب بھی خواہر لال یا سردار پٹیل سے میری گفتگو ہوئی، ان دونوں نے اپنے فیصلے کی حمایت میں یہی دلیل پیش کی۔ ہر کیف اس مسئلے پر اگر ٹھنڈے دل سے عور کیا جائے تو ہم اس نتیجے پر پہنچیں گے کہ صورت حال کا جو انہوں نے تحریر کیا،

وہ درست نہیں تھا۔ مجھے یقین ہے کہ کینٹ مش کے دوران قیام میں حواسکیم میں نے مرتب کی تھی اور جسے مش نے بڑی حد تک منظور بھی کر لیا تھا، وہ ہر حیثیت سے ہمارے مسائل کا بہترین حل تھی۔ مجھے پورا اعتماد ہے کہ اگر ہم ثابت قدم رہتے اور تقسیم منظور کرے پر رصا مد نہ ہوتے تو سلامتی اور شاں و شوکت دونوں کے اعتبار سے ہمارا مستقبل بہتر ہوتا۔

کیا کوئی اس حقیقت سے انکار کر سکتا ہے کہ پاکستان بے فرقہ وارانہ مسئلے کو حل نہیں کیا بلکہ اسے اور زیادہ شدید اور صرر رساں بنا دیا ہے؟ تقسیم کی سیاد ہی ہندوؤں اور مسلمانوں کے درمیان عداوت پر رکھی گئی تھی۔ پاکستان کی تشکیل بے اس مافرت کو ایک آئینی شکل دے دی جس کا حل اور بھی مشکل ہو گیا۔ اس صورت حال کی سب سے نمایاں خصوصیت یہ ہے کہ ہر صغیر دو ریاستوں میں تقسیم ہو گیا جو ایک دوسرے کو نفرت اور ہراس کی نگاہ سے دیکھتی ہیں۔ پاکستان کو یقین ہے کہ ہندوستان اسے چین سے نہیں رہنے دے گا اور جب بھی موقع ملے گا اسے بیست و نابود کر دے گا۔ ادھر ہندوستان سمجھتا ہے کہ اگر پاکستان کو موقع ملا تو وہ اس پر حملہ کر دے گا۔ اس خوف و ہراس نے دونوں ملکوں کو اپنے دفاع کا خرچ بڑھانے پر مجبور کر دیا ہے۔ جنگ کے بعد پورے غیر منقسم ہندوستان کے دفاع پر کل سو کروڑ روپے خرچ ہوتے تھے۔ خود لارڈ ویول کا خیال تھا کہ یہ رقم فوج کی تینوں شاخوں کے لئے کافی ہے پھر تقسیم عمل میں آئی۔ ایک چوتھائی فوج پاکستان کے حصے

میں چلی گئی اس کے باوجود ہندوستان کو اپنی فوج پر ہر سال دو سو کروڑ روپے خرچ کرنے پڑتے ہیں۔ اس طرح ملک کی آمدنی کا ایک تہائی حصہ دفاع پر صرف ہو جاتا ہے۔ پاکستان کی حالت شاید اس سے بھی بدتر ہے۔ ہندوستان کے مقابلے میں اس کے پاس زمین اور فوج صرف ایک چوتھائی ہے لیکن اس کے باوجود وہ اپنی آمدنی میں سے کم از کم سو کروڑ روپہ دفاع پر خرچ کرتا ہے یہ رقم اس امداد کے علاوہ ہے جو اسے امریکہ سے ملتی ہے۔ سوچے کی بات ہے کہ یہ قومی وسائل کا کتنا بے حاشیہ ہے! اگر یہی رقم معاشی ارتقا کے کاموں پر خرچ کی جائے تو ملک کی ترقی کی رفتار بہت تیز ہو سکتی ہے۔

مسٹر حجاج اور ان کے ساتھی یہ سمجھتے ہیں کہ قاصر رہے کہ جغرافیائی صورت حال ان کے لئے ناموافق ہے۔ مسلمان سارے برصغیر میں کچھ اس طرح بکھرے ہوئے تھے کہ ایک سمٹے ہوئے علاقے میں ان کی الگ ریاست سانا ناممکن تھا۔ مسلمانوں کی اکثریت کے علاقے شمال مشرق اور شمال مغرب میں تھے۔ یہ دونوں علاقے کسی مقام پر بھی ایک دوسرے سے متصل نہیں ہیں۔ یہاں کے باشندے مذہب کے سوا ہر لحاظ سے ایک دوسرے سے بالکل مختلف ہیں۔ یہ کہا عوام کو ایک بہت بڑا فریب دیا ہے کہ صرف مذہبی یگانگت دو ایسے علاقوں کو متحد کر سکتی ہے جو جغرافیائی، معاشی، لسانی اور معاشرتی اعتبار سے ایک دوسرے سے بالکل جدا ہوں۔ اس میں شک نہیں کہ اسلام نے ایک ایسے معاشرے کے قیام کی کوشش کی جو نسلی، لسانی،

معاشی اور سیاسی حدود دیوں سے بالتر ہو . لیکن تاریخ شاہد ہے کہ شروع کے چالیس برسوں کو، یا زیادہ سے زیادہ پبلی صدی کو چھوڑ کر اسلام کبھی سارے مسلمان ممالک کو صرف مذہب کی نیاد پر متحد نہ کرسکا .

یہ صورت اس وقت تھی اور اب بھی ہے . کون اس کی توقع کرسکتا ہے کہ مشرقی اور مغربی پاکستان کے اختلافات دور ہو جائیں گے اور یہ دونوں علاقے ایک قوم بن جائیں گے ! خود مغربی پاکستان کے اندر سدھ، پنجاب اور سرحد اپنے اپنے جدا گانہ مقاصد اور معاد کے لئے کوشاں ہیں . ہر کیف اب تو جو کچھ ہوا تھا ہوچکا . پاکستان کی نئی ریاست ایک حقیقت ہے . اب دونوں ریاستوں کا معاد اسی میں ہے کہ یہ ایک دوسرے کے ساتھ دوستانہ تعلقات بڑھائیں اور اشتراک عمل سے کام لیں . اس کے خلاف کوئی پالیسی اپنائی گئی تو وہ بے اثر اور بڑے مصائب و آلام کا باعث بن سکتی ہے . کچھ لوگ سمجھتے ہیں کہ جو کچھ ہوا وہ اٹل تھا . اس کے برعکس دوسرے لوگوں کو یقین ہے کہ جو کچھ ہوا برا ہوا اور اس سے بچا ممکن تھا ہم آج نہیں کہہ سکتے کہ دونوں میں کون درست ہے . یہ تو واقعات ہی سے ثابت ہوسکے گا کہ تقسیم کو قبول کرنا عقل اور مصلحت کی بات تھی .



## ضمیمہ

سر اسٹیورٹ کرپس نے برطانوی حکومت کی طرف سے حسب ذیل اعلان شائع کیا :

ہندوستان کے مسئلہ کے بارے میں وعدوں کے ایما کے متعلق جو تردد برطانیہ میں اور ہندوستان میں ہے، اس کا لحاظ رکھتے ہوئے، ہر مجلس کی حکومت نے فیصلہ کیا ہے کہ صاف اور صریح الفاظ میں بیان کر دے کہ ہندوستان میں جلد از جلد خود مختار حکومت قائم کرے کی خاطر وہ کون سے قدم اٹھانا چاہتی ہے مقصد یہ ہے کہ ایک نئی ایڈیشن یوہی سائی جائے، جو حیثیت کے لحاظ سے ایک ڈومین میں ہو، جو تاح برطانیہ کی ماتحتی میں برطانیہ اور دوسری ڈومینوں کے ساتھ شریک ہو، مگر ہر اعتبار سے ان کے برابر درجہ رکھتی ہو اور اپنے داخلی اور خارجی معاملات میں کسی طرح بھی پاسد نہ ہو۔ اس لئے ہر مجلس کی حکومت حسب ذیل اعلان کرتی ہے۔

(۱) جنگ ختم ہوتے ہی ایک منتخب شدہ جماعت کو، جس کی ترتیب کا طریقہ بعد میں بیان کیا گیا ہے، روئے کار لائے کی کارروائی کی جائے گی۔ اس جماعت کو ہندوستان کے لئے ایک یا دستور مرتب کرے کا ذمہ دار بنایا جائے گا۔

(۲) دستور ساز جماعت میں ہندوستانی ریاستوں کی شرکت کا

انتظام اس طریقہ پر کیا جائے گا، جو ذیل میں درج ہے  
(۳) ہز مجسٹی کی حکومت وعدہ کرتی ہے کہ اس طریقے  
پر جو دستور مرتب ہوگا اسے فوراً منظور کر کے عمل میں لائے گی،  
صرف ان شرطوں کے ساتھ کہ

(الف) برطانوی ہند کے ہر اس صوبے کو جو نئے دستور  
کو منظور کرے پر راضی نہ ہو اس کا حق ہوگا کہ اپنی  
موجودہ دستوری حیثیت کو قائم رکھے، مگر دستور میں  
اس کی گنجائش رکھی جائے گی کہ اگر وہ چاہے تو بعد  
کو یونین میں شامل ہو جائے۔

ہر مجسٹی کی حکومت اس پر راضی ہوگی کہ ان صوبوں کے  
ساتھ جو یونین میں شامل نہ ہوں ایک نئے دستور کے مطابق  
معاملہ کرائے، شرطیکہ صوبے خود ایسا چاہتے ہوں۔ اس  
دستور کے مطابق ان کی حیثیت وہی ہوگی جو کہ انڈیا  
یونین کی، اور یہ دستور اسی طریقے پر مرتب ہوگا جو کہ  
ذیل میں درج ہے۔

(ب) ایک معاہدے پر دستخط ہوں گے جس کی شرطیں  
ہر مجسٹی کی حکومت اور دستور ساز جماعت کے درمیان  
گفتگو کے بعد مرتب ہوں گی۔ یہ معاہدہ ان تمام ضروری  
معاملات پر حاوی ہوگا جو اختیارات کو کلی طور پر انگریزوں  
سے ہندوستانیوں کے ہاتھوں میں منتقل کرے کی وجہ سے  
پیدا ہوں گے۔ ہز مجسٹی کی حکومت نے سلی اور مذہبی اقلیتوں  
کے تحفظ کے جو وعدے کئے ہیں ان کے مطابق اس میں

دفعات ہوں گی۔ لیکن اس معاہدے میں کوئی ایسی شرط نہیں ہوگی جس سے انڈیا یونین کے یہ طے کرے کہ اختیار میں کمی ہو جائے کہ وہ آئندہ برطانوی کامں ویلتھ کے دوسرے ارکان سے کیا تعلقات رکھے گا۔

ہندوستانی ریاستوں میں سے ہر ایک کے ساتھ، چاہے وہ دستور کے مطابق چلا پسند کرے یا نہ کرے، گفتگو کر کے اس معاہدے پر نظر ثانی کرنا ضروری ہوگا جو اس کے ساتھ کیا جا چکا ہے، جہاں تک کہ شی صورت حال اس کی متقاضی ہو۔

(۴) اگر ہندوستان کے اہم فرقوں کے لیڈر حگ کے حاتمہ سے پہلے کسی اور طریقے پر متفق نہ ہو جائیں تو دستور سار جماعت حسب ذیل صورت کے مطابق مرتب ہوگی۔

جیسے ہی ان انتخابات کا نتیجہ معلوم ہو جائے گا، جس کا حگ کے حاتمہ پر عمل میں آنا ضروری ہے، صوبوں کی قانون ساز مجلسوں کے ایوان زیریں کے جملہ ارکان ایک واحد انتخابی انجمن کی طرح دستور ساز جماعت کا انتخاب تناسب نمائندگی کے اصول پر کریں گے۔ اس نئی جماعت کے رکن تعداد میں انتخابی انجمن کے  $\frac{1}{3}$  ہوں گے۔

ہندوستانی ریاستوں کو بھی دعوت دی جائے گی کہ وہ نمائندے مقرر کریں۔ ان نمائندوں کے تعداد کی ریاستوں کی کل آبادی سے وہی نسبت ہوگی جو کہ مجموعی اعتبار سے برطانوی ہند کے نمائندوں کی اور ان کے اختیارات بھی وہی ہوں گے جو کہ برطانوی

ہند کے نمائندوں کے . یہ بات ناگزیر ہے کہ اس نازک صورت حال میں جو کہ ہندوستان کے لئے اس وقت ہے اور اس مدت تک جب کہ ہندوستان کا بیا دستور س جائے ہر محسٹی کی حکومت ہندوستان کے دفاع کی دمہ دار رہے اور عالم گیر جنگی حد و حد کے ایک حصہ کے طور پر ہندوستان کے دفاع کو اپنے ہاتھ اور اپنے اختیار میں رکھے ، مگر ہندوستان کے پورے فوجی ، اخلاقی اور مادی وسائل کو بروئے کار لائے کا فرص ہندوستانی قوم کی اعانت کے ساتھ حکومت ہند کے دمہ ہوگا . ہر محسٹی کی حکومت چاہتی ہے کہ ہندوستانی قوم کے اہم فرقوں کے لیڈر فوراً اور موثر طریقے پر اپنے ملک ، برطانوی کامں ویلتھ اور متحدہ اقوام کے متورون میں شریک ہوں اور وہ امیں اس کی دعوت نوی دیتی ہے . اس طرح وہ ایک فرض کی اسام دہی میں جو ہندوستان کی آئے والی آرا دی کے لئے نہایت اہم اور ناگزیر ہے سرگرمی کے ساتھ اور معید طریقے پر مدد کرسکیں گے .

سر اسٹیفرڈ کرپس سے خط و کتابت

برلا پارک، نئی دہلی،

۱۰ اپریل سے ۱۹۴۲ء

ڈیئر سر اسٹیفرڈ

۲ اپریل کو میں بے آپ کو کانگریس ورکگ کمیٹی کا رزولیوشن بھیجا تھا جس میں کمیٹی بے ان تحاویر پر اطہار خیال کیا ہے جو آپ بے برطانوی حکومت کی طرف سے پیش کی ہیں .



اس رزولیوش میں ہم نے مستقل سے متعلق کئی اہم اور دور رس  
تحاویر سے اختلاف ظاہر کیا ہے۔ ان تحاویر پر مرید عور و خصوص  
کرے سے ان کے بارے میں ہمارا خیال اور بھی پختہ ہو گیا ہے  
اور ہم اس بات کا اعادہ کرنا چاہتے ہیں کہ ہم ان تحاویر کو  
ان کی موحودہ شکل میں قبول نہیں کرسکتے ہیں۔ ان تحاویر پر  
پورے طور سے عور کرے کے بعد ہم جس نتائج پر پہنچے ہیں  
ان کا اظہار ورکگ کمیٹی کے اس رزولیوش سے ہوتا ہے۔

اس رزولیوش میں صورت حال کی راکت پر رور دیتے ہوئے  
یہ کہا گیا ہے کہ ہم جو بھی آخری فیصلہ کریں گے اس کا  
دار و مدار اُن تبدیلیوں پر ہوگا جو اس وقت عمل میں لائی  
حائیں گی فی الحال ہم سب کے اور خصوصاً تمام ہندوستانیوں کے  
لئے جو مسئلہ سب پر حاوی ہے وہ جارحانہ اقدامات اور حملوں  
کے خلاف ملک کے دفاع کا ہے۔ مستقل کی اہمیت مسام سہی  
مگر وہ اس پر منحصر ہے کہ اگلے چند مہینوں یا برسوں میں کیا  
واقعات رونما ہوتے ہیں چنانچہ ہم اس بات پر آمادہ تھے کہ  
مستقل کے بارے میں یقین دہانی پر اصرار نہ کریں بلکہ یہ امید  
کریں کہ ملک کے دفاع کے لئے اپنی قربانیوں کے ذریعے ہم  
ایک آزاد اور خود مختار ہندوستان کی ٹھوس اور مستحکم نیاد  
رکھ رہے ہیں۔ اس خیال کے پیش نظر ہم بے اپنی تمام تر توجہ  
حال کی طرف مرکوز کی۔

محوزہ اعلان کی شق (۵) میں حال کے بارے میں آپ کی  
تحاویر بہت مبہم اور نامکمل تھیں، سوا اس کے یہ بات واضح

کردی گئی تھی کہ ملک کے دفاع کی تمام تر ذمہ داری برطانوی سرکار پر ہوگی۔ دراصل اس تحویر میں ہم سے یہ مطالبہ کیا گیا تھا کہ ہم آج کی مہموں میں شریک ہوں تاکہ مستقل میں ملے والی آزادی کا تعین ہو جائے۔ آزادی آج کے لئے نہیں بلکہ ایک غیر متعین مستقل کے لئے تھی۔ شق (۵) میں اس طرف کوئی اشارہ نہیں تھا کہ رمانہ حال میں کیا انتظامات کئے جائیں گے اور حکومت کے انتظام میں کس قسم کی تبدیلی عمل میں لائی جائے گی۔ جب اس ابہام کی طرف توجہ دلائی گئی تو آپ بے کہا کہ ایسا عمداً کیا گیا تھا تاکہ آپ دوسروں سے مشورہ کر کے آزادی کے ساتھ ان تبدیلیوں کے بارے میں فیصلہ کر سکیں۔ آپ بے گفتگو میں اس کی وضاحت کی۔ اس سے ہم سمجھے کہ آپ کے دہں میں ایسی قومی حکومت کا تصور ہے جس کے اختیار میں ہر معاملہ ہوگا۔ دفاع کا معاملہ ہر حال میں اور خاص کر دوران جنگ میں سیادی اہمیت رکھتا ہے اور اسے چھوڑ دیا جائے تو حکومت کا دائرہ عمل بہت محدود ہو جاتا ہے۔ اس کے علاوہ یہ بات ظاہر تھی کہ آپ کی تحاویر اور ہماری گفتگو کا تمام تر مقصد ہندوستان پر حملے کے خطرے سے پیدا شدہ فوری مسائل کا حل تلاش کرنا ہے ایسی صورت میں قومی حکومت کے لئے لارمی ہوجاتا ہے کہ دفاع کے مخصوص انتظامات پر توجہ کرے، جہاں تک ہوسکے دفاع کو ایک عوامی منصوبہ بنائے اور ساتھ ہی پوری قوم میں حملہ آور کا مقابلہ کرنے کا جذبہ پیدا کرے۔ اس کا حق صرف ایسی حکومت ادا کر سکتی ہے جس پر اس کی ذمہ داری ڈالی

گئی ہو عوامی مدافعت کے لئے قومی پس منظر کا ہونا ضروری ہے سپاہیوں اور شہریوں دونوں کو یہ احساس ہونا چاہئے کہ وہ اپنے قومی لیڈروں کی سرکردگی میں ملک کی آزادی کے لئے لڑ رہے ہیں۔

چنانچہ یہ مسئلہ صرف ہماری قومی آرزو ہی پوری کرے گا نہیں رہا بلکہ درحقیقت جنگی کارروائیوں کو موثر بنانے اور ہندوستان پر حملہ کرنے والے کا آخری دم تک مقابلہ کرے گا معاملہ س گیا۔ عام اصولوں کے مطابق قومی حکومت وزیر دفاع کے ذریعے دفاعی معاملات کو اپنے قابو میں رکھتی ہے اور فوج ایسے کمانڈر ایجیٹ کے تحت ہوتی ہے جسے جنگ سے متعلق عملی کارروائیوں میں مصلحت سے کام لینے کا پورا اختیار ہو۔ عام دستور کے مطابق ہندوستان کی قومی حکومت کو بھی یوں ہی عمل کرنا چاہئے۔ ہم بے یہ بات واضح کر دی تھی کہ کمانڈر ایجیٹ کو فوج، جنگی کارروائیوں اور اس سے متعلق معاملات پر پورا اختیار ہوگا۔ صرف مصالحت کی خاطر ہم اس پر تیار تھے کہ وزیر دفاع کے رواجی اختیارات کو بعض اعتبار سے محدود کر دیا جائے۔ ہم یہ بالکل نہیں چاہتے تھے کہ دوران جنگ میں موجودہ فوجی انتظامات کو تھوڑا بھلا کر دیں۔ ہم بے یہ بھی منظور کر لیا تھا کہ جنگ سے متعلق اعلیٰ حکمت عملی لندن کی وار کیسٹ کے اختیار میں رہے اور اس کیسٹ میں ایک ہندوستانی ممبر ہو۔ ہمارا فوری مقصد یہ تھا کہ ہندوستان کے دفاع کو زیادہ موثر اور مستحکم بنایا جائے، اس کی بنیاد عوام کے حوصلے اور ارادے پر رکھی جائے۔

صاف پرستی، تاخیر اور ناقابلیت کو ہر طرح سے دور کیا جائے۔ ہی اور عملی معاملات میں ہماری مداخلت کا سوال ہی نہیں تھا۔ بلاشبہ، ایک بات ہمارے لئے سب سے زیادہ اہمیت رکھتی تھی، یعنی ہندوستان کا تحفظ اور دفاع اس بنیادی شرط کو تسلیم کرلیے کے بعد کوئی وجہ نہیں تھی کہ جس مدد گلی میں ہم پہنچ گئے ہیں اس سے نکلے کی ایسی راہ تلاش کرے میں دشواری ہو جو عوام کی متفقہ خواہش کے مطابق ہو کیونکہ اس خواہش کو پورا کرنے کے معاملے میں ہمارے درمیان کوئی اختلاف نہیں ہے۔

دفاع پر زور دینے کا نتیجہ یہ ہوا کہ آپ نے اس مسئلے پر دوبارہ غور کیا اور آپ نے ۷ اپریل کو ایک خط لکھا جس میں دفاع کے بارے میں ایک فارمولا تھا۔ آپ نے اس خط میں لکھا تھا کہ »جیسا کہ ورکنگ کمیٹی خود سمجھتی ہے دوران جنگ میں موجودہ دستور میں کسی قسم کی تبدیلی عمل میں لانا ممکن نہیں ہے«۔ اس بارے میں ورکنگ کمیٹی کے روئے کو سمجھنے میں فاش غلطی ہوئی ہے اور میں اس بات کو صاف کر دینا چاہتا ہوں اگرچہ فوری طور پر یہ زیر بحث نہیں ہے۔ کمیٹی یہ نہیں مانتی کہ دوران جنگ میں دستور میں تبدیلی کرنا فی ہمسہ دشوار ہوگا۔ ہر وہ کارروائی جس سے جنگ میں مدد مل سکی ہو کی جاسکتی ہے، بلکہ اسے ضرور کرنا چاہئے۔ لڑائی صرف اسی طرح لڑی اور جیتی جاسکتی ہے۔ پیچیدہ قوانین بنانے کی ضرورت نہیں ہے۔ آمادگی شرط ہے ورہ ہندوستان کی آزادی اور اس کے حق خود مختاری کو تسلیم کر کے چند تبدیلیاں عمل میں لانا مشکل نہ

تھا جو نتیجہ کے طور پر نکلتی ہیں مگر اہم بھی ہیں باقی باتوں کو اس وقت کے لئے چھوڑا جاسکتا ہے جب اور انتظامات کئے جائیں گے اور معاملات کو ترتیب دی جائے گی۔ آپ کو یاد ہوگا کہ فرانس کے ہتھیار ڈالنے سے چند روز قبل برطانیہ کے وزیر اعظم نے برطانیہ اور فرانس کو متحد کرنا تحویر کیا تھا اس سے بڑی اور اس سے اہم بنیادی تبدیلی تصور بھی نہیں کی جاسکتی اور یہ تبدیلی بہت ہی شدید خطرے اور محراں کے وقت میں تحویر کی گئی۔ جنگ تبدیلیوں میں اور تیری پیدا کرتی ہے اسے قیام اور سکوت کے تصورات سے کوئی ماسست نہیں ہے۔

آپے دفاع کا جو فارمولا ہمیں بھیجا تھا اس پر غور کرتے وقت ہم نے وہ ضمیمہ بھی سامنے رکھا جس میں محکمہ دفاع کو منتقل ہونے والے معاملوں یا شعبوں کی فہرست تھی اس فہرست سے ہماری آنکھیں کھول دیں کیونکہ اس سے ہمیں معلوم ہوا کہ وزیر دفاع کو ایسے معاملات میں اختیار ہوگا جو سستا غیر اہم ہیں یہ بات ہمیں بالکل مسطور نہیں تھی۔ چنانچہ اس کی اطلاع آپ کو دیدی گئی۔

اس کے بعد دفاع کا ایک بیا فارمولا ہمارے سامنے پیش کیا گیا جس کے ساتھ شعبوں کی کوئی فہرست نہیں تھی۔ یہ فارمولا ہمیں زیادہ معقول نظر آئے پر منی معلوم ہوا۔ ہم نے اس میں کچھ تبدیلیاں تحویر کیں اور ساتھ ہی اس طرف بھی اشارہ کیا کہ شعبوں کی تقسیم بعد ہی ہم کوئی قطعی فیصلہ کر سکیں گے۔ اس فارمولے پر نظر ثانی کے بعد اسے دوبارہ ہمارے پاس بھیجا گیا

اور اسی کے ساتھ محکمہ جنگ کے مصب کی طرف بھی اشارہ کیا گیا تھا۔

اس فارمولے کو ایسے سلیط اور ہمہ گیر طریقے پر ترتیب دیا گیا تھا کہ ہمارے لئے یہ اندازہ لگانا مشکل ہو گیا کہ محکمہ دفاع اور محکمہ جنگ کے درمیان کاموں کی واقعی تقسیم کیا ہوگی؟ چاہے ہم بے استدعا کی کہ ہمیں ان کاموں کی فہرست مثالوں کے ساتھ مہیا کی جائے تاکہ ہم معاملے پر غور کر سکیں۔ ایسی فہرست ہم کو نہیں بھیجی گئی۔

کل آپ سے گفتگو کے دوران میں اس نئے فارمولے پر تبادلہ خیال ہوا۔ ہم بے اپنا نظریہ پیش کیا۔ اس سلسلے میں حوا باتیں میں بے کہیں انہیں دہرایے کی ضرورت نہیں ہے۔ جہاں تک فارمولے کی عبارت کا سوال ہے، وہ کوئی ایسا اہم مسئلہ نہیں ہے اور نہ اسے ہم اپنے راستے میں حائل ہونے دینا چاہتے ہیں تاوقتیکہ وہ کسی بنیادی اصول پر اثر انداز نہ ہو۔ ایک فارمولے کی عبارت کے پس پشت کچھ خیالات تھے اور یہ حواں کر ہمیں بڑی حیرت ہوئی کہ پچھلے چند دنوں میں ہم جن مفروضات کے سہارے آگے بڑھنے کی کوشش کر رہے تھے وہ غلط تھے۔

حب ہم بے دوہوں محکموں کے کاموں کی تفصیلی فہرست طلب کی تو آپ بے محکمہ دفاع کی کاموں کی اس پرانی فہرست کا حوالہ دیا جو آپ ہمیں پہلے بھیج چکے تھے اور جسے ہم منظور نہیں کر سکتے تھے۔ ساتھ ہی آپ نے یہ بھی فرمایا کہ باقی مادہ ذمہ داریوں میں سے کچھ اور اس فہرست میں شامل کی جاسکتی

ہیں۔ لیکن عملاً اس کا کوئی امکان نہیں ہوگا کیونکہ کاموں کی تقسیم ہوچکی ہے۔ اس طرح گویا اب شی اور پرانی فہرست کے درمیان کوئی اہم فرق نہیں ہے اور یہ فرق کسی بھی شی فہرست میں ہوگا جو تیار کی جائے۔ اگر واقعی ایسا تھا اور ہم کو وہیں واپس آنا تھا جہاں سے ہم بے گفتگو شروع کی تھی تو پھر ہمارے لئے کسی نئے فارمولے کے تلاش کرے سے کیا فائدہ تھا۔ اسی پرانی بات کو دوسرے الفاظ میں دہراے سے کیا فرق پڑتا ہے آپ سے گفتگو کے دوران کئی اور باتیں بھی واضح ہو گئیں جو بدقسمتی سے ہمارے ناموافق ہیں، آپ بے تح کی گفتگو اور عام بیانات میں ایک بیشل گورنمنٹ اور ویرا پر مشتمل ایک کابینہ کی طرف اشارہ کیا۔ یہ الفاظ خاص معانی رکھتے ہیں۔ چنانچہ ہم بے یہ نتیجہ نکالا کہ شی حکومت کو کابینہ کے پورے اختیار حاصل ہونگے اور وائسرائے ایک دستوری صدر کے فرائض انجام دے گا۔ لیکن آپ بے جو شی تصویر ہمارے سامنے رکھی ہے وہ یہاں کی حکومت کی پرانی تصویر سے زیادہ مختلف نہیں ہے۔ قماش وہی ہے صرف تفصیل کا فرق ہے اس شی حکومت کو بیشل گورنمنٹ کہا ایک مبہم اور خلاف واقعہ بیان ہوگا اور یہ قومی حکومت کی حیثیت سے کام بھی نہیں کرسکے گی۔ دراصل اس میں س وائسرائے ہوگا اور اس کی ایکریکیوٹیو کاؤنسل اور اس میں وائسرائے کو اس کے تمام پرانے اختیارات حاصل ہونگے۔ ہم بے کسی قانونی تبدیلی کا مطالبہ نہیں کیا تھا لیکن اس بارے میں ہم نے یقین دہانی ضرور چاہی تھی کہ شی حکومت ایک آزاد حکومت

ہوگی جس کے اراکین دستوری کاپسہ کے معروں کی طرح کام کریں گے۔ جہاں تک جنگ اور متعلقہ معاملات کا سوال ہے کمانڈر اسچیف کو آزادی ہوگی اور وہ وزیر جنگ کی طرح کام کریگا۔

ہمیں یہ جواب دیا گیا کہ فی الحال مہم اور غیر متعین طریقے سے بھی یہ نہیں کہا جاسکتا کہ حکومت اور وائسرائے کو دستوری رسموں کے ماتحت کام کرنا چاہئے اس کا امکان ہر حال ہوگا کہ ایکریکیوٹیو کے معران وائسرائے سے اختلاف کی صورت میں مستعفی ہو جائیں یا استعفی کی دھمکی دیں۔ استعفی کو تدارک یا علاج کے طور پر تو استعمال کیا ہی جاسکتا ہے لیکن یہ عجیب بات ہے کہ ہم نئی حکومت کے بارے میں اپنے تصورات کی بنیاد شروع ہی سے اختلاف اور استعفی کے امکان پر رکھیں۔ اس لئے حکومت کا جو نقشہ اب ہمارے سامنے پیش کیا گیا ہے وہ ماہیت کے اعتبار سے پچھلے نقشے سے زیادہ مختلف نہیں ہے۔ ہمارا اور یقیناً آپ کا بھی مقصد عوام میں ایک نئی ذہنیت پیدا کرنا ہے تاکہ وہ سمجھیں کہ ان کی اپنی قومی حکومت برسر اقتدار آگئی ہے اور وہ اپنی نئی حاصل کردہ آزادی کے لئے لڑ رہے ہیں۔ عوام کے سامنے اگر پھر وہی پرانے نقشے ابھیں پرانی سرخیوں کے ساتھ رکھے گئے تو ہمارا مقصد بالکل فوت ہو جائے گا۔ انڈیا آفس کا قائم رہنا جو ہمارے لئے ظلم کی علامت ہے اس کی تصدیق کرے گا کہ حکومت کا نقشہ بدلا نہیں ہے۔ کچھ عرصے سے یہ ایک تقریباً طے شدہ بات سمجھی جاتی ہے کہ انڈیا آفس



کو حلد ہی ختم کر دیا جائے گا کیونکہ یہ نئے زمانے میں کھپتا نہیں ہے۔ لیکن اب ہمیں بتلایا جا رہا ہے کہ گزشتہ دور کی یہ ناپسندیدہ یادگار بھی باقی رکھی جائیگی۔ غرضیکہ حکومت کا نقشہ جس کے اہم حدود و حال سب پرانی ہیں تصویر جیسے ہیں کچھ ایسا ہے کہ ہم اس میں اپنے لئے کوئی جگہ نہیں نکال سکتے۔ معمولی حالات میں ہم اس معاملے کو آسانی سے ختم کر دیتے کیونکہ یہ اس مرحلے سے بہت دور ہے جہاں پہچنے کی ہم اب تک کوشش کرتے رہے ہیں۔ لیکن آج کل کے حالات کو دیکھتے ہوئے ہم پر ایسی تحویر پر پوری طرح غور کرے کے لئے آمادہ ہیں جس کا نتیجہ بددوستوں کے دفاع کا زیادہ موثر انتظام ہو۔ بددوستوں کو اس وقت جو خطرہ لاحق ہے اس کا اثر ہم پر پڑتا ہے کسی غیر ملکی پر نہیں پڑ سکتا اور ہم اپنے اس دور اس خطرے کا مقابلہ کرے اور اس پر قابو پائے کے خواہش مند بلکہ آرزو مند ہیں۔ لیکن ہم ذمہ داریاں قبول نہیں کر سکتے۔ جب تک کہ ہمیں ذمہ داریوں کا پورا حق ادا کرے کی آراہی اور اختیار نہ دیا جائے اور جب تک وہ ماحول برقرار رہے جو قومی حدود و حد کے لئے ایک رکاوٹ بنا ہوا ہے۔

اگرچہ ہم کو آپ کی پیش کردہ تحاویر منظور نہیں ہیں پھر بھی ہم آپ کو بتا دینا چاہتے ہیں کہ حقیقی بیشنل گورنمنٹ یا دی جائے تو ہم ذمہ داری قبول کرنے پر تیار ہیں۔ ہم اس پر بھی آمادہ ہیں کہ فی الحال مستقل کے بارے میں کوئی سوال نہ اٹھائیں، گو جیسا کہ ہم پہلے ظاہر کر چکے ہیں کہ مستقبل کے

بارے میں ہمارے کچھ معین تصورات ہیں۔ لیکن اس وقت بھی جو نیشنل گورنمنٹ ہے وہ کابینہ کی حکومت ہونی چاہئے جسے پورے اختیارات حاصل ہوں اور محض وائسرائے کی ایکزیکیوٹیو کاؤنسل کی توسیع نہ ہو۔ دفاع کے بارے میں ہم پہلے ہی کہ چکے ہیں کہ اب اس کی شکل کیا ہونی چاہئے۔ ہمارا خیال ہے کہ نیشنل گورنمنٹ کو موثر بنانے کے لئے کم سے کم یہ انتظام تو ہونا ہی چاہئے۔ اس کے بغیر عوام کے دلوں پر وہ اثر بھی نہ ہوگا جس کی اس وقت اشد ضرورت ہے۔

ہم آپ کو اس بات کی طرف بھی متوجہ کرنا چاہتے ہیں کہ جو تحاویر ہم بے رکھی ہیں وہ صرف ہماری ہی نہیں ہیں بلکہ انہیں ہندوستان کے عوام کا متفقہ مطالبہ سمجھا جانی چاہئے اس مسئلے پر مختلف پارٹیوں اور گروہوں میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔ کچھ اختلاف ہے وہ بحیثیت مجموعی ہندوستانی عوام اور برطانوی حکومت کے درمیان ہے۔ خود ہندوستانیوں میں جو اختلافات ہیں وہ مستقل کی دستوری تبدیلیوں کے بارے میں ہیں۔ ہم اس مسئلے کو فی الحال ملتوی رکھے پر رصامد ہیں تاکہ موحودہ محراں میں ہندوستان کے دفاع کے لئے زیادہ سے زیادہ اتحاد عمل ممکن ہو سکے۔ اس وقت جب کہ سارا ملک اس بات پر متفق ہے، اگر خود برطانوی حکومت آزاد پبلش گورنمنٹ کے قیام میں مانع ہوئی تو یہ بہت افسوسناک بات ہوگی اور اس سے صرف ہندوستان ہی کے مقصد کو نہیں بلکہ ان وسیع تر مقاصد کو نقصان پہنچے گا جس کے لئے کروڑوں انسان

اپنی جاییں دے رہے ہیں۔

آپ کا محضر  
دستخط: ابو الکلام آزاد

۱۱ اپریل کو کرپس بے مجھے حسب ذیل جواب دیا۔  
نمبر ۳، کوئیں وکٹوریا روڈ،  
نئی دہلی، ۱۱ اپریل سنہ ۱۹۴۲ء  
مائی ڈیر مولانا صاحب،

آپ کا ۱۰ اپریل کا خط جس میں کانگریس ورکنگ کمیٹی بے  
ہر محشی کی حکومت کے اعلان کو نامعلوم کیا ہے مجھے ملا اور  
اسے پڑھ کر بہت افسوس ہوا۔

میں ان مسائل پر بحث نہ کروں گا جس کا ورکنگ کمیٹی کے  
پہلے رپورلیوٹس میں، جس کی نقل آپ بے مجھے بھیجی تھی،  
دکر آچکا ہے۔ یہ بات ظاہر ہے کہ آپ کے فیصلے کا سبب یہ  
مسائل نہیں ہیں۔

میں یہ بھی ضروری نہیں سمجھتا کہ وزیر دفاع اور کمانڈر  
ایچیو بحیثیت وزیر جنگ کے درمیان اختیارات اور فرائض کی  
تقسیم کے بارے میں کچھ کہوں، اگرچہ آپ بے اس کا تفصیل  
کے ساتھ ذکر کیا ہے۔ اس تقسیم میں وزیر دفاع کے سپرد تمام  
امور کئے گئے تھے سوا ان کے کہ جن کا حزل ہیڈ کوارٹرز،  
بیوی ہیڈ کوارٹرز اور ایر ہیڈ کوارٹرز سے تعلق ہے اور جو اس  
لحاظ سے کمانڈر ایچیو کے ماتحت ہیں کہ وہ ہندوستان میں افواج

کا افسر اعلیٰ ہے۔

دفاع کے محدود شعبے کے ان کاموں کے علاوہ باقی تمام معاملے جس کا تعلق اسی شعبے سے ہے ایسے نمائندہ حیثیت رکھنے والے ہندوستانیوں کے سپرد کرنا تحویر کیا گیا تھا جو ایکریکیوٹیو کاؤنسل کے زیر ہوتے۔ مثلاً

ہوم ڈیپارٹمنٹ میں اندرونی نظم و نسق، پولیس، ریویجی وغیرہ۔  
فینانس ڈیپارٹمنٹ میں جنگ سے متعلق تمام مالی مسائل۔  
کمیونٹی کیشور ڈیپارٹمنٹ میں: ریلیں، سڑکیں، نقل و حمل وغیرہ۔  
سپلائی ڈیپارٹمنٹ میں: تمام افواج کے لئے ضروریات اور گولہ بارود کی فراہمی۔

انصوریات اور براڈ کاسٹنگ ڈیپارٹمنٹ۔ پروپگنڈا، اشاعت و اشتہار وغیرہ۔

سول ڈفنس ڈیپارٹمنٹ: اے۔ آر۔ پی۔ اور سول دفاع کی تمام صورتیں۔

لیجسلیٹو ڈیپارٹمنٹ: قاعدے اور احکامات۔

لیبر ڈیپارٹمنٹ: ضروری آدمیوں کی فراہمی۔

ڈفنس ڈیپارٹمنٹ: انتظام اور ہندوستانی ملازم وغیرہ۔

کمانڈر انچیف کے ماتحت ہندوستان کے دفاع کے فوری انتظامات کو خطرے میں ڈالے بغیر منتخب ہندوستانی ممبروں کو دفاعی محکموں میں اس سے زیادہ اختیارات ہیں دئے جاسکتے تھے۔ دفاع کا یہ نظام جیسا کہ آپ جانتے ہیں ہر مجلس کی حکومت کا اعلیٰ فرض اور ذمہ داری ہے اور اتحادی ہندوستان کی جو مدد کر رہے ہیں

اس کے لئے کمانڈر کی وحدت لازمی ہے ۔

آپ نے قومی حکومت میں شریک ہونے سے جو انکار کیا ہے اس کی اصلیت یہ ہے کہ حکومت کی جو شکل تجویز کی گئی ہے وہ ایسی نہیں ہے کہ اس کی بدولت آپ اپنے حسب مشا ہندوستان کے لوگوں کو یکجا کر سکیں ۔

آپ نے دو تحویریں پیش کی ہیں ، پہلی یہ ہے کہ اس وقت دستور بدلا جائے ۔ اس سلسلے میں میں یہ کہوں گا کہ آپ نے یہ تحویر پہلی مرتبہ کل رات کو پیش کی جب آپ کے پاس ہماری تحویروں کو پہچنے ہوئے تین ہفتے ہو چکے تھے ، اور اس کے علاوہ میں یہ بھی کہوں گا کہ دوسرے نمائندوں میں سے ہر ایک نے جس سے میں نے اس رائے کے متعلق گفتگو کی یہ مان لیا ہے کہ جنگ کے دور میں اور ایسے موقع پر جیسے کہ اس وقت اس طرح کی کوئی قانونی تبدیلی عملاً ناممکن ہوگی ۔

آپ کی دوسری تحویر یہ ہے کہ ایک قومی حکومت بنائی جائے جو صحیح معنوں میں قومی ہو اس کا مطلب یہ ہے کہ پورے اختیارات رکھنے والی کابینہ حکومت ہو ۔

آپ سمجھ سکتے ہیں کہ یہ ناممکن ہوگا بغیر اس کے کہ بہت ہی پیچیدہ نوعیت کی دستوری تبدیلیاں بہت بڑے پیمانے پر کی جائیں ۔

اگر موجودہ حالات میں ایسا نظام حکومت دستوری رسموں کے ذریعہ عمل میں لایا جائے تو نامرد کردہ کابینہ (جسے غالباً ملک کی بڑی سیاسی پارٹیاں نامرد کریں گی) اپنے سوا کسی کے رو برو ذمہ دار نہ ہوگی ۔ اسے ہر طرف نہ کیا جاسکے گا اور درحقیقت

وہ اکثریت کی غیر محدود آمریت ہو گی۔

اس تجویر کو ہندوستان کی تمام اقلیتیں رد کر دیں گی کیونکہ اس طرح وہ سب کابینہ کی مستقل اور استبدادی اکثریت کے ماتحت ہو جائیں گی ہر محسٹی کی حکومت نے ان اقلیتوں کے حقوق کا تحفظ کرے کے جو وعدے کئے ہیں ان سے بھی یہ تجویر ہم آہنگ نہ ہو گی۔

ہندوستان جیسے ملک میں جہاں فرقہ واری اختلافات اب بھی انے گہرے ہیں اس طرح کی اکثریت کی غیر ذمہ دار حکومت نہیں ممکن ہے۔

اس کے علاوہ ہر محسٹی کی حکومت محور ہے کہ ہندوستان کے لوگوں کے ان بڑے حصوں کے متعلق جس سے اس نے وعدے کئے ہیں اپنے فرائض کی احام دہی جاری رکھے جب تک کہ ہندوستان کے لوگ اپنا یا دستور وضع نہ کر لیں

دستور میں ایسی مکمل تبدیلی کئے بغیر جس کے بارے میں عام طور سے اعتراف کیا جاتا ہے کہ موجودہ حالات میں ناقابل عمل ہو گی ہر محسٹی کی حکومت بے اپنی تجویروں میں زیادہ سے زیادہ جو کچھ کیا جاسکتا تھا وہ پیش کیا ہے اس طرح اگرچہ میں اور ہر محسٹی کی حکومت دونوں مانتے ہیں کہ آپ کی ورکنگ کمیٹی دشمن کے خلاف ہر طریقے سے جو اس کے امکان میں ہے جنگ جاری رکھے کی سحت حواہشمند ہے ہمیں افسوس ہے کہ آپ کی ورکنگ کمیٹی ان شرطوں پر جو ہم بے حلوص کے ساتھ پیش کی تھیں جنگ کی سرگرمیوں میں شریک ہوئے پر آمادہ نہ ہوسکی

اگرچہ ہمارے خیال میں ہندوستان کے مختلف فرقوں اور حصوں کو صرف انہیں شرطوں کے ماتحت متحد کیا جاسکتا ہے۔  
آپ کا محض  
دستخط: سٹیفنڈ کرپس

میرا ارادہ ہے کہ اس حواب کو شائع کر دوں  
میں نے اُسی رور حواب لکھا

رلا ہاؤس

الوقرق روڈ۔ نی دہلی

۱۱ اپریل ۱۹۴۲ء

ڈیٹر سر اسٹیفنڈ:

آپ کا دس اپریل کا خط مجھے ابھی ملا۔ اعتراف کرنا پڑتا ہے کہ اسے پڑھ کر مجھے اور میرے ساتھیوں کو بہت تعجب ہوا۔ چونکہ اس کا حواب فوراً دے رہا ہوں اس لئے جو مسائل آپسے اٹھائے ہیں ان میں سے کچھ ہی کے بارے میں مختصراً لکھ سکتا ہوں۔ ہمارے اصل درویشوں میں جو باتیں کہی گئی ہیں وہ بہت اہم ہیں اور برطانوی تجاوز کے بارے میں کمیٹی کی سوچی سمجھی رائے کی حیثیت رکھتی ہیں۔ لیکن جیسا ہم پہلے بھی کہ چکے ہیں چونکہ ہم اس خطرے کے وقت ملک کے دفاع اور حکومت کی ناگ ڈور سنبھالنے کے متمنی ہیں۔ اس لئے وہ تجاویز جو مستقل کے بارے میں ہیں فی الحال ملتوی رکھی جا سکتی ہیں۔ لیکن یہ ذمہ داری آپسے کاندھوں پر لینے کا سوال تب ہی اٹھتا ہے جب

دمہ داری اور اقتدار حقیقی ہو۔

جہاں تک وزیر دفاع اور وزیر جنگ کے درمیان کاموں کی تقسیم کا سوال ہے آپ بے وہ فہرست مہیا نہیں کی جس کی ہم بے درخواست کی تھی۔ اس کے بجائے آپ نے وزیر دفاع کے کاموں کی پرانی فہرست کا حوالہ دیا جو آپ جانتے ہیں کہ ہمیں بالکل مطور نہیں ہے۔ اپنے حالیہ خط میں آپ نے کچھ معاملوں کا ذکر کیا ہے جس کا بالواسطہ یا بلاواسطہ جنگ سے تعلق ہے اور جو دوسرے شعبوں کے تحت ہوں گے۔ یہ بات واضح ہے کہ جہاں تک وزیر جنگ کا تعلق ہے اس کا دائرہ اختیار آپ کی بھیجی ہوئی فہرست کے مطابق ہوگا۔

کمانڈر انچیف کے ان اختیارات پر جو معمول کے مطابق ہیں کسی بے بھی کوئی پاسدی عائد کرنا تجویز نہیں کیا ہے۔ بلکہ ہم بے فراخ دلی سے کام لیا اور اس پر بھی رضامند تھے کہ اسے بحیثیت وزیر جنگ کچھ مرید اختیارات دے دیے جائیں۔ لیکن یہ بات صاف ہے کہ دفاع سے متعلق ہمارے اور برطانوی حکومت کے بطرے میں بڑا اختلاف ہے۔ ہم دفاع کو ایک قومی رنگ دے کر ہندوستان کے ہر مرد اور عورت کو اس میں شرکت کی دعوت دینا چاہتے ہیں۔ اس کا مطلب اپنے عوام پر بھروسہ کرنا اور اس سعی عظیم میں اُن کا تعاون حاصل کرنا ہے۔ جہاں تک برطانوی حکومت کا تعلق ہے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ اس کا طریقہ ہندوستانی عوام پر عدم اعتماد اور انہیں اصل اقتدار سے محروم رکھنے پر مبنی ہے۔ اپنے دفاع سے متعلق برطانوی



سرکار کے اعلیٰ فرائض اور ذمہ داری کا حوالہ دیا ہے۔ لیکن اس ذمہ داری سے موثر طریقے سے عہدہ برآ ہوا اس وقت تک ناممکن ہے جب تک ہندوستانی عوام کو ذمہ داری نہ سونپی جائے اور انہیں یہ محسوس نہ کرایا جائے کہ وہ واقعاً ذمہ دار ہیں۔ ماضی قریب اس امر کا شاید ہے۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ حکومت ہند یہ سمجھے سے قاصر ہے کہ جنگ صرف جمہوری سیاد پر ہی لڑی جا سکتی ہے۔

آپ کا یہ بیان درست نہیں معلوم ہوتا کہ تین ہفتوں بعد اب ہم پہلی بار دستور میں تبدیلی کا سوال اٹھا رہے ہیں۔ دورانِ گفتگو میں ہم نے کئی بار اس طرف اشارہ کیا ایک یہ درست ہے کہ ہم نے اس پر زور نہیں دیا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ ہم نے مسائل نہیں کھڑے کرنا چاہتے تھے۔ ایک حبِ اپنے خط میں آپ نے واضح طور پر یہ کہا کہ ہم اس پر رضامند ہیں کہ دورانِ جنگ میں دستور میں کوئی تبدیلی نہیں کی جا سکتی، تو آپ کی اس غلط فہمی کو رفع کرے کے لئے ہمیں اس کی تردید کرنی پڑی۔

آپ کے خط کا آخری حصہ پڑھ کر ہمیں تعجب بھی ہوا اور افسوس بھی۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ اس گفت و شنید کے دوران برطانوی حکومت کا رویہ روز بروز ہمارے خلاف ہوتا جا رہا ہے پہلی گفتگو میں جو کچھ ہم سے کہا گیا تھا، اب اس سے یا تو انکار کیا جا رہا ہے یا اس کی تاویلیں کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے۔ آپ نے مجھ سے کہا تھا کہ ایک نیشنل گورنمنٹ

قائم کی جائے گی جو کابینہ کی طرح کام کرے گی اور وائسرائے کی اس میں وہی حیثیت ہوگی جو انگلستان کے بادشاہ کی اپنی کابینہ کے روبرو ہے۔ انڈیا آفس کے بارے میں آپ بے فرمایا کہ آپ کو تعجب تھا کہ کسی بے اس اہم مسئلے کو نہیں اٹھایا۔ آپ بے یہ بھی کہا کہ عملی شکل یہی ہے کہ اسے ڈومین کے دفتر سے متعلق یا اس میں ضم کر دیا جائے۔

یہ ساری تصاویر جو آپ بے ہمارے سامنے کھینچی تھیں اسے اب اس گفتگو بے بالکل، گاڑ دیا جو ہماری آخری ملاقات میں آپ سے ہوئی۔

اپنے حالیہ خط میں آپ بے ایک ایسی دلیل پیش کی ہے جس کا دوران گفتگو میں کبھی ذکر نہیں آیا۔ آپ بے اکثریت کی کامل آمریت کا حوالہ دیا ہے۔ اس مسئلے پر یہ بیان دیا بہت تعجب حین بات ہے۔ ہنگامی صورت حال کے مقابلے کے لئے جو بھی مخلوط کابینہ سائی حائیکگی اُسے قدرتا دقت پیش آئیگی لیکن اس سے بچنے کی بہت سی راہیں کل سکتی ہیں۔ اگر آپ بے یہ مسئلہ پہلے اٹھایا ہوتا تو اس پر گفتگو ہو سکتی تھی اور کوئی اطمینان بخش حل تلاش کیا جاسکتا تھا۔ اب تک اس بارے میں صرف یہ تصور تھا کہ ایک مخلوط کابینہ ہی چاہئے جس کے اراکین کو آپس میں تعاون اور اشتراک عمل سے کام لیا چاہئے ہم بے اسے منظور کیا۔ ہمیں اس سے دلچسپی نہیں ہے کہ کانگریس برسر اقتدار آئے لیکن ہم یہ ضرور چاہتے ہیں کہ مجموعی حیثیت سے ہندوستانی عوام کو آزادی اور اقتدار ملے۔ اس کا فیصلہ بعد میں کیا جاسکتا تھا کہ

کایہ کی تشکیل کیسے ہو اور وہ کس طرح کام کرے۔ پہلے یہ بنیادی مسئلہ حل ہونا تھا کہ برطانوی حکومت کس حد تک ہندوستانی عوام کو اقتدار سوپیے پر آمادہ ہے۔ اسی لئے ہم نے کئی اس کا حوالہ نہیں دیا نہ اس پر گفتگو کی۔ اس کے باوجود آپ نے یہ مسئلہ پہلی بار اب اُس خط میں اٹھایا ہے جو غالباً آپ کا آخری خط ہے۔ اس طرح آپ نے اصل اختلافی مسئلے کو نالے کی کوشش کی ہے جو حق بحال نہیں ہے۔

آپ کو یاد ہوگا کہ اپنی پہلی ہی گفتگو کے دوران میں نے کہا تھا کہ اس مسئلے پر فرقہ وارانہ یا اور اس طرح کے دوسرے مسائل نہیں اُٹھتے۔ حوں ہی برطانوی حکومت اصل اقتدار اور ذمہ داری منتقل کرے گا فیصلہ کرلیگی، متعلقہ لوگ باقی مسائل کامیابی کے ساتھ خود حل کرلیگے۔ آپ کے انداز سے مجھے یہ محسوس ہوا کہ آپ اس نقطہ نظر سے متفق ہیں۔

ہم کو یقین ہے کہ اگر برطانوی حکومت ایسی پالیسی اختیار نہ کرے جس سے تفرقہ بڑھتا ہے تو ہم سب خواہ وہ کسی پارٹی یا گروہ سے متعلق ہوں، مل جل کر ایک مشترکہ لائحہ عمل پر متفق ہو جائیں گے۔ لیکن افسوس ہے کہ اس شدید خطرے کے وقت بھی برطانوی حکومت اپنی تباہ کن پالیسی سے دست کش نہیں ہو پارہی ہے۔ محموراً ہمیں یہ نتیجہ اُحد کرنا پڑتا ہے کہ برطانوی حکومت حملے اور جارحانہ کارروائیوں کے خلاف ہندوستان کے موثر دفاع کے مقابلے میں اس بات کو زیادہ اہمیت دیتی ہے کہ ہندوستان پر امکانی مدت تک اپنی گرفت قائم رکھے اور اسی

مقصد کے پیش نظر وہ ملک میں شفاق اور انتشار کو تقویت دے رہی ہے ہمارے لئے اور ہم سب ہندوستانیوں کے لئے ملک کا تحفظ اور دفاع مقدم ہے اور اسی پیمانے سے ہم چیلوں کو جابجہ ہیں۔

آپ نے لکھا ہے کہ آپ اپنا خط شائع کرنا چاہتے ہیں۔ مجھے یقین ہے کہ آپ کو اعتراض نہ ہوگا۔ اگر اب ہم بھی اپنا اصل رزولوشن اور وہ خطوط شائع کر دیں تو آپ نے ہمیں اور ہم نے آپ کو لکھے۔

### مخلص احوالکلام

#### ہندوستان چھوڑ دو

آل انڈیا کانگریس کمیٹی نے ورکنگ کمیٹی کے ۱۴ حوالائی سنہ ۱۹۴۲ء کے رزولوشن پر بہت توجہ سے غور کیا۔ اسی کے ساتھ اس نے ان واقعات پر غور کیا جو بعد میں رونما ہوئے ہیں مثلاً خنک کی صورت حال، برطانیہ کے ذمہ دار لوگوں کے بیانات اور وہ تصرعے اور تنقیدیں جو ہندوستان میں اور ہندوستان کے باہر کئے گئے ہیں۔ کمیٹی اس رزولوشن کو پسند کرتی ہے اور اس کی تصدیق کرتی ہے۔ کمیٹی کی رائے ہے کہ اس کے بعد سے اب تک رونما ہونے والے واقعات نے اس رزولوشن کو حق بجانب ثابت کیا ہے اور یہ بات بالکل واضح کر دی ہے کہ

ہندوستان سے برطانوی راج کا فوراً ختم کرنا نہ صرف ہندوستان ہی کے لئے بلکہ اقوام متحدہ کی کامیابی کے لئے اشد ضروری ہے اس حکومت کے قیام سے ہندوستان رور رور کہ زور ہوتا جا رہا ہے اور اس میں اپنی حفاظت کر سکیے اور دیا کی آزادی کی جدوجہد میں معاون ہو سکنے کی استعداد دن بدن کم ہوتی جا رہی ہے۔

روس اور چین کے محاذ جنگ پر صورت حال کی اتنی سے کمیٹی کو بڑا تردد ہے۔ چینی اور روسی عوام حس بہادری سے اپنی آزادی کے تحفظ کے لئے لڑ رہے ہیں اس کے لئے کمیٹی انہیں حراج تحسین پیش کرتی ہے۔ اس روز بروز بڑھتے ہوئے خطرے کے پیش نظریہ اشد ضروری ہے کہ وہ لوگ جو آزادی کے لئے جدوجہد کر رہے ہیں اور جو لوگ حارحانہ کارروائیوں کے شکار ہوئے والوں سے ہمدردی رکھتے ہیں، وہ اتحادیوں کی ایتک کی پالیسی کا جائزہ لیں۔ حس کی وحہ سے انہیں ہے نہ پے اور تمنا کہ ناکامیوں سے دو چار ہونا پڑا ہے ان پالیسیوں اور طریقوں پر قائم رہ کر کامیاب ہونا ناممکن ہے کیونکہ یہ بات بالکل ظاہر ہو چکی ہے کہ ناکامی ان کا لازمی نتیجہ ہے۔ یہ پالیسی آزادی سے زیادہ محکوم ملکوں پر اپنا تسلط قائم رکھے اور شہنشاہیت کی روایات اور طریقوں کو جاری رکھے پر مبنی ہے۔ مقصودات حکمران قوموں کے لئے طاقت اور توانائی کا باعث سے کے بجائے، ایک بوجھ اور لعنت بن گئے ہیں۔ ہندوستان جدید سامراجیت کا مثالی نمونہ ہے۔ یہی اب اصل عقدہ ہے۔ کیونکہ ہندوستان

کی آزادی وہ کسوٹی ہے جس پر برطانیہ اور اقوام متحدہ کو پرکھا جائے گا اس کی آزادی ایشیائی اور افریقی قوموں کو امید اور ولولوں سے لریر کر دے گی۔ غرض کہ ہندوستان سے برطانوی اقتدار کا خاتمہ ایک ایسا سیاسی اور فوری مسئلہ ہے جس پر جنگ کے مستقبل کا اور جمہوریت اور آزادی کی کامیابی کا دارومدار ہے۔ آزادی کی اس جدوجہد میں آزاد ہندوستان ناتسرم، فاشرم اور سامراجیت کی جارحانہ کارروائیوں کے خلاف اپنے عظیم وسائل کو بروئے کار لا کر آزادی کا صامس بن جائے گا۔ اس کا اثر جنگ کے مادی حالات پر ہی نہیں پڑے گا، بلکہ اس کی وجہ سے اقوام متحدہ کو ساری محکوم اور مظلوم انسانیت کی حمایت حاصل ہو جائے گی اور اس طرح ان اقوام کو جس کے ساتھ ہندوستان بھی ہوگا دیا کی اخلاقی اور روحانی قیادت مل جائے گی۔ ہندوستان اگر علام رہا تو برطانوی سامراجیت کی نشانی باقی رہے گی اور اس بدما دھے کا اثر اقوام متحدہ کے مستقبل پر پڑے گا۔

چنانچہ موحودہ خطرات کا فوری تقاضہ ہے کہ ہندوستان آزاد کیا جائے اور برطانوی شہنشاہیت کو ختم کیا جائے۔ مستقبل کے بارے میں کوئی بھی یقین دہانی یا وعدہ موحودہ صورتِ حال کو نہیں بدل سکتا اور نہ ان خطروں کا مقابلہ کر سکتا ہے۔ ان وعدوں سے عوام کے دماغوں پر وہ نفسیاتی اثر نہیں پڑ سکتا جس کی اس وقت اشد ضرورت ہے۔ صرف آزادی کی حرارت ہی ان کروڑوں انسانوں کے دلوں کو گرما سکتی ہے اور اُس بے پناہ قوت کو رہا کر سکتی ہے جو فوراً اس جنگ کی ماہیت کو بدل دیگی۔

اس لئے آل انڈیا کانگریس کمیٹی دوبارہ ہندوستان سے برطانوی اقتدار کے خاتمے کا پر زور مطالبہ کرتی ہے۔ ہندوستان کی آزادی کے اعلان کے بعد ایک عارضی حکومت بن جائے گی اور آزاد ہندوستان اتحادیوں کا حلیف بن کر آزادی کی مشترکہ جدوجہد کی آرمائشوں اور مصیبتوں میں برابر کا شریک بن جائے گا۔ چونکہ عارضی حکومت ملک کی اہم جماعتوں کے اشتراک اور تعاون ہی سے بن سکتی ہے اس لئے یہ ہندوستان کے سارے فرقوں اور گروہوں کی مخلوط حکومت ہوگی۔

اس حکومت کا اولین مقصد یہ ہونا چاہئے، کہ یہ اپنی فوجی طاقت اور ایسا کی قوت کو بروئے کار لا کر اتحادیوں کے ساتھ ہندوستان کی حفاظت کرے اور کھیتوں، کارخانوں اور دوسرے شعبوں میں کام کرنے والے مردوروں کی فلاح و بہبودی اور ترقی کا انتظام کرے کیونکہ یہ محنت کش ہی اقتدار اور اختیار کے اصل مالک ہیں۔ عارضی حکومت ایک مجلس دستور ساز کی اسکیم بنائے گی۔ یہ مجلس حکومت ہند کے لئے ایک ایسا دستور مرتب کرے گی جو ملک کے ہر طبقے کے لئے قابل قبول ہو۔ کانگریس کا نظریہ یہ ہے کہ اس دستور کو وفاقی ہونا چاہئے جس میں وفاق کی ہر اکائی کو زیادہ سے زیادہ خود مختاری حاصل ہو اور یہ اکائیاں ہی بقیہ غیر مدرج اختیارات کی مالک ہوں۔ جہاں تک ہندوستان اور اتحادی اقوام کے درمیان مستقل کے تعلقات کا سوال ہے، یہ ممالک باہمی گفت و شنید کے ذریعہ ایسی شکل نکال لیں گے جس میں سب کے لئے بہتری ہو اور جو دفاع کے

مشترکہ کام کو تعاون کے ساتھ انجام دینے میں معاون ثابت ہو۔  
ہندوستان آزاد ہوا تو وہ زیادہ موثر طریقے سے حملے کی  
مدافعت کر سکے گا کیونکہ اس کے پیچھے عوام کی متحدہ قوت  
اور خواہش ہوگی۔

ہندوستان کی آزادی اُن ایشیائی ملکوں کے لئے آزادی کا  
شان اور پیش خیمہ ہوگی جو دوسرے ممالک کے زیر اقتدار ہیں  
برما، ملایا، انڈوچین، ایران اور عراق کو بھی آزادی ملنی چاہیے۔  
یہ بات بالکل واضح ہو چاہیے کہ وہ ممالک جو اس وقت  
جاپانیوں کے قبضے میں ہیں، جنگ کے بعد دوسری سامراجی طاقتوں  
کے اقتدار میں نہیں مستقل ہونے لگیں گے۔

اگرچہ آل انڈیا کانگریس کمیٹی کے لئے ہندوستان کی آزادی  
اور اس خطرے کے وقت ملک کا دفاع مقدم ہے لیکن اس کمیٹی  
کی رائے ہے کہ مستقل کے امن، تحفظ اور دنیا کی مطم ترقی  
کے لئے ایک ایسے عالمی وفاق کی ضرورت ہے جس میں ساری  
آزاد قومیں شامل ہوں دور جدید کے مسائل کا اس کے علاوہ  
کوئی حل نہیں ہے۔ یہ عالمی وفاق ہر ملکوں کی آزادی، جارحانہ  
کارروائیوں کے دفاع، قومی اقلیتوں کے تحفظ، پس ماندہ ممالک  
کی ترقی اور ساری دنیا کے وسائل کو یکجا کر کے سب ملکوں  
کے مشترکہ معاد کے لئے بروئے کار لائے گا خاص ہوگا۔ اس  
عالمی وفاق کے قیام کے بعد سارے ممالک میں اسلحہ کی تحفیف  
عملاً ممکن ہو جائیگی، فوجوں، سمندری بیڑوں اور ہوائی دستوں  
کی کوئی ضرورت نہ رہ جائیگی اور ایک عالمی دفاعی فوج ساری



دیا میں امن وامان قائم رکھے گی۔ اور حارحہ کاروائیوں کا سدباب کرے گی۔

آراد ہندوستان ایسے عالمی وفاق میں بحوشی شریک ہوگا اور بین الاقوامی مسائل کے حل کے لئے دوسرے ممالک سے پورا تعاون کریگا۔

اس وفاق میں شامل ہونے کا ہر اُس ملک کو حق ہوگا جو اس کے بنیادی اصولوں کو تسلیم کرتا ہو لیکن موحودہ حگ کے پیش نظر فی الحال یہ وفاق صرف اقوام متحدہ پر مشتمل ہونا چاہئے یہ قدم اگر اس وقت اٹھایا گیا تو یہ صرف حگ پر بلکہ محوری ملکوں کے عوام اور مستقل کے امن پر اس کا بہت گہرا اثر پڑیگا۔

بہر حال کمیٹی کو بہت افسوس ہے کہ حگ کے الماک اور تباہ کن سق کے بعد بھی اور ان خطرات کے باوجود جو اس وقت دنیا کو درپیش ہیں، چند ملکوں کی حکومتیں اس وقت ایک عالمی وفاق کی طرف یہ ناگریز قدم اٹھائے پر تیار ہیں۔ برطانوی حکومت کے تاثرات اور بیرونی ممالک کی عاطفہ تنقیدوں سے یہ بات بالکل واضح ہے کہ ہندوستان کی آرادی حیسا صریحی مطالبہ بھی تسلیم کرے پر لوگ آمادہ نہیں ہیں اگرچہ اس مطالبے کا اولین مقصد ہندوستان کو اس قابل بنانا ہے کہ وہ موحودہ خطرے کا مقابلہ کرسکے، اپنے دفاع کا انتظام کرسکے اور اس آڑے وقت چین اور روس کی مدد کرسکے۔ کمیٹی کوئی ایسا قدم نہیں اٹھانا چاہتی ہے جس سے اقوام متحدہ کی مدافعاہ

استعداد میں کسی طرح کی کمی واقع ہو یا جس سے چین اور روس کے دفاع میں کوئی رکاوٹ پیدا ہو۔ ان ملکوں کی آزادی گراں بہا ہے اور اس کی حفاظت اشد ضروری ہے۔ لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ خود ہندوستان اور ان ملکوں کے لئے خطرہ روز بروز بڑھتا جا رہا ہے۔ ایک بیرونی حکومت کی اطاعت اور بے عملی کی وجہ سے ہندوستان پست ہوتا جا رہا ہے اور اس کی مدافعت استعداد گھٹتی جا رہی ہے۔ اس صورت سے نہ بڑھتے ہوئے خطرات کا مقابلہ کیا جاسکتا ہے اور نہ اقوام متحدہ کے عوام کی خدمت کی جاسکتی ہے۔

اب تک برطانیہ اور اقوام متحدہ پر کمیٹی کی مخلصانہ اپیل کا کوئی اثر نہیں ہوا ہے بلکہ بہت سے بیرونی ممالک میں جو تصرعے ہوئے ہیں ان سے ہندوستان اور دنیا کی ضرورتوں سے ناواقفیت اور ہندوستان کی آزادی کے مطالبے کی طرف اُس معاندانہ رویے کا اظہار ہوتا ہے جو سلی برتری اور بے جا تسلط قائم رکھے والی ذہنیت کا خاصہ ہے۔ یہ ذہنیت ایک ایسی قوم کے لئے ناقابل برداشت ہے جو خوددار ہے اور جسے اپنی قوت اور اپنے مطالبے کے حق بحال ہونے پر پورا اعتماد ہے۔

دنیا کی آزادی کے مفاد کے پیش نظر آل انڈیا کانگریس کمیٹی ایک بار پھر برطانیہ اور اقوام متحدہ سے اپیل کرتی ہے۔ لیکن ساتھ ہی کمیٹی یہ بھی محسوس کرتی ہے کہ عوام کو ایک ایسی تحکم پسند اور سامراجی حکومت کے خلاف اپنے عزم اور ارادے کے اظہار سے باز رکھے گا کوئی جواب نہیں ہے جو اس

پر مسلط ہے اور حو اُسے ملک کے اور اسایت کے مفاد میں عمل پیرا ہوئے سے باز رکھتی ہے۔ چنانچہ یہ کمیٹی ہندوستان کی آزادی اور خود مختاری کے پیدائشی حق کو ثابت کرنے کے لئے عدم تشدد کے اصولوں کے مطابق وسیع پیمانے پر عوامی جدوجہد شروع کرے کی احارت دیتی ہے تاکہ ملک اپنی پچھلی بائیس سال کی پر امن جدوجہد میں حاصل کی ہوئی ایسا کی قوت کو بروئے کار لاسکے یہ جدوجہد لازمی طور پر گاندھی جی کی قیادت میں ہوگی۔ کمیٹی اُن سے درخواست کرتی ہے کہ وہ قوم کی قیادت کرنا قبول کریں اور اس سلسلے میں مناسب اقدام تحویر کریں۔

کمیٹی ہندوستان کے عوام سے اپیل کرتی ہے کہ وہ آئے والے خطروں اور صعوتوں کا ہمت اور صبر کے ساتھ مقابلہ کریں اور تحریک آزادی کے تربیت یافتہ سپاہیوں کی طرح ہدایات پر عمل کریں انہیں یاد رکھا چاہئے کہ اُن کی جدوجہد کی سیاد عدم تشدد ہے۔ ہو سکتا ہے کہ ایک وقت ایسا آئے جب ہدایات جاری کرنا یا انہیں عوام تک پہنچانا ممکن نہ ہو، اور کوئی کانگریس کمیٹی کام نہ کر سکتی ہو ایسی صورت میں ہر مرد اور عورت کو حو اس جدوجہد میں شریک ہے، عام ہدایات کے اندر رہ کر اپنی جدوجہد کو جاری رکھا چاہئے اس طویل اور دشوار سفر میں جس کے درمیان دم لیا ناممکن ہے اور جو بالآخر ہمیں نجات اور آزادی کی مرل تک پہنچائے گا، ہر ہندوستانی کو خود اپنا رہبر بنا پڑیگا۔

کمٹی نے مستقبل کے آزاد ہندوستان کی حکومت کے بارے میں اپنا نظریہ صاف بیان کر دیا ہے ایسی وہ یہ بھی واضح کر دیا چاہتی ہے کہ اس جدوجہد کے شروع کرے سے اس کا یہ قطعی مقصد نہیں ہے کہ کانگریس کو اقتدار حاصل ہو۔ اقتدار حب بھی حاصل ہوا، سارے ہندوستان کی ملکیت ہوگا۔

برطانوی حکومت کا ۳ حوں کا بیان

۱۔ فروری ۱۹۴۷ء کو ہرجسٹی کی حکومت نے اپنے اس ارادے کا اعلان کیا کہ وہ حوں سے ۴۸ء تک برطانوی ہند میں حکومت کا اختیار ہندوستانیوں کو مستقل کر دے گی۔ ہرجسٹی کی حکومت کو امید تھی کہ ملک کی بڑی پارٹیاں کیسٹ مش کے ۱۶ مٹی سے ۴۶ء کے پلین کے مطابق عمل کرنے میں ایک دوسرے کے ساتھ تعاون کرینگی اور ہندوستان کے لئے ایک دستور مرتب ہوجائیکا جو سب کے لئے قابل قبول ہو۔

۲۔ مدراس، بمبئی، یو پی، بہار، سی پی اور برار آسام اوڑیسہ، شمال مغربی سرحدی صوبے کے نمائندوں کی اکثریت اور دہلی اجمیر، میرواڑہ اور کورگ کے نمائندوں نے نیا دستور مرتب کرے کا کام حاصی مقدار میں کر لیا ہے۔ دوسری طرف مسلم لیگ پارٹی نے جس میں بگال پنجاب اور سندھ کے اکثر نمائندے اور برطانوی بلوچستان کا نمائندہ شامل ہے، فیصلہ کیا ہے کہ وہ دستور ساز اسمبلی میں شریک نہیں ہوگی۔

۳۔ ہرجسٹی کی حکومت کی ہمیشہ یہ خواہش رہی ہے

کہ اختیار کی منتقلی ہندوستان کے لوگوں کی مرضی کے مطابق ہو، یہ کام بہت آسان ہوجاتا اگر ہندوستان کی سیاسی پارٹیوں کے درمیان اتفاق ہوتا چونکہ ان کے درمیان اتفاق نہیں ہے اس لئے ہر مجلس کی حکومت پر یہ فرض عائد ہو گیا ہے کہ ایسا طریقہ دریافت کرے جس سے ہندوستان کے لوگوں کی خواہش معلوم کی جاسکے۔ ہر مجلس کی حکومت بے ہندوستان کے سیاسی لیڈروں سے پورے طور پر مشورہ کرے کے بعد اس پاب کو اختیار کرے کا فیصلہ کیا ہے جو ذیل میں درج کیا جاتا ہے۔

» ہر مجلس کی حکومت یہ بات صاف کر دیا چاہتی ہے کہ اس کا مشا ایسا دستور بنانا نہیں ہے جو آخری اور قطعی حیثیت رکھتا ہو۔ یہ معاملہ ہندوستانیوں کے آپس میں طے کرے گا ہے اور اس پل میں ایسی کوئی بات نہیں ہے جو مختلف فرقوں کے درمیان ہندوستان کو متحد رکھے کے متعلق گفتگو میں مانع ہو «

۴۔ ہر مجلس کی حکومت کا یہ مشا نہیں ہے کہ موجودہ دستور ساز اسمبلی کے کام کو روک دے اب چونکہ مخصوص صوبوں کے متعلق جس کی تفصیل بیچے درج ہے انتظام کیا جا چکا ہے، ہر مجلس کی حکومت امید کرتی ہے کہ اس اعلان کے نتیجے کے طور پر ان صوبوں کے مسلم لیگی نمائندے جس کے نمائندوں کی اکثریت دستور ساز اسمبلی کے کام میں شریک ہے اب اس کام میں پوری شرکت کریں گے۔ اسی کے ساتھ یہ بھی ظاہر ہے کہ یہ اسمبلی جو قانون بنائے گی وہ ملک کے ان حصوں میں نافذ نہیں ہوگا جو اسے قبول کرے پر تیار نہیں ہیں۔ ہر مجلس کی حکومت

کو اطمینان ہے کہ جو طریق کار بیچے درج کیا جا رہا ہے۔ وہ ایسے علاقے کے لوگوں کی رائے معلوم کرے گا بہترین طریقہ ہے کہ ان کا دستور :

(الف) موحودہ دستور ساز اسمبلی میں مرتب کیا جائے گا یا  
(ب) ایسی نئی اور جداگانہ دستور ساز اسمبلی میں جو ان علاقوں کے نمائندوں پر مشتمل ہوگی جنہوں نے فیصلہ کیا ہے کہ وہ موحودہ دستور ساز اسمبلی میں شریک نہ ہوں گے  
جب ایسا کر لیا جائے گا تو یہ تعین کرے گا امکان ہو جائے گا کہ اختیار کس مقتدر جماعت یا جماعتوں کو منتقل کیا جائے گا  
۵۔ بنگال اور پنجاب کی صوبہ جاتی قانون ساز مجلسوں سے جس میں ان کے یورپین اراکین شامل نہ ہوں گے کہا جائے گا کہ وہ اپنے دو حصے کر لیں، ایک وہ جو مسلم اکثریت کے ضلعوں پر مشتمل ہو اور دوسرا جو صوبے کے بقیہ حصے کے نمائندوں پر۔  
ضلعوں کی آبادی کا تعین کرنے کے لئے سہ ۱۹۴۱ء کی مردم شماری کے اعداد سے ماہے جائیں گے۔ اس اعلان کے ساتھ ضمیمے کے طور پر ان دونوں صوبوں کے وہ ضلع درج ہیں جہاں مسلم اکثریت ہے۔

۶۔ دونوں صوبوں میں سے ہر ایک کی قانون ساز مجلس کے دونوں حصوں کے اراکین جن کا اجلاس الگ الگ ہوگا اس بارے میں رائے دینے کے مختار بنائے جائیں گے کہ صوبہ تقسیم کیا جائے یا نہ کیا جائے۔ اگر کسی حصے کی اکثریت تقسیم کے حق میں فیصلہ کرے تو صوبہ تقسیم کیا جائے گا اور اسی کے مطابق انتظام ہوگا۔

۷۔ مناسب ہوگا کہ تقسیم کے بارے میں فیصلہ کرے سے پہلے ہر حصے کے نمائندوں کو معلوم ہو کہ اگر بعد میں متحد رہنے کا فیصلہ کیا گیا تو صوبہ مجموعی طور پر کس قانون ساز اسمبلی میں شریک ہوگا۔ اس لئے اگر دونوں میں سے کسی قانون ساز اسمبلی کے عمر اس کا مطالبہ کریں تو یورپین ممبروں کو چھوڑ کر قانون ساز اسمبلی کے باقی تمام ممبروں کا ایک اجلاس ہوگا جس میں اس معاملے کے متعلق فیصلہ کیا جائے گا کہ اگر دونوں حصے متحد رہے گا فیصلہ کریں تو صوبہ مجموعی اعتبار سے کس قانون ساز اسمبلی میں شامل ہوگا۔

۸۔ اگر یہ فیصلہ ہو گیا کہ تقسیم کی جائے گی تو قانون ساز اسمبلی کا ہر ایک حصہ ان علاقوں کی طرف سے جس کی وہ نمائندگی کرتا ہے طے کرے گا کہ پیرا نمبر ۴ میں دو صورتیں تحویر کی گئی ہیں ان میں سے کس کو اختیار کرے گا۔

۹۔ ننگال اور پنجاب کی قانون ساز اسمبلیوں کے عمر دو حصوں میں جن میں سے ایک مسلم اکثریت کے ضلعوں کی اور دوسرا غیر مسلم اکثریت کے ضلعوں کی نمائندگی کرتا ہوگا، تقسیم کے مسئلے کا فیصلہ کرنے کے فوری مقصد کے لئے اجلاس کریں گے۔ یہ ایک ابتدائی اور بالکل وقتی کارروائی ہے کیوں کہ یہ بات ظاہر ہے کہ ان صوبوں کی آخری اور قطعی تقسیم کے لئے حد بندی کے مسئلوں کی تفصیلی تحقیق ضروری ہوگی اور جیسے ہی تقسیم کے متعلق فیصلہ ہو جائے گا ویسے ہی ان صوبوں میں سے ہر ایک کے لئے ایک حد بندی کمیشن مقرر کیا جائے گا جس کی رکنیت

اور اختیارات و فرائض متعلق لوگوں سے مشورہ کرے کہ بعد طے کئے جائیں گے۔ اس کمیشن کو ہدایت دی جائے گی کہ پنجاب کے دونوں حصوں کی حد بندی متصل مسلم اور غیر مسلم اکثریت کی بنیاد پر کر دے۔ اسے اس کی ہدایت بھی دی جائے گی کہ وہ معاملے کے دوسرے پہلوؤں کا بھی لحاظ رکھے۔ اسی قسم کی ہدایتیں سگال کے حد بندی کمیشن کو دی جائے گی۔ جب تک کہ حد بندی کمیشن کی رپورٹ کے مطابق عمل در آمد نہ ہو جائے گا تب تک وہ حدیں جو صمیہ میں بتائی گئیں ہیں وقتی طور پر صحیح سمجھی جائیں گی۔

۱۰۔ سندھ کی قانون ساز اسمبلی جس میں یورپین ممبر شامل نہ ہوں گے ایسے ایک خاص اجلاس میں طریق کار کی ان دونوں صورتوں کے متعلق فیصلہ کرے گی جو پیرا ۴ میں درج ہیں۔

۱۱۔ شمال مغربی سرحدی صوبے کی صورت حال سب سے الگ ہے اس صوبے کے ۳ نمائندوں میں سے ۲ موجودہ دستور ساز اسمبلی میں شریک ہیں، لیکن صوبے کی حتمیاتی مقام اور دوسری باتوں کو دیکھتے ہوئے یہ ظاہر ہے کہ اگر پورے پنجاب یا اس کے کسی حصے بے فیصلہ کیا کہ وہ موجودہ دستور ساز اسمبلی میں شریک نہ ہوگا تو اس کی ضرورت ہوگی کہ شمال مغربی سرحدی صوبے کو اپنی حیثیت کے متعلق عور کرنے کا دوبارہ موقع دیا جائے۔ اس لئے اگر ایسی صورت پیش آئی تو ان لوگوں سے جہوں بے شمال مغربی سرحدی صوبے کی موجودہ قانون ساز مجلس کا انتخاب کیا ہے استصواب کیا جائے گا کہ پیرا گراف ۴



میں درج کئے ہوئے دونوں طریق کار میں سے کسی ایک کا انتخاب کریں۔ استصواب گورنر جنرل کی سرپرستی اور صوبہ جاتی حکومت کے مشورے سے عمل میں آئے گا۔

۱۲۔ برطانوی بلوچستان بے ایک نمائندے کا انتخاب کیا ہے مگر وہ موحودہ دستور ساز اسمبلی کے اجلاس میں شریک نہیں ہوا ہے۔ اس کے حیرانی مقام کی وجہ سے اس صوبے کو بھی اس کا موقع دیا ہوگا کہ اپنی حیثیت پر دوبارہ غور کرے اور پیراگراف ۴ میں درج کئے ہوئے طریق کار میں سے کسی ایک کا انتخاب کرے۔ ہر اکیس لسی گورنر جنرل غور کر رہے ہیں کہ اس کے لئے بہترین صورت کیا ہوگی۔

۱۳۔ اگرچہ آسام بیشتر غیر مسلم صوبہ ہے، سلہٹ کا ضلع جو بنگال سے ملا ہوا ہے بیشتر مسلم آبادی پر مشتمل ہے۔ اس کا مطالبہ کیا گیا ہے کہ اگر بنگال تقسیم کیا جائے تو سلہٹ کو بنگال کے مسلم حصے میں شامل کر دیا جائے اس لئے اگر یہ طے کیا گیا کہ بنگال تقسیم ہوگا تو سلہٹ ضلع میں گورنر جنرل کی سرپرستی میں اور آسام کی صوبہ جاتی حکومت کے مشورے سے اس مسئلے کو طے کرے کے لئے استصواب کیا جائے گا کہ سلہٹ کا ضلع صوبہ آسام میں شامل رہے یا مشرقی بنگال کے نئے صوبے میں ضم کر دیا جائے۔ اس کے بعد ایک حد بندی کمیشن قائم کیا جائے گا جس کے اختیارات اور فرائض ویسے ہی ہوں گے جیسے کہ پنجاب اور بنگال کے حد بندی کمیشن کے، تاکہ وہ سلہٹ ضلع کی مسلم اکثریت کے علاقے اور اس سے متعلق ضلعوں کے

مسلم اکثریت کے علاقوں کی حدیں مقرر کردے اور حب یہ حدیں مقرر ہوجائیں گی تو پورا علاقہ مشرقی بنگال میں شامل کردیا جائے گا۔ صوبہ آسام کا باقی حصہ بہرحال موجودہ دستور ساز اسمبلی کے اجلاس میں شریک ہوتا رہے گا۔

۱۴۔ اگر یہ طے ہوا کہ بنگال اور پنجاب کو تقسیم کردیا جائے تو نئے انتخابات ضروری ہوں گے تاکہ یہ صوبے اپنے نمائندوں کو اس اصول کے مطابق جو کیسٹ مش کے ۱۶ مئی ۱۹۴۷ء کے پلین میں درج ہے ہر دس لاکھ پر ایک نمائندہ منتخب کرسکے۔ ایسا ہی انتخاب سلٹ میں کرانا ہوگا اگر یہ طے ہوا کہ یہ صلع مشرقی بنگال کا ایک حصہ پایا جائے گا۔ ہر علاقے کو حسب ذیل تفصیل کے مطابق نمائندے منتخب کرے گا حق ہوگا۔

صوبے	عام	مسلم	سکھ	میزان
سلٹ صلع	۱	۲	×	۳
مغربی بنگال	۱۵	۴	×	۱۹
مشرقی بنگال	۱۲	۲۹	×	۴۱
مغربی پنجاب	۳	۱۲	۲	۱۷
مشرقی پنجاب	۶	۴	۲	۱۲

۱۵۔ ان مختلف علاقوں کے نمائندے ان ہدایات کے مطابق جو ان کو دی جائے گی یا تو موجودہ دستور ساز اسمبلی میں شریک ہوں گے یا ایک نئی دستور ساز اسمبلی بنے گی جو ان نمائندوں پر مشتمل ہوگی۔

۱۶۔ جس قسم کی بھی تقسیم طے پائے اس کے انتظامی نتائج

کے سلسلے میں حسب ذیل فریقوں کے درمیان گفتگو کا سلسلہ  
جلد ار جلد شروع کرنا ہوگا۔

(الف) نمائندوں اور متعلق مقتدر جماعت کو اختیارات کی وارث  
ہوگی ان تمام امور کے بارے میں، بشمول دفاع، مالیات  
اور رسل و رسائل، جو اس وقت مرکزی حکومت کے  
ذمے ہیں۔

(ب) مختلف مقتدر جماعتیں جو اختیارات کی وارث ہوں گی ان کے  
اور ہر محسٹی کی حکومت کے درمیان ایسے مسائل کے متعلق  
معائدے کرے کی غرض سے جو اختیارات کی منتقلی کے  
سب سے پیدا ہوں۔

(ح) جو صورتے تقسیم ہوں ان میں صوبہائی نظام حکومت سے  
متعلق امور کے بارے میں، جیسے کہ اثاثہ اور قرض، پولیس  
اور دوسری ملازمتیں، ہائی کورٹ، صوبہائی ادارے وغیرہ۔

۱۷۔ ہندوستان کی شمال مغربی سرحد کے قبیلوں سے وہ  
مقتدر جماعت معائدے کرے گی جو موجودہ حکومت کی وارث ہو۔

۱۸۔ ہر محسٹی کی حکومت اس بات کو صاف کر دینا چاہتی ہے  
کہ مدرجہ بالا فیصلوں کا تعلق صرف برطانوی ہند سے ہے۔ اور  
ہندوستانی ریاستوں کے متعلق اس کی پالیسی جو کیسٹ مش کے  
۱۲ مئی ۱۹۴۶ء کے میمورنڈم میں بیاں کی گئی ہے تبدیل نہیں  
ہوئی ہے

۱۹۔ یہ بات بہت اہم ہے کہ وہ کارروائیاں جن کا اوپر ذکر  
آیا ہے جلد سے جلد مکمل کر لی جائیں تاکہ وہ مقتدر جماعتیں

جو موحودہ حکومت کی وارث ہوں گی اپنے آپ کو اختیارات لے لینے کے قابل بناسکیں وقت بچاے کے لئے مختلف صوبے یا صوبوں کے حصے جہاں تک ممکن ہوگا اس پلین کی شرائط پر الگ الگ عمل کریں گے۔ موحودہ دستور سارا اسمبلی اور نئی دستور ساز اسمبلی (اگر وہ سائی گئی) اپنے متعلق علاقوں کے لئے دستور مرتب کرنا شروع کردیں گی۔ ظاہر ہے کہ اپنے لئے قاعدے وہ خود بنائیں گی۔

۲۰۔ ملک کی بڑی سیاسی پارٹیوں سے بار بار اپنی اس خواہش کو اصرار کے ساتھ بیاں کیا ہے کہ ہندوستان میں اختیارات کی منتقلی جلد سے جلد عمل میں آجانا چاہئے۔ ہر محسٹی کی حکومت کو اس خواہش سے پوری ہمدردی ہے اور وہ اس پر رصامد ہے کہ حوں سے ۴۸ء کی جگہ اس سے پہلے کی کوئی تاریخ آزاد ہندوستانی حکومت یا حکومتوں کے قیام کے لئے متعین کر کے اختیارات کی منتقلی عمل میں لے آئے۔ یہ سمجھ کر کہ اس خواہش کو جلد سے جلد پورا کرے گا واحد عملی طریقہ یہی ہے ہر محسٹی کی حکومت کا ارادہ ہے کہ اسی سشن میں اسی سال ڈومین اسٹیس کی سیاد پر ایک یا دو مقتدر جماعتوں کو (جو اس اعلان کے مطابق فیصلہ کرے سے قائم ہوں گی) اختیارات منتقل کرے کے لئے قانونی تحویر پیش کرے۔ اس کارروائی کا ہندوستان کی دستور ساز اسمبلیوں کے اس حق پر کوئی اثر نہ ہوگا کہ وہ مناسب وقت پر طے کریں کہ ہندوستان کا وہ حصہ جس میں انہیں اختیار ہے برطانوی کامن ولتھ میں شامل رہے یا نہ رہے۔

ہر اکسی لسی گورنر جنرل وقتاً فوقتاً مدرجہ بالا انتظامات پر

عمل کرے کے طریق کار اور دوسرے مسائل کے متعلق حسب  
ضرورت اعلانات شائع کرتے رہیں گے۔

پنجاب اور سگال کی تمام اکثریت کے ضلعے سے ۱۹۴۱ء  
کی مردم شماری کے مطابق حسب ذیل ہیں  
۱ پنجاب

لاہور ڈیویژن: گوجرانوالہ، گورداس پور، لاہور، شیخوپورہ،  
سیالکوٹ۔

راولپنڈی ڈیویژن: اٹک، گجرات، جہلم، میانوالی، راولپنڈی،  
شاہ پور

ملتان ڈیویژن: ڈیرہ غازی خان، جھنگ، لائل پور، موٹ گومری،  
ملتان، مظفر گڑھ۔

۲ سگال

چٹاگانگ ڈیویژن: چٹاگانگ، بواکھالی، پتیرہ۔

ڈھاکہ ڈیویژن: باقر گنج، ڈھاکہ، فرید پور، میمن سگر۔

پریسی ڈیویژن: حیسور، مرشد آباد، بدیا

راح شاہی ڈیویژن: بوگرا، دیہاج پور، مالدہ، پاسہ راحشاہی،  
ریگ پور



## اشاریہ

جیل ۲۹، صدر دہلی اجلاس ۴۵، عمر  
پارلیمنٹری بورڈ ۴۹، غیر حاضریہ شخصیت  
۵۰، جنگ کے مسئلے پر گاندھی جی  
سے اختلاف رائے ۶۸، ۵۵، صدر  
کانگریس ۶۸، ورکنگ کمیٹی کی ترتیب  
۷۱، عدم تشدد کے مسئلے پر گاندھی جی  
سے اختلاف رائے ۷۳، گفتگو کے لئے  
وائسرائے کی دعوت ۷۷، اہ آنا میں  
گرفتاری ۸۱، رہائی ۸۳، کلکتہ میں  
پریس کانفرنس ۸۵، چھاپا کٹی شک  
سے ملاقات ۹۱، کپریس سے ملاقات  
۱۰۳، مسلسل، لارڈ ویول سے ملاقات  
۱۲۱، پریس کانفرنس ۱۳۵، کپریس میں  
کی ماکامی پر ۱۴۸، مسلسل، چھاپا  
حلیے کے ناری میں گاندھی جی سے  
اختلاف رائے ۱۵۵، ہندوستان چھوڑ  
دو حواہر لال سے اتفاق رائے ۱۵۸،  
گاندھی جی سے کامل اختلاف ۱۶۱،  
ہندوستان چھوڑ دو تحریک کے سلسلے  
میں حصہ ہدایات ۱۷۰، گرفتاری کا  
اندیشہ ۱۷۲، گرفتاری ۱۷۶، قلم  
احمد نگر جیل ۱۸۲، مسلسل، وائسرائے  
کو خط ۱۸۵، ہوی کی علالت اور  
انتقال ۱۸۹، یہی کا انتقال ۱۹۰، قلم  
سے منتقل ۲۰۱، مسلسل، آزادی ۲۰۶،  
ہوی کی قبر پر ۲۰۷، امریکی احبار  
ہویوں سے ملاقات ۲۱۰، شملہ

آرو بیگم، انتقال ۱۹۰  
الٹا چارٹر، ۲۱۰  
احمل جان، حکیم، عدم تعاون کی تحویر  
۲۴ م، سوراخ پارٹی کا قیام ۴۵، ۲۸،  
داس کے قطعہ نظر سے اتفاق ۴۳  
پروچر ۴۴  
آجاری۔ راج گوبال — مسٹر داس کی مخالفت  
۴۳، ۴۴، ۴۴، ۴۴، ۴۴، ۴۴، ۴۴، ۴۴، ۴۴،  
۷۱، عدم تشدد ۷۳، ۷۶، کپریس کی  
تحویروں کے حامی ۱۰۸، کپریس میں  
رد عمل ۱۴۲، تقسیم کی حمایت ۱۴۴،  
ورکنگ کمیٹی سے استعفا ۱۴۷، تقسیم  
کی تائید ۲۹۶، عمر تعلیم ۳۵۲، لیاقت  
بحث کی مخالفت ۳۵۴  
اروں، لارڈ، گاندھی جی ارون معاہدہ ۳۰  
ارونا۔ ہر آصف علی ۲۳۸، ۲۶۵  
آراد، ابو الکلام، حاضریہ حالات ۸، سواح  
حیات ۱۰، ۱۱، دہلی کشمکش ۱۲، مذہب  
کے ناری میں شکوک، آراد، عرفیت  
۱۳، سیاسی خیالات ۱۴، اقلیتی پارٹی  
میں شمولیت ۱۵، مشرق وسطیٰ کا سفر  
۱۸، کلکتہ سے احرار، دہلی یو پی اور  
مشی میں، نوع الادحال ۲۲، راجی میں  
طرمدی، رہائی ۲۳، گاندھی جی سے  
پہلی ملاقات ۲۳، عدم تعاون کی تحویر  
کی غیر مشروط تائید ۲۶، گرفتاری ۲۷،  
صدر کانگریس ۲۸، گرفتاری میں

۱۷۶، قلم احمد مگر حیل ۱۸۲، ۱۸۴،  
۱۹۸، ٹالا حیل میں متقلی ۲۰۰،  
بیماری اور رہائی ۲۰۵، ۲۹۸، کشمیر  
میں گرفتاری ۳۰۰ م، انڈم حکومت  
میں شرکت ۳۳۰، ۳۵۱

آداب احمد، صاحبزادہ ۴۲۵

اکبر، حلال الدین ۸

اللہ بخش، حان بہادر، کرپس سے ملے کی  
دعوت ۱۰۳، سراسیمہ سے ملاقات  
۱۱۵

اللاع، احرا ۲۲

الگرڈ، ای۔ وی۔ لارڈ، امریکہ میں ۲۷۹،  
آراد کی نظر میں ۳۰۶، ۳۸۴

الہلال، احار اور پریس کا احرا ۲۱، محالمت،  
تعداد اشاعت، صحت، صلی ۲۲،  
عدم تعاون کی دعوت ۲۵

امت السلام ۱۹۳

امریکہ، حگ میں شرکت ۸۲، ہندوستان کی  
آزادی کے لئے برطانیہ پر دباؤ ۸۲،  
۲۰۸، کانگریسی ایٹروں کی گرفتاری  
کا رد عمل ۲۰۹

احسن اقوام ۶۰

انڈین کونسل فار کلچرل ریلیشر ۵  
انڈین نیشنل آرمی، ۲۶۷، مسلسل، لال قلم  
میں مقدمہ ۲۶۹

اٹھاری، ڈاکٹر، حاشیہ صدر کانگریس ۲۹  
اوکی لک لارڈ ۲۶۶

ایٹلی۔ مسٹر، انتخابات ۲۴۰، ہندوستان پر بیان  
۲۷۹، تحاویر کا اعلان ۲۹۸، ہندوستان  
کے دوست ۳۴۸، ۳۴۹، آزادی کی  
تاریخ کا تبیں ۳۵۵ م، ۳۶۴، ۳۸۰۔

کاہرس کا دعوت نامہ ۲۱۳، ڈیسائی  
کے بیان قیام ۲۱۴، وائسریگل اسٹیٹ  
میں قیام ۲۱۶، لیگ کے پہلے اجلاس  
میں شرکت ۲۲۶، اگریکو کونسل میں  
عبر مسلم اقلیتوں کی نمائندگی پر اصرار  
۲۳۰، شملہ کاہرس کی اکامی پر  
بیان ۲۳۴، مسلسل، کشمیر کا سفر ۲۴۰،  
کشمیر سے واپسی ۲۴۳، سیاسی قیدیوں  
کا معاملہ ۲۴۵، تشکیل وزارت کے لئے  
دورہ ۲۵۸، لیگ کو اشتراک کی دعوت

۲۵۹، ہرو سے شکر رسی ۲۶۰،  
مسلسل، فرقہ وارانہ مسئلہ کا حل ۲۸۲،  
مہراں کیٹ مش سے ملاقات ۲۸۴،  
پاکستان تحویر کی محالمت ۲۸۷، شملہ  
کاہرس ۲۹۷، صدارت سے طحدگی  
۳۰۹، مہر پارلمنٹری سب کمیٹی ۳۲۲، انڈم  
حکومت سے طحدگی ۳۳۰، وزیر  
تعلیم ۳۵۲، ماؤنٹیش سے ملاقات  
۳۶۴، کرشا میں کے ماری میں رائے  
۳۷۰، کیٹ پلان کو چاہے کی کوشش  
۳۸۰، تقسیم کی محالمت میں تقریر  
۳۹۵، مشترکہ کمان کی موافقت ۴۰۴،  
سرکاری ملازمین کی تقسیم کی محالمت  
۴۰۵

ازہر، جامعہ، نظام تعلیم پر تنقید ۱۸، ۱۹  
آسٹریا، حرم ریاست میں شمول ۵۲  
اسماعیل حان، نواب، یو پی مسلم لیگ کے  
لیٹر ۳۲۵، کانگریس سے اشتراک ۳۲۶،  
اعتدال پسند ۳۳۳، طر امداری ۳۳۴  
آصف علی، مہر ورکنگ کمیٹی ۷۱، ۷۷، ۹۱،  
ہندوستان چھوڑو تحریک میں گرفتاری



پٹیل، ولہ، بھائی - سردار، برہماں سے  
 اختلاف ۳۵، پوچھر ۴۴، عمر پارلیمانی  
 بورڈ ۴۹، عمر ورکنگ کمیٹی ۷۱، عدم  
 تشدد ۷۳، عدم تشدد کے مسئلے پر  
 رائے کی تبدیلی ۷۵، ۱۵۵، ۱۶۱،  
 گاندھی جی کے تابع ۱۵۸، قلم احمد  
 نگر حیل ۱۸۲، طرر عمل میں تبدیلی  
 ۱۹۵، ۱۹۸، پونا حیل میں منتقلی ۲۰۰،  
 عمر اکریکٹو کونسل ۲۳۰، ۲۶۵، ڈیسائی  
 کے خلاف غلط فہمی ۲۷۵، شملہ  
 کاہرس ۲۹۷، صدارت کے لئے  
 نام ۳۱۰، عمر پارلیمانی سب کمیٹی  
 ۳۲۲، پارسی رکن حکومت کا انتخاب  
 ۳۳۱، محکمہ داخلہ چھوڑے سے انکار  
 ۳۳۶ م، ایانت سٹ کی محالمت ۳۵۴  
 ڈاؤنٹیش کی ٹائی سے اختلاف ۳۶۶،  
 تقسیم کے موافق ۳۶۸، کرشا میس کے  
 ماری میں آزاد کے ہم خیال ۳۷۰ م،  
 گاندھی جی کی تحویر سے اختلاف  
 ۳۷۶، تقسیم کی حمایت میں تقریر ۳۹۵،  
 تقسیم کی حمایت کی وجہ ۴۱۳، دلی  
 کے ہنگامہ سے چشم پوشی ۴۲۶ م،  
 گاندھی جی کے ساتھ ۴۳۰، گاندھی جی  
 سے ناراضگی ۴۳۳، ہمنی سے واپسی  
 ۴۴۰، ما اپلیٹ کا الزام ۴۴۶،  
 الزامات کی تردید ۴۴۷، قلی دورہ  
 ۴۴۹

پرتاپ سکھ ۲۶۷

پت - گووند بھ، قلم احمد نگر حیل ۱۸۲،  
 حاح سے ملاقات ۲۲۶، تقسیم کی  
 تحویر ۳۹۵

۳۸۱، ۳۹۹

ایمری، وزیر ہند ۲۱۲  
 مار ۸

ماردولی، ورکنگ کمیٹی کا اجلاس ۸۴  
 ماردولی، گوپی مانہ، کیسٹ مشن پلان کی  
 محالمت ۳۴۶

صاح، حمدالال، سیٹھ، حارن و عمر ورکنگ  
 کمیٹی ۷۱

برطانیہ، ولی عہد کی ہندوستان میں آمد ۲۸،  
 حرمی سے سمجھوتا ۵۲، حرمی کے  
 خلاف اعلان جنگ ۵۲، جمہوریت اور  
 آزادی کی قفا کے لئے جنگ ۵۹،  
 جمہوریت کے ساتھ عداری ۶۰، مسلسل،  
 ایمر پارٹی کی کامیابی ۲۴۰

ملدیو سکھ - سردار، عمر دفاع ۳۴۰، لدن  
 کاہرس میں شرکت ۳۴۹

نگل، تقسیم کی تحویر ۱۴، انقلابیوں کی  
 سرگرمیاں ۱۷

نوس، سہاش چندر ۲۶۷، گرفتاری ۲۷،  
 صدارت کانگریس سے استعفا ۷۱،  
 ہندوستان سے ہزار ۸۷، مسلسل  
 نوس، سرت چندر ۳۱۱، ۳۲۳، ۳۳۶

بھابھا - ایچ، سی ۳۳۱

پاکستان، رروایوش ۲۸۶، مولانا آزاد کا  
 بیان ۲۸۷ م، ڈائریکٹ ایکس ۳۱۶،  
 قیام ۴۱۱، مولانا آزاد کی طر میں ۴۵۰ م  
 پال - پی چندر، برطانوی مال کا ٹائیکٹ ۲۶  
 پٹاھی سیتارمیا - ڈاکٹر، قلم احمد نگر حیل  
 ۱۸۲، ۱۹۸

پٹیل - ونہل بھائی، داس کے قطعہ طر سے  
 اتانی ۴۳

۳۲۱، عوامی تحریک ۳۲۸، اثرم  
حکومت ۳۳۴، لندن کاہرس ۳۴۹،  
کیسٹ پلان کی صحیح تشریح ۳۵۰،  
۳۷۱، پختونستان کی محالمت ۳۹۲،  
گورنر جنرل پاکستان ۴۱۰، الوداعی  
پیغام ۴۱۵

حک عظیم، ازل ۲۲، دوم - اعلان حک ۵۵  
چرچل، سروش، قدامت پرست ۸۴، ۱۰۰،  
شی پالیسی ۱۰۱، کریس کا مشورہ  
۱۲۰ امریکی مطالعہ ۲۰۸، ہندوستانی  
مسئلے میں تعویق ۳۶۱، تقسیم کی  
حمایت ۳۸۰

چکرورتی، شام سدر، انقلابی لیڈر، مولانا  
آزاد کا تعارف ۱۶

چمبرلین، میوچ کا سفر ۵۲

چندریگر، مہر اثرم حکومت ۳۳۴

چیانگ کانگ شک، ہندوستانی مسائل سے  
دلچسپی ۹۰، دلی میں آمد ۹۱،  
حواہر لال کے ساتھ آگرہ کا سفر  
۹۶، کلکتہ میں گاندھی جی سے ہلاقات  
۹۶، ہندوستان کو سیاسی اختیارات  
دینے کی برطانیہ سے اپیل ۹۷

چیتا حان ۱۸۵، ۱۹۷، ۱۹۸

چین ۶۶، ۹۰، کانگریسی لیڈروں کی گرفتاری  
کا رد عمل ۲۰۹

حان، ڈاکٹر، چیف مسٹر صوبہ سرحد ۳۴۱  
مسل، تقسیم کا اثر ۳۸۷م، پختونستان  
کا مطالعہ، گرفتاری ۳۹۴

حصر حیات حان، شملہ کاہرس میں شرکت  
۲۲۶، استعما ۳۶۶

حلیق الرمان، چودھری، یو پی مسلم لیگ

پولڈ، حرمی کی حارحانہ کارروائی ۵۸،  
حرم قصہ ۶۷

ترکی ۹، ۱۶، ہر ربندہ کی مرمت کے لئے  
چندہ ۱۰، مولانا آرا - کا سفر ۸  
تلک لوکمانیہ ۲۳

ٹائٹانی، امارکٹ جماعت کے نام کھلا  
خط ۲۴، ۲۵

ٹامس، ایڈورڈ - ڈاکٹر ۲۸۹،

ٹڈن پرشوتم داس ۳۲۷

حایاں، پرل ہاربر پر حملہ ۸۱، ہندوستانی  
سرحدوں کے قریب ۸۲، شکست کے  
لئے ہندوستانوں کا تعاون ضروری ۲۱۰،  
شکست ۲۴۱

حرمی، برطانیہ سے سمجھوتا ۵۲، برطانیہ  
کے خلاف اعلان حک ۵۲، روس  
پر حملہ ۸۱

حمزہ، محمد یوسف - مولوی، مولانا آزاد  
کے پہلے استاد انگریزی ۱۱

جمال الدین، مولانا ۸

حاج، محمد علی، کانگریس سے علیحدگی ۲۷،

کانگریس کے خلاف چھوٹے الزامات

۴۹، سیاسی حیثیت ۱۹۲، قائد اعظم

۱۹۳، تمام مسلمانوں کی سائنڈگی کا

مطالعہ ۲۲۵، کانگریس سے گفتگو کی

خواہش ۲۲۵، کانگریس سے اشتراک

ناپسند ۲۵۹، دو قومی نظریہ ۲۸۹،

کیسٹ مش پلان کی مطوری ۲۰۴،

پلٹ ہرو کے پساں کا رد عمل ۳۱۵،

مطالعہ پاکستان کا احیاء ۳۱۶، کانگریس

ورکگ کمیٹی کا رد وایش نامطور

۳۱۹، اثرم حکومت میں شرکت نامطور

۷۱، عدم تشدد ۷۳، مولانا آرا۔ کی  
ورکنگ کمیٹی سے استعما ۷۶ گاندھی جی  
کے تابع ۱۵۸، ہندوستان چھوڑو  
تحریک میں گرفتاری ۱۸۲، طور عمل  
میں تبدیلی ۱۹۵، ہر پارلیمنٹری سسٹم  
۳۲۲، صدر مجلس دستور ساز ۳۵۱،  
مشترکہ کما، کی محالمت ۴۰۴،  
گاندھی جی کے ساتھ ۴۳۰

راجی، مولانا آزاد کی طریدی ۲۳  
رائے۔ بی سی گاندھی جی کے مشیر طی ۱۸۸  
رائے۔ کرن شکر، طریقہ برعمال کے خلاف  
۳۹۸

رائے۔ ایم ایس مولانا آرا۔ کے خلاف  
صدارت کے امیدوار اور شکست ۶۸،  
حکومت سے امداد۔ ۲۵۴

رورولٹ۔ پریسی ڈسٹ، ہندوستانی معاملات میں  
دلچسپی ۸۳، ۹۰، ۱۰۰، ۲۰۷، ۲۰۹،

رماہ جنگ کی بڑی شخصیت ۱۹۷

ریڈ کلیف۔ مسٹر، حد بندی کمیشن ۴۰۲

راہد حسین، گاندھی جی سے ملاقات ۴۳۹

ربندہ خاتون، بیگم ۹

سائنس کمیشن، آمد ۲۸

ستال۔ مارشل ۲۰۹، ۲۵۴

سر سید احمد خان، ۱۱، ۲۱

سرکار، پاری چد ۱۲

سمل، برسر ناتھ، گرفتاری ۲۷

سکندر حیات خان۔ سر، کریس اور مولانا

آزاد سے ملاقات ۱۲۴، ۱۲۵، لاہور

درویش کی تائید ۲۹۵

سلطان جہاں بیگم ۹

سمپورن سکھ، بید اجارت ستیہ گرہ ۸۱

کے ایئر ۳۲۵، کانگریس سے اشتراک  
۳۲۶

حورشید احمد، چیف کمشنر دلی ۴۲۵

حید الدین، مولانا، مولانا آزاد کے والد

۸، حالات زندگی ۹، ۱۰

داس۔ سی آر گاندھی جی سے اختلاف رائے

۲۶، عدم تعاون پروگرام کی تائید۔

گرفتاری ۲۷، گیا سٹن کی صدارت

۲۷، سوراخ پارٹی کا قیام ۲۸، ۴۵،

دردست شخصیت ۳۷، گاندھی جی سے

اختلاف رائے ۴۲، ۴۳، کانگریس

سے استعما ۴۴، پروچھر ۴۴، بگال

کے فرقہ وارانہ مسئلہ کا حل ۴۶، ۴۷،

انتقال ۴۸

دتا۔ سر لایا پرہا، بگال کانگریس کمیٹی

کی صدر ۲۰۶

دیو۔ شکر راؤ، عمر ورکنگ کمیٹی ۷۱،

عدم تشدد ۷۳، قلعہ احمد نگر حیل

۱۸۲، ۱۹۸، ہونا حیل میں منتقل ۲۰۰

ڈائریکٹ ایکشن ڈی اعلان ۳۲۱

ڈیسائی۔ ہولا بھائی، عمر ورکنگ کمیٹی ۷۱،

کریس سے ملاقات ۱۱۸، آزاد کے

میرماں ۲۱۴، ۲۶۳، مرکزی اسمبلی کی

کانگریس پارٹی سے اجراح ۲۷۲،

مسلل انتقال ۲۷۷

ڈیسائی، مہادو، مولانا آزاد کے سوامی بگار

۱۸، گاندھی جی کے سکریٹری ۱۶۸

داکر حسین۔ ڈاکٹر، ہنگامی بورڈ کے سامنے

شہادت ۴۲۹

راحدہ پرشاد، ڈاکٹر، داس کی محالمت ۴۴،

پوچھر ۴۴، ہر پارلیمنٹری بورڈ ۴۹،

- سہا۔ اوگرہ برائی ۲۵۹  
سہا، شری کرشن ۲۵۸  
سوڈن لائن، حرم مطالعہ ۵۲  
سوراج، عدم تعاون ضروری ہے ۲۶  
سوراج پارٹی، قیام ۲۸، ۴۵، گاندھی جی کی  
رہائی کا رولپوش ۴۶، نمایاں کامیابی  
۴۶  
سروردی۔ جس شہید، چیف مسٹر سگال  
۳۲۲، ۳۳۵  
شام ۹، ہر ریشہ کی مرمت کے لئے چندہ  
۱۰، مولانا آزاد کا سفر ۱۸  
شاہ جہاں ۸  
شعاعت احمد خان، سر ۳۳۶  
شمسہ کھرم ۱۹۲، مسلسل، شرکاہ ۲۲۲،  
بشتوں کی ترتیب ۲۲۳، کانگریس ایک  
کے اختلاطات ۲۲۴، ماکامیابی ۲۲۶،  
مرحمت ۲۳۴، ماکامی کا سب ۲۴۱  
شوکت علی ۲۴، عدم تعاون کی تحویر ۲۵،  
آزاد کے ہم سفر ۲۷  
عبداللہ، فرنگی علی۔ مولانا ۲۴، عدم تعاون  
کی تحویر ۲۵  
عبدالغفار خان، عمر ورکنگ کمیٹی ۷۱، عدم  
تشدد ۷۳، مولانا آزاد کی ورکنگ کمیٹی  
سے استعفا ۷۷، صوبہ سرحد میں اثر  
۳۴۱ م، تقسیم کا اثر ۳۸۷ م، مسٹر  
حاج سے ملاقات ۳۸۹، گرفتاری ۳۹۴  
عبدالقیوم خان ۲۷۴، حدائق خدمتگاران پر  
ظلم ۳۹۴  
عبداللہ، شیخ ۲۹۹، گرفتاری ۳۰۰  
عبدالحمید، سلطان ۱۰  
عسائی سلطنت، تقسیم کے حبیہ امپریلسٹ
- مصوبے ۵۹  
عدم تعاون، درواوش منظور ۲۶، چوری چورہ  
حادثہ، تعطل ۴۱، حاتمہ ۴۲  
عراق ۹، مولانا آزاد کا سفر ۱۷  
علی طہیر ۳۳۶  
علی گڑھ پارٹی، مسلمانوں کی سیاسی رہنمائی  
۲۱  
عصر علی خان، محمد اہرم حکومت ۳۳۴  
فراس، مولانا آزاد کا سفر ۱۹، جمہوریت  
اور آزادی کے لئے جنگ ۵۹، ۶۷،  
شکست ۷۳  
طار، ایم ویلڈ، امیٹ گورنر سگال ۱۵  
قانون حکومت ہند ۱۹۳۵، ۳۰، ۳۱،  
ملکیت زمین، زرعی قرضداری تعلیم  
مالعان ۵۰  
قدوائی، رفیع احمد، مسلم ایک کو حکمہ  
مالیات دیے کی تحویر ۳۳۶  
کائو، ڈاکٹر، گرفتاری ۸۱  
کانگریس۔ خاص جلسہ کلکتہ ۲۶، مانگپور  
احلاس ۲۷، گیا سشن ۲۷، مکمل  
آزادی کا رولپوش، قوانین نمک ساری  
کی خلاف ورزی ۲۹، خلاف قانون  
جماعت ۲۹، الکشی میں کامیابی ۳۱،  
ولی عہد برطانیہ کا نائیکٹ ۳۸، تقسیم  
پوچھرس، پوچھرس ۴۴، پارلیمانی بورڈ  
۴۹، دو گروپ۔ ترقی پسند اور قدامت  
پسند ۵۱، تری پورہ احلاس ۵۲، وردھا  
میں ورکنگ کمیٹی کا احلاس ۵۶، مقاصد  
جنگ کی وضاحت کا مطالعہ ۶۵،  
رام گڈھ احلاس ۶۸، کامل آزادی کا  
مطالعہ ۷۰، اندرونی اختلاطات ۷۲

کے لئے نام ۳۱۰، صدر کانگریس

۳۹۸، ۱۴ اگست کو بیاں ۴۱۴

کروں، لارڈ ۱۴

کرم یوگی (احار) ۱۴

کھڑے۔ بی سی منشی کے پہلے چیف مسٹر  
۳۵

کیٹ مشن ۲۷۷، ہندوستان میں آمد ۲۸۱،

شی تحویر کا احاطہ ۲۰۲

گاندھی جی، مولانا آزاد سے پہلی ملاقات ۲۳،

عدم تعاون کا پروگرام ۲۴، حیل سے

رہائی، گاندھی اروں معاہدہ، گول میز

کاہرس میں شرکت ۳۰، منشی کاہرس

۴۱، حگ کی وجہ سے دہی پریشانی

۵۴، مولانا آزاد سے اختلاف رائے

۵۵، عدم تشدد بحیثیت ضمیمہ ۷۲، ۸۶،

خود کشی کا ارادہ ۷۳، روحانی طاقت

سے ہٹلر کا مقابلہ کرے کی دعوت

۷۸، مشروط و محدود تحریک سول

ناہرامی ۸۰، مشکل مسائل کو حل کرے

کی صلاحیت ۸۶، حگ سے حلقی عداوت

۱۰۶، کریس سے ملاقات ۱۰۷، مولانا

آزاد سے استعفا کا مطالبہ ۱۶۱ وردھا

میں پریس کاہرس ۱۶۸، مہادیو ڈیسائی

کا بیاں ۱۶۹، ہندوستان چھوڑو تحریک

۱۷۷، آغا خان محل میں قید ۱۸۰، اکیس

دن کا رت ۱۸۷، رہائی ۱۹۰، مسٹر

حاج سے ملاقات ۱۹۲، آزادی ہند

کے لئے تعاون کی پیش کش ۱۹۴،

مرلا ہاؤس میں قیام ۲۱۵، شکایات

حاجے کی صلاحیت ۲۷۶، مولانا آزاد

کے فرقہ وارانہ مسئلہ کے حل سے

ہونا اجلاس، عدم تشدد کی تحویر ۷۴،

۷۵، ورکنگ کمیٹی کے ممبروں کی

کریس سے ملاقات پر پابندی ۱۱۷،

کریس کی تحاویر پر بحث ۱۱۸، کریس

کی تحاویر نامعلوم ۱۳۵، الہ آباد

اجلاس ۱۴۸، کلکتہ کے باری میں

تحویر ۱۵۳، مسلسل، مسلمانوں کے

باری میں فیاضی ۲۳۳، الکشی مبی مسٹر

۲۴۶، الکشی کا نتیجہ ۲۵۳، پولس اور

فوج کی ہمدردی ۲۵۶، کیٹ مشن پلان

کی منظوری ۳۰۵، انٹرم حکومت کی

نامظوری ۳۰۶، صدارت کے لئے

انتخاب ۳۰۸ م، حسان بھائیوں کی

آخری شرکت ۳۹۱

کریس۔ سر اسٹیوڈ، آمد ۹۸، آزادی کی

تحویر ۹۹، روس میں برطانوی سفیر

۱۰۰۔ کریس مشن ۱۰۲، مسلسل،

گاندھی جی سے ملاقات ۱۰۷، قطعہ نظر

میں تبدیلی ۱۰۹، ناکامی ۱۱۲، مسلسل،

طرز عمل ۱۱۶، ڈیسائی سے ملاقات

کی خواہش ۱۱۸، چرچل سے مشورہ

۱۲۰، والیاں ریاست سے گفتگو ۱۲۵،

تحویر نامعلوم ۱۳۵، عمر کیٹ

مشن ۲۷۹، شملہ میں کاہرس ۲۹۷،

پاکستان کے خلاف ۳۰۳، ہندوستان

اور کام ویلتھ ۳۰۵، ۳۰۶، ۳۱۳،

۳۸۱، ۳۸۴، ۳۸۶

کرپلائی۔ جے بی آچاریہ، جنرل سکریٹری

۷۱، عدم تشدد ۷۳، گاندھی جی کے

تاح ۱۵۸، قلم احمد نگر حیل ۱۸۲،

طرز عمل میں تبدیلی ۱۹۵، ۱۹۸، صدارت

حکومت کا اقدار ۳۶۷  
مالویہ - پٹنہ مدن موہن ، کانگریس اور حکومت  
کے درمیان مصالحت کی کوشش ۳۹  
ماؤنٹ بیس - لارڈ ، گورنر جنرل ہندوستان  
۳۶۴ ، ٹالک ۳۶۶ ، تقسیم کی تحویر  
۳۶۸ ، گاندھی جی کی پیشکش سے متاثر  
۳۷۶ ، لندن کا سفر ۳۷۹ ، تقسیم کا عزم  
۳۸۲ ، دلی کو واپسی ۳۸۴ ، پنجوستان  
کی مخالفت ۳۹۲ ، تقسیم کے منصوبے  
پر عمل درآمد ۳۹۹ م ، سگال و پجپات  
کی تقسیم ۴۰۲ ، مشترکہ کماں پر رور  
۴۰۴ ، سرکاری ملازمین کو قبضے کا  
حق ۴۰۶ ، گورنر جنرل ۴۰۹ ، ریاست  
پاکستان کا افتتاح ۴۱۱ ، ۱۵ اگست  
۴۱۷ ، بحری حالات پر قابو ۴۲۲  
متھانی - حان ، ہندوستان کے پہلے وزیر مالیات  
۳۳۱

محمد عہد ، شیخ ، حامیہ ارہر کی اصلاح ۱۹  
محمد علی ، چودھری ۳۳۷  
محمد علی ، مولانا ۲۴ عدم تعاون کی تحویر  
۲۵ ، آزاد کے ہم سفر ۲۷  
محمد ہادی ، آگرہ کے قلعہ دار ۸  
عمود - سید ، ڈاکٹر ، عمر ورکگ کمیٹی ۷۱ ،  
۷۷ ، ہندوستان چھوڑو تحریک میں  
گرفتاری ۱۷۶ ، قلعہ احمد نگر حیل  
۱۸۲ ، ۱۸۴ ، رہائی کے احکامات ۱۹۷ ،  
۱۹۸ ، وزارت میں شمولیت ۲۵۹  
مسلم لیگ ، کانگریس کے خلاف پروپیگنڈا  
۴۹ ، کانگریس کے خلاف جھوٹے  
الزامات ۴۹ ، تاریخ ۲۲۶ مسلسل ،  
کانگریس کی طرف سے مسلمان نام پیش

اتفاق ۲۸۵ ، راج گوبال اجاری پر  
پابندی ۲۹۶ ، شملہ کانگریس ۲۹۷ ، سردار  
پٹیل کی طرف میلان ۳۱۰ ، مارڈول  
کی موافقت ۳۴۷ ، تقسیم کی مخالفت  
۳۷۴ ، تقسیم پر مصالحتی ۳۷۵ ، مٹر  
حاج کو وزارت ، اسے کی دعوت ۳۷۶ ،  
پٹیل کا اثر ۳۷۷ ، تقسیم کے اسے عہدوں  
سے ایل ۳۹۷ ، دہلی کے واقعات کا  
اثر ۴۲۴ ، رت ۴۳۰ م ، سردار پٹیل  
کی ناراضگی ۴۳۳ ، رت توڑنے کی  
شرطیں ۴۳۴ م ، رت حتم ۴۴۰ ، ہم  
۴۴۲ ، انتقال ۴۴۳

گپتا - جے سی کرپس کے میزبان ۲۸۱  
گوڈسے ، قتل کا مقدمہ ۴۴۸ ، سرائے موت  
۴۴۹

گوکھالے ۲۲۷

گھوش ، آرندو ۱۴

گھوش - پروہلا چندر ، عمر ورکگ کمیٹی ۷۱ ،  
قلعہ احمد نگر حیل ۱۸۲ ، طرر عمل  
میں تبدیل ۱۹۵ ، ۱۹۸ ، سردار پٹیل پر  
الزام ۴۴۷

لاجپت رائے ، لالا ، صدر کانگریس ۲۶ ،  
عدم تعاون پروگرام کی تائید ۲۷  
لارس ، پیتھک - لارڈ ، کیٹ مش کا اعلان  
۲۷۹ ، ۲۹۹ پاکستان کے خلاف ۳۰۳ م ،  
آزاد کی نظر میں ۳۰۶ ، ۳۱۳ ، ۳۸۴  
لیاقت علی ، کانگریس سے اشتراک کی گفتگو  
۲۷۳ ، ۳۱۵ ، ۳۳۳ ، عمر انرم حکومت  
۳۳۴ وزیر مالیات ۳۳۷ م ، ۴۱۳ ، پٹنہ  
ہروکے دعوت نامہ پر ناراضگی ۳۴۰ ،  
لندن کانگریس ۳۴۹ ، بحث ۳۵۳

نایر۔ سی شکر، صدر بمبئی گاہرس ۴۱  
رائس، جے پرکاش، رہائی ۲۴۵، سردار پٹیل  
پر الرام ۴۴۶  
ریدان، نمبئی کانگریس کے لیڈر ۳۵، سردار  
پٹیل کے خلاف اپیل نامطور ۳۶،  
نمبئی کانگریس کی ریادتی ۴۸  
مشر۔ عد العرب، مہر انڈم حکومت ۳۳۴  
مہر ریدہ ۹، مرمت کے لئے چندہ ۱۰  
مہرو، خواہر لال، صدر کانگریس، حکومت  
کے عہدی قول کرے کے خلاف ۳۴،  
سردار پٹیل سے اختلاف رائے ۳۶،  
حک کے مسئلے پر مولانا آزاد سے  
اتفاق رائے ۵۵، مہر ورکگ کمیٹی ۷۱،  
عدم تشدد ۷۳، ۷۶، اہرادی ستیہ گریہی  
۸۰، رہائی ۸۳، چپی کا سر ۹۰،  
گریس کی تحاور ۷، ویول سے  
ملاقات ۱۲۱، بیور کراہیکل کو انڈویو  
۱۳۷، ریڈیو پر تقریر کا ارادہ ۱۳۸،  
بین الاقوامی نقطہ نظر ۱۳۹، ہندوستان  
چھوڑو تحریک میں گرفتاری ۱۷۶،  
قلہ احمد نگر محل ۱۸۲، قلہ میں پھول  
لگایے کی تحور ۱۸۴، آزاد سے مکمل  
اتفاق ۱۹۷، ۱۹۸، حیل میں منتقلی  
۲۰۰، ۲۱۴، مہر ایکریکو کاؤسل ۲۳۰  
کشمیر کا سر ۲۴۰، آزاد کی حمایت  
۲۶۰، مسلسل، شملہ گاہرس ۲۹۷  
کشمیر کے مسائل میں دلچسپی اور  
گرفتاری ۳۰۰ مسلسل، صدر کانگریس  
۳۱۰، پریس گاہرس ۳۱۳، کیسٹ  
مش پلان کے باری میں غلط بیان  
۳۱۴، ۳۱۶، انڈم حکومت کے پیام

ہوئے پر اعتراض ۲۳۳، الکش کا نتیجہ  
۲۵۳، کیسٹ مش پلان کی منظوری  
۳۰۴، حبیۃ علماء ہند کی حمایت ۳۲۵،  
یو پی میں کانگریس سے اشتراک ۳۲۶،  
انڈم حکومت میں شرکت ۳۳۲، محکمہ  
مالیات ۳۳۷  
مشتاق حسین۔ واب، مسلم ایک کا قیام ۲۲۶  
مشر۔ رامامد، رہائی ۲۴۶  
مصر ۹، مہر ریدہ کی مرمت کے لئے چندہ  
۱۰، ۱۶، مولانا آزاد کا سر ۱۸  
مصطفیٰ کمال پاشا ۱۹  
مکرجی، شیاما پرشاد۔ ڈاکٹر، مہاسہا سے  
مستغنی ۴۴۸  
مڈل۔ ہوگندر انہ، مہر انڈم حکومت ۳۳۴  
مہر سہروردی وزارت ۳۳۵  
مور الدین، مولانا۔ رکی المدرسین، مولانا  
آزاد کے حد احد ۸، بھرت، اور  
وفات ۹  
موریس۔ آرنہر، رت ۴۴۰  
مہتا۔ اشوک، ہندوستان چھوڑو تحریک میں  
گرفتاری ۱۷۶  
مہتا۔ سر ہرور شاہ ۲۲۷  
میرا ہن (مس سلٹ) وائسرائے سے ملاقات  
کی کوشش ۱۶۸، ۱۶۹  
میک آرنہر، فاتح جاپان ۲۴۲  
میس۔ کرشا، خواہر لال کے مداح ۳۷۰  
اطم الدین۔ حواہ ۳۳۳، ۳۳۴  
اکاسکی، ایٹم بم ۲۴۱  
ائٹلو۔ سروسی، مہر ورکگ کمیٹی ۷۱  
ہندوستان چھوڑو تحریک میں گرفتاری  
۱۷۷

۳۴۵، ۳۴۸، ۳۴۹، استعما ۳۵۷، مولانا

آراد کی رائے ۳۵۹، کابینہ کی آخری

صدارت ۳۶۲، ۳۸۳

ہارون رشید، حلبہ ۹

ہٹلر ۱۹۷، ۲۱۰، ۲۵۴

پرام سنگھ - سردار ۲۲۰

ہسپاریہ ۶۰، ۶۶

ہمانوں کی ۷، مولانا آراد کے سکریٹری

۷، ۲۱۴، ۲۹۸

ہندوستان، ہر ربیدہ کی مرمت کے لئے

چندہ ۱۰، حرمی کے خلاف اعلان

حک ۵۶، ہندوستان چوڑو-و تحریک

۱۵۵ مسلسل سارسی حکومت کی

نہور ۱۶۵، ہندوستان چوڑو تحریک

میں ایڈروں کی گرفتاری ۱۷۶، سیاسی

صورت حال ۲۵۴ مسلسل، کام ویلنہ

میں شرکت کا مسئلہ ۳۰۵، تقسیم ۴۰۰،

دفاتر و اثاثہ کی تقسیم ۴۰۳

ہندوستانی بحری بیڑہ، عملی احتجاج ۲۶۴

مسلسل

ہیروشیما، ایٹم بم ۲۴۱

وی سی سنگھ پارٹی، پنجاب میں وزارت ۲۵۹

یوسف مہر علی ۳۱۲

کی دہوت ۳۲۰، مسٹر حجاج سے ملاقات

۳۲۱، آراد کی طر میں ۳۲۴، ٹڈن

کا اثر ۳۲۶، ۳۲۷، سیاسی عطیایاں ۳۲۸،

صوبہ سرحد کا دورہ ۳۴۱ م، باردولی

سے عدم اتفاق ۳۴۷، آمدن کامرس

۳۴۹، لارڈ ویول ۳۵۹، ماؤنٹ بیٹش کی

ثانی سے اختلاف ۳۶۶، تقسیم پر

رسمندی ۳۶۹ م، گاندھی جی کی تحویر

کی حالت ۳۷۶، تقسیم کی حمایت میں

تقریر ۳۹۵، اقلیتوں کے ساتھ میاضی

۴۰۷، صلاحیتوں کا ثبوت ۴۲۴، مسلمانوں

کی حفاظت میں بے بسی ۴۲۷، ۴۳۹

موتی لال، سوراخ پارٹی کا قیام ۲۸،

۴۵، داس کے خطہ طر سے اداق

۴۳، پروچھر ۴۴، گاندھی جی کی

بدطی ۲۷۶

یشل آرکائر، شی دہلی ۳

یشل کامرس، کشمیر ۲۹۹

یشل لائبریری، کلکتہ ۳

وتری، شیخ محمد طاہر، مولانا آراد کے

۹۱۱

ولنگڈن، لارڈ، کانگریس کے خلاف سختی

۳۰

وواہوی، پہلے اہرادی سبہ گریہ ۸۰

ول-لارڈ، ۱۲۰، ۱۳۵، ۱۳۶، ۲۶۹، ۲۷۱،

۲۹۸، ۳۳۷، مشورہ کے لئے انگلستان کا

سفر ۲۰۵، عام انتخاب کا اعلان ۲۴۵،

مسٹر حجاج سے ملاقات ۳۳۲، مولانا

آراد کی تائید ۳۳۳، ۱۲۰، ۱۳۵،

۱۳۶، ۲۰۵، ۲۴۵، ۲۶۹، ۲۷۱، ۲۹۸،

۳۳۲، ۳۳۳، ۳۳۷، ۳۳۹، ۳۴۰، ۳۴۲،





